میر کی آپ بیتی

(ذکرِ میر کا اُردو ترجمہ)

مع فارسی متن

نثار احمد فاروقی

میر کی آپ بیتی

(ذکرِ میر کا اُردو ترجمہ)

نثار احمد فاروقی

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلّی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱۴۶۷

سنہِ اشاعت: ———— ۱۹۹۶ء
قیمت : ———— ۱۲۵ روپے
بہ اہتمام : ———— اختر زماں
طباعت: ———— ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

MEER KI AAP BITI
EDITED BY. NISAR AHMED FARUQI
PRICE RS. 125/-
1996

ISBN-81-7160-088-3

ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU GHAR : 212 ROUSE AVENUE
NEW DELHI-110002

اِنتساب

لائق نبود قطرہ بہ عمّان بُردن　　خاروخسِ صحرا بہ گلستاں بُردن
لیکن چہ کنم کہ رسم مورے باشد　　پائے ملخے پیشِ سُلیماں بُردن

میں اپنی یہ حقیر کوشش، احترام و عقیدت کے سدا بہار پھولوں کی خوشبو میں بسا کر اپنے شفیق اُستاد اور پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ سلیمان احمد چشتی قدس اللہ سرّہ العزیز (سجادہ نشینِ پنجم حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی و خواجہ شاہ عبدالباری چشتی رضوانُ اللہ علیہما) کی خدمت میں شرفِ قبول کی تمنّا کے ساتھ پیش کرتا ہوں، جن کے فیضِ تربیت سے، خزَف ریزوں کو ایسا آب و رنگ مل گیا کہ وہ لعل و گوہر سے آنکھ ملا سکیں۔

اوقات ہمان بود کہ با یار بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود

فہرست

میری دلی سے ہجرت

ذکرِ میر[1] (متن فارسی)

---

[1] ذکرِ میر کا فارسی متن جو ۱۹۲۸ء میں بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے شائع کیا تھا، اس میں عنوانات خود مولوی عبدالحق نے قائم کیے تھے۔ ہم نے یہاں فارسی متن میں وہی عنوانات باقی رکھے ہیں جو میر نے لکھے تھے۔ فارسی متن میں کسی خاص موضوع کی تلاش کے لیے اشاریے سے مدد لی جائے۔

[نثار احمد فاروقی]

حرفِ آغاز

اُردو شاعروں کی محفل میں میر محمد تقی میرِ مجلس ہیں اِس کا اعتراف تو ہر زمانے میں کیا گیا ہے مگر اِس انوکھے، البیلے عظیم شاعر کی زندگی اور فن پر جتنا اور جیسا کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔ یہ بات مرزا غالبؔ اور شاعرِ مشرق اقبالؔ سے متعلق کتابیات کو سامنے رکھ کر پرکھی جائے تو اس کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

میرؔ پر تحقیق و تنقید کا اچھا اور وسیع کام نہ ہونے کے جو اسباب ہیں اُن میں سے ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ اُن کے بارے میں اتنی تفصیلات نہیں ملتیں جتنی غالبؔ و اقبالؔ تو کیا، درد، یا مصحفی اور انشا کے بارے میں بھی مل جاتی ہیں۔ دوسرا سبب یہ کہ میرؔ کا حلقۂ تلامذہ اور حلقۂ احباب اتنا وسیع نہ تھا جتنا غالبؔ، یا داغؔ و اقبالؔ کا تھا۔ اِس لیے مراسلت بھی اتنی نہیں۔ ڈاک کا نظام بھی غالبؔ کے زمانے میں بہت وسیع ہو چکا تھا۔ تیسرا سبب یہ کہ میرؔ کی زندگی کا وہ حصہ جو ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء تک دہلی میں بسر ہوا سخت سیاسی ہیجان اور ہل چل کا، طوائف الملوکی کا دور تھا۔ اُن سیاسی آندھیوں سے گزر کر میرؔ کا کلام ہی محفوظ رہ گیا تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔

لیکن میرؔ کو ایک امتیاز اور حاصل ہے جو اُن کے معاصرین میں کسی کے حصے میں نہیں آیا اور اُن کے بعد بھی برسوں تک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ انھوں نے اپنے ذاتی حالات اور اپنے عہد کی سیاسی شورش اور خلفشار کی داستان "ذکرِ میر" کے نام سے قلم بند کی تھی۔ بابائے اُردو، ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کے احسانات سے اُردو زبان ہمیشہ زیرِ بار رہے گی کہ انھوں نے کتنے ہی نہایت اہم اور نہایت

بیش بہا متون تلاش کر کے شائع کر دیے تھے، اُن کی بدولت ہی میر کی فارسی سوانح عمری "ذکر میر" کا متن ہمارے ہاتھوں میں پہنچا۔ آج سے ۶۸ سال قبل ۱۹۲۸ء میں یہ کتاب انجمن ترقی اُردو (ہند) اورنگ آباد سے ٹائپ میں چھپی تھی۔ بابائے اُردو نے اس کے متن کا مقابلہ مولوی محمد شفیع لاہوری کے نسخے سے بھی کیا، اور متن کو پیش کرنے میں اپنی والی کوشش بھی کی، اِس کی اشاعت کے بعد نصف صدی تک ہمارے اہلِ علم اُس سے استفادہ کرتے رہے۔ مگر تحقیق میں حرفِ آخر کچھ نہیں ہوتا، جب کوئی تلاش کے لیے نکلتا ہے نو حجابات بھی ایک ایک کر کے اُٹھتے جاتے ہیں اور علم کے خزانوں میں اسی طرح اضافہ بھی ہوتا ہے۔ بابائے اُردو مرحوم کے اُس زمانے میں جب وہ ذکرِ میر کا فارسی متن شائع کر رہے تھے، اُردو میں متن کی تحقیق و تدوین کا شعور بھی اِتنا رچا ہوا نہیں تھا، وسائل بھی محدود تھے اور اُس کے پڑھنے والوں کا علم بھی اتنا راسخ تھا کہ متن خواہ غلط ہی لکھا ہو، وہ اُس سے صحیح مفہوم برآمد کر لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

ذکرِ میر (فارسی) کی اشاعت سے ۲۵ سال بعد ۱۹۵۳ء میں ہمارے دوست نثار احمد فاروقی کو اسے اُردو میں ترجمہ کرنے کا خیال آیا۔ اس کا محرک یہ ہوا کہ اُس زمانے میں مشہور افسانہ نگار سہیل عظیم آبادی پٹنہ سے رسالہ "تہذیب" شائع کرتے تھے اُنھوں نے اُس کی اشاعتِ خصوصی کو میر تقی میر سے مختص کرنے کا ارادہ کیا تھا اور فاروقی صاحب نے یہ ترجمہ "تہذیب" کو بھیجا تھا، مگر وہ "میر نمبر" شائع نہ ہو سکا اور رسالہ بھی بند ہو گیا تو اُس کا مسودہ اُس وقت انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار مرحوم کو بھیجا گیا۔ انجمن کے مالی وسائل کی کمی اور قاضی صاحب مرحوم کی گرتی ہوئی صحت نے اسے وہاں سے بھی شائع نہ ہونے دیا تو فاروقی صاحب نے ۱۹۵۶ء میں حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی سے اس کی اشاعت کا معاملہ طے کرنا چاہا، اُسی زمانے میں جناب مالک رام نے بھی اُردو ترجمے کا ابتدائی حصہ بہ نظرِ اصلاح دیکھ لیا تھا۔ "میر کی آپ بیتی" کے نام سے اُس کی کتابت بھی ہو گئی مگر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ حالی پبلشنگ ہاؤس سے بھی یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ آخر اسے پہلی بار ۱۹۵۷ء میں مکتبہ برہان دہلی نے شائع کیا۔ چونکہ اس کتاب کے ترجمے کی ضرورت تو ایک عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی، کتاب کو قدردانی کے ہاتھوں نے لیا اور ایک ڈیڑھ سال میں ہی اِس کا پہلا ایڈیشن تمام ہو گیا۔ اُس وقت تک اُردو اکادمیاں تو وجود میں نہیں آئی تھیں اتر پردیش سرکار نے اپنے اعلامیہ X/05114/XV-602/1958 مورخہ ۲ نومبر ۱۹۵۹ء کی رو سے اِس کتاب کو انعام سے بھی نوازا

تھا۔ یہ غالباً اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب تھی جو ۲۵ اگست ۱۹۶۱ء کو پنڈت جواہر لال نہرو وزیرِاعظم ہند کی خدمت میں پیش کی گئی اور اخباروں نے بھی اِس خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ اخبار "جنگ" کراچی میں یہ خبر اس طرح چھپی:

اُردو کی کتاب میر کی آپ بیتی

نئی دہلی ۴ ستمبر۔ ۱۸ویں صدی کے اُردو شاعر میر تقی میر کی سوانح حیات "میر کی آپ بیتی"، جو فارسی سے ترجمہ کی گئی ہے اور جس کو دہلی یونیورسٹی کے جناب نثار احمد فاروقی نے مرتب کیا ہے وہ وزیرِاعظم پنڈت نہرو کو پیش کی گئی۔ یہ کتاب اسی سال حکومت یوپی سے انعام حاصل کر چکی ہے۔"

میر کی آپ بیتی اُسی زمانے میں بعض جامعات کے ایم اے کے نصاب میں بھی شامل کی گئی۔

اِس کتاب کا اُردو کی علمی دنیا میں جس گرم جوشی سے استقبال ہوا اُس سے مترجم کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی۔ انھوں نے اِس کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری ۱۹۶۲ء سے ہی شروع کر دی تھی۔ اب یہ خیال ہوا اس کا فارسی متن بھی شائع ہونا چاہیئے۔ اِس مقصد سے ذکرِ میر کے متن کا مطالعہ کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ فارسی متن کی تصحیح کا حق ادا کرنا ابھی باقی ہے۔ اُنھوں نے اس کا مقابلہ نسخۂ رامپور سے کیا اور ممکن حد تک مطبوعہ متن کی غلطیوں کو دور کر دیا۔ اِس کے نتیجے میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ترجمے پر بھی نظرِ ثانی کی جائے یہ کام نثار صاحب نے اِتنی دقیقہ رسی اور ایسی محنت سے کیا کہ اب اِس ترجمے کا پہلی اشاعت سے کوئی واسطہ نہ رہا، اِسے بالکل نیا ترجمہ ہی سمجھنا چاہیئے جو سلیس، بامحاورہ اور شگفتہ بھی ہے، وفادار بھی، کہیں تو فارسی اور اُردو کی عبارتیں لفظ و معنی اور اسلوب و آہنگ کے اعتبار سے بالکل یک جان و دو قالب، نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر چند فقرے کسی انتخاب کے بغیر لکھتا ہوں جس سے متن کے ساتھ ترجمے کی حسیدگی کا اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا۔

فارسی متن	اُردو ترجمہ
اے عزیز اگر آن محبوب سراپا ناز پیش چشم است بہشت جاوید۔ واگر از نظر رفت، ہمان دوزخ عاشق	اے عزیز اگر وہ ناز کا مجسّم والا آنکھوں کے سامنے ہے تو یہی بہشت جاوید کا عالم ہے۔ اگر وہ نظروں سے

نا اُمید۔ بدان کہ سرِ کُلافہ پیدا نمی شود یعنی بر ما ہیچ ہویدا نیست۔ نمی دانم کہ زاہدانِ ریاضت پیشہ چہ در سر دارند و بیخودانِ شوقِ آن مستِ سرانداز از کہ خبر؟ جمعے را خلشِ خواہشے جماعتے را کاوشِ کاہشے۔ کسانیکہ حق شناس اند مبرّا از اُمید و یاس اند۔ عزیزانیکہ با خدایند، دلدادگانِ رضایند۔ جانِ عاشقان را کہ بہ تلخی کار است، خونِ ایشان شیرین بسیار است۔ رنج را بر خود گوارا کن کہ تا شایانِ راحت شوی۔ کار را بسیار با خود تنگ بگیر تا بہ فراغت روی۔

اوجھل ہوا تو یہی عاشق نا اُمید کا جہنم ہے۔ جان رکھو حقیقت کا اُور چھور نہیں ملتا یعنی ہمیں کچھ پتا نہیں۔ کیا جانے زاہدانِ پیشہ کیا ٹھانے ہوئے ہیں اور اُس مستِ سرانداز کے متوالے کیا جانے ہوئے ہیں۔ ایک جماعت کو خواہش کی خلش ہے تو دوسری کو کاہش کی کاوش مگر جو حق شناس ہیں وارستۂ اُمید و یاس ہیں۔ وہ عزیز جو خدا کے ہو گئے اُس کی رضا میں کھو گئے۔ عاشقوں کی جان کو تلخیوں سے ضرور پالا پڑا ہے مگر اُن کا خون میٹھا بڑا ہے۔ رنج گوارا کرو کہ اپنے تئیں شایانِ راحت بنا سکو، کڑیاں جھیلو کہ بہ فراغت یہاں سے جا سکو۔

دوسرے ایڈیشن کے لیے متن کی تصحیح اور ترجمے پر مکمل نظرِ ثانی کے ساتھ ہی نثار صاحب نے جا بجا نہایت ضروری اور مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ لیکن اس میں ایک کمی بھی رہ گئی۔ اس دوسرے ایڈیشن کے لیے مترجم نے ایک مفصّل مقدمہ لکھا تھا جو اُن کے ۲۵-۳۰ سال کے مطالعے کا حاصل تھا اور فارسی متن کی نہایت مفصّل فرہنگ تیار کی گئی تھی جس سے ایک ایک لفظ کی تشریح اور وضاحت ہو جاتی تھی۔ ابتدا میں اس اشاعتِ ثانی کا کام بھی مکتبہ بُرہان دہلی ہی نے کرایا تھا لیکن اِس عرصے میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب کا انتقال ہو گیا اور اب یہ ادارہ زبوں حالی کا شکار ہونے لگا۔ جو اہلِ قلم مکتبہ برہان سے محض اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے وابستہ تھے وہ ایک ایک کر کے الگ ہو گئے۔ نثار صاحب نے بھی کتابت شدہ اوراق کی اُجرت ادا کر کے انھیں انجمن ترقی اُردو (ہند) کے سپرد کر دیا۔ لیکن اس مرحلے میں اندازہ ہوا کہ انھیں فرہنگ کے ۴۶ صفحات اور مقدمے کے تقریباً ۵۰ صفحات نہیں دیے گئے۔ وہ نہ بہ زوری نہ بہ زاری نہ بہ زر، کسی طرح حاصل نہ ہوئے تو انھوں نے مقدمہ اور فرہنگ کو دوبارہ لکھنا چاہا مگر وہ آدھی تو یہ آورد والی بات تھی۔ مقدمے میں بہت سے مسائل

اُس ترتیب و تفصیل سے نہ آسکے اور فرہنگ بھی ناقص ہی رہ گئی۔ لیکن اُمید ہے ان شاء اللہ آیندہ ایڈیشن کے لیے نثار صاحب اِن دونوں حصّوں کو اور زیادہ جامع بنا دیں گے۔

اُردو کے ادبی حلقوں کو ذکرِ میر سے انجمن نے ہی متعارف کرایا تھا، انجمن پریس نے ہی ۱۹۲۸ء میں اِس کا متن چھاپا تھا۔ اب ذکرِ میر کے تصحیح شدہ فارسی متن اور اُس کے ترجمے کو چھاپنے کا حق بھی سب سے زیادہ انجمن ہی کا بنتا تھا، اِس لیے ہماری ادبی کمیٹی نے اِسے بہ خوشی منظور کیا اور مجھے فخر ہے کہ یہ کتاب نئی شان کے ساتھ پھر انجمن سے ہی شائع ہو رہی ہے۔

اہلِ نظر نے اس کے پہلے ایڈیشن کا بھی شناسانہ اعتراف اور استقبال کیا تھا، اب یہ نیا ایڈیشن نئی زیبایش اور آرایش کے ساتھ آ رہا ہے تو مجھے یقین ہے کہ علمی حلقوں میں اِس کی پذیرائی ہو گی۔

۳ر جون ۱۹۹۶ء

خلیق انجم

مقدمہ

میر اردو شاعری کے "پیمبر" نہیں، خدا ہیں، اور اُن کی "خدائی" کے حضور ایسے ایسے سرکشوں نے "اپنی بندگی" کا اظہار کیا ہے، جن کا مسلک ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں، بلکہ متضاد ہے۔ بھلا ناسخ اور غالب اور ذوق میں کوئی وجہ مشترک خیال میں آسکتی ہے؟ لیکن اس کے باوجود ان تینوں نے میر کی برتری اور اُستادی کا اعتراف کیا ہے۔ کس کا جی نہیں چاہے گا کہ اِس خدائے سخن کے حالات تفصیل سے معلوم کرے۔ ہماری خوش قسمتی کہ میر نے خود اپنے حالات "ذکرِ میر" کے عنوان سے فارسی میں لکھ دیے تھے اور حسنِ اتفاق سے یہ کتاب دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی۔ زیرِ نظر کتاب اسی خود نوشت سوانح عمری کا اردو ترجمہ ہے۔ چونکہ اصل فارسی نسخہ بھی اب کم یاب ہے، اس لیے اردو دنیا کو مترجم کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے اسے اُردو میں منتقل کر کے اس سے استفادے کا حلقہ وسیع تر کر دیا۔

اس کتاب کی اہمیت دوگونہ ہے۔ ایک نفسی، دوسری آفاقی۔ نفسی یوں کہ اس سے میر کے اپنے حالات، جن سے متعلق کسی شبہے کا امکان نہیں، کم و بیش تفصیل سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ میر ۱۱۹۶ھ میں دہلی سے لکھنؤ گئے۔ اُن کی پیدائش غالباً ۱۱۳۶ھ میں ہوئی تھی۔ گویا سفرِ لکھنؤ کے زمانے میں اُن کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ ہوگی۔ ہمارے پاس ان ساٹھ برس کے حالات کا "ذکرِ میر" سے زیادہ مستند اور کوئی ماخذ نہیں۔

تذکرہ نویسوں نے عام طور پر اور مولانا محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں خاص طور پر جو باتیں میر سے متعلق لکھی ہیں، اُن سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

ان کی اصلاح "ذکرِ میر" سے ہوجاتی ہے۔ مثلاً اس سے یقینی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اُن کے والد کا نام میر محمد علی تھا، اور وہ اپنے زہد و اتقا کے باعث میر علی متقی کے عُرف سے مشہور تھے (ص ۵۰) اِسی سے معلوم ہوا، کہ وہ واقعی سید تھے اور جن لوگوں نے اُن کی سیادت پر شبہہ کیا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ آزاد نے آبِ حیات میں غالباً خود میر کے ایک بیان (نکات الشعرا، ص ۴) پر بھروسا کر کے اُنھیں خانِ آرزو کا شاگرد لکھا ہے، جو اُن کے سوتیلے ماموں بھی ہوتے تھے۔ اِس کتاب سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ وہ اُن کے استاد نہیں تھے، بلکہ اُنھوں نے اِن کی تعلیم و تربیت میں کسی طرح کی دل چسپی ہی نہیں لی اور اپنے بھانجے میر محمد حسن (یعنی میر کے سوتیلے بڑے بھائی) کی انگیخت پر اُن سے بہت بدسلوکی کی (ص ۱۱۴) میر، بلکہ اردو ادب پر بہت بڑا احسان میر سعادت علی امروہوی کا ہے، جن کے کہنے پر میر نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ میر سعادت علی خود بھی شعر کہتے اور سعادت تخلص کرتے تھے۔ اُن کا نام تقریباً تمام تذکروں میں ملتا ہے۔" ذکرِ میر" کے الفاظ بہت واضح نہیں، لیکن پھر بھی ان سے اتنا بآسانی مستنبط ہوتا ہے کہ میر نے اُن سے مشورہ کیا اور کلام پر اصلاح لی۔ (ص ۱۱۷) بلکہ اسی مقام سے کچھ ایسا خیال گذرتا ہے کہ غالباً میر اِس سے پہلے فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آزاد نے میر کے سفرِ لکھنؤ کے جو حالات لکھے ہیں، اُن میں داستان کا لطف ہے، لیکن "ذکرِ میر" دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل بے اصل ہیں میر نے لکھنؤ کا سفر خود نواب وزیر آصف الدولہ کی دعوت پر کیا تھا۔ آصف الدولہ نے سالار جنگ کے ذریعے زادِ راہ بھیج کر اُنھیں بلوایا تھا۔ (ص ۱۹۵) یہ وہاں پہنچ کر سالار جنگ کے دولت کدے ہی پر اُترے۔ اب اِس کے بالمقابل آبِ حیات کا متعلقہ مقام دیکھیے تو افسانہ و حقیقت کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اِس طرح کی کئی تفصیلات ہیں، جن کی اِصلاح "ذکرِ میر" سے ہوتی ہے۔

میر کے ذاتی حالات کے علاوہ یہ کتاب ہندستان کی اُس دور کی تاریخ کا بھی

بہت اچھا ماخذ ہے۔ افسوس کہ ہمارے مؤرّخوں کا دھیان اِس طرف نہیں گیا۔ یہ بڑا پُرآشوب زمانہ تھا۔ بیرونی حملہ آوروں کی تاخت وتاراج اور اندرونی امیروں کی خانہ جنگی اور بیش قدمی نے سلطنتِ مغلیہ کا حال بہت پتلا کر رکھا تھا۔ بادشاہِ دہلی کی حیثیت شاہِ شطرنج سے زیادہ نہیں تھی۔ جو شخص بھی اپنی ذاتی قابلیت اور ریشہ دوانیوں سے یا اپنے حلیفوں کی مدد سے وزارتِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوجاتا، دراصل وہی حکمرانِ وقت تھا۔ احمد شاہ درّانی نے یکے بعد دیگرے متعدّد حملے کیے۔ یہاں ملک کے اندر افغانوں اور مرہٹوں اور جاٹوں نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خلقِ خدا اُن کے ظلم وستم سے پناہ مانگتی تھی۔ یہ تمام حالات نہ صرف میرؔ کے سامنے پیش آئے، بلکہ وہ خود اِس "دریائے خون کے شناور" رہے۔ اور کتنے معرکوں میں تو بذاتِ خود موجود تھے۔ اِن خانہ جنگیوں کی بعض تفصیلات جو اُنھوں نے قلم بند کی ہیں، وہ کسی دوسری جگہ نہیں ملتیں اور ضرورت ہے، کہ اِس پہلو سے اِس کتاب کا مطالعہ غائر نظر سے کیا جائے۔

لیکن اِن باتوں کے علاوہ اِس کتاب کی ایک اور خصوصیت بھی نظرانداز کر دینے کے قابل نہیں۔ اِس میں اخلاقی اور روحانی تعلیم ایسے سادہ اور دل نشین انداز میں بیان کی گئی ہے کہ اُس سے بہتر بہت کم کسی اور جگہ دیکھنے میں آئی۔ اخلاق اور روحانیت کوئی نظری چیز نہیں، یہ سراسر عملی حقیقت ہے۔ اگر آپ اِن تعلیمات پر عمل نہیں کرتے، تو اِن کی صرف زبانی تلقین یا اِن پر ذہنی ایمان نہ کافی ہے، نہ مفید۔ میرؔ ایک اہلِ علم وعرفان خاندان کے نام لیوا تھے۔ اُن کے والد میر علی متقی برگزیدہ درویش اور صاحبِ رُشد وہدایت صوفی تھے، اِس لیے اگر وہ اِن مسائل پر گفتگو کریں اور اپنے حلقہ نشینوں کو یا خود میرؔ ہی کو پند ونصیحت کریں، تو اُن پر بے عملی کا الزام نہیں لگ سکتا، کہ کوئی اُن سے کہے "تو بُرونِ درچہ کردی، کہ درونِ خانہ آئی"۔ یہی سبب ہے کہ میرؔ کے والد یا چچا نے جو تعلیم اُنھیں دی، اُس کا لفظ لفظ خلوص سے پُر اور ناخن بدل

ہے۔ چوں کہ یہ باتیں دل سے نکلی ہیں، اس لیے دل پر اثر کرتی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ کس ماحول میں پیدا ہوئے اور کس پائے کے بزرگوں کی نگرانی میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس سے میرؔ کی زندگی اور ان کا مزاج اور کلام سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

اِن اسباب سے میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بہت اچھا ہوا، جو "ذکرِ میرؔ" کا ترجمہ اردو میں ہو گیا۔ جناب نثار احمد فاروقی نے بحیثیت مترجم اپنا فرض بہت اچھی طرح نبھایا ہے۔ انھوں نے اصل کے مطالب سے کہیں انحراف نہیں کیا، ترجمہ کی زبان بھی شگفتہ اور سلیس اور بامحاورہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو دان طبقہ اس کتاب سے پورے طور پر مستفید ہوگا۔

مالک رام

نئی دہلی
۳۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

(طبعِ اوّل)

اُردو میں میر تقی میرؔ کا شاعرانہ مرتبہ تعریف یا تعارف سے بہت بلند ہے، اور اس حیثیت سے اُن کی ادبی اوّلیت مسلّم ہے کہ انھوں نے اُردو غزل کو نیا رنگ و آہنگ اور منفرد لب و لہجہ عطا کیا۔ اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ ان کا تذکرہ نکات الشعرا بھی اُردو تذکرہ نویسی کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اب تک جتنے تذکرے دریافت ہوئے ہیں اُن میں قدیم ترین مانا جاتا ہے۔ ان سے پہلے اگر کسی نے شعرائے اُردو کا کوئی تذکرہ لکھا بھی ہو تو وہ اب محفوظ نہیں[1]۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ میرؔ اُردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے خود اپنی سوانح عمری لکھی اور وہ محفوظ رہ گئی۔

فارسی متن

اصل کتاب فارسی میں ہے اس کا ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۸ء) کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ خان بہادر مولوی بشیر الدین مرحوم بانی مسلم ہائی اسکول اٹاوہ کو ملا تھا۔ پہلی بار ۱۹۲۶ء میں اس کا ملخّص اُردو ترجمہ مولوی حبیب اللہ نے سہ ماہی اُردو میں چھاپا۔ پھر ۱۹۲۹ء میں فارسی متن بھی اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا [illegible] میں چھاپا گیا تھا جس میں ۱۶۰ صفحے تھے جن میں ۲۰ مقدمے کے اور ۱۳۳ متن کے ہیں۔ اس میں حیا غت

لہ اس کتاب کی اشاعت (۱۹۵۱ء) کے بعد میں نے ایک مضمون تذکرۂ عشق پر رسالہ [illegible] میں شائع کیا ہے کہ اوّلیت قائم چاندپوری کے تذکرہ مخزن نکات کو حاصل ہے۔ یہ مضمون میری کتاب تلاش [illegible] میں شامل ہے۔

کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں اور ترتیب کے نقائص سے بھی خالی نہیں۔

نسخۂ لاہور

ذکرِ میر کے تین قلمی نسخے اب تک دریافت ہوئے ہیں۔ ایک تو یہی اٹاوے کا، دوسرا نسخۂ لاہور جو پروفیسر محمد شفیع کی ملکیت ہے یہ مطبوعہ متن کی تصحیح کے وقت مولوی عبدالحق کے پیش نظر رہا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اُس کے اختلافات کا اچھی طرح مقابلہ نہیں کیا۔ پروفیسر محمد شفیع کا یہ نسخہ ۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۳۱ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۸۱۶ء یعنی سنہ جلوس اکبر ثانی کا لکھا ہوا ہے۔ نسخہ اٹاوہ میں جس پر مطبوعہ متن مبنی ہے، میر نے خاتمے میں اپنی عمر ۶۰ سال لکھی ہے۔ لیکن نسخۂ لاہور میں اس کی جگہ ۵۰ سال ہے اور مطبوعہ فارسی متن کے صفحہ ۲۱۴ (ترجمہ ہذا کے صفحہ ۱۸۲) میں جہاں

این شامتِ اعمال قیامت بسر آورد

آیا ہے نسخۂ لاہور میں اُس کے بعد یہ عبارت ملتی ہے:

"انچہ از اُسلوب معلوم می شود، حسام الدین خاں دراصل از میان رفت، چراکہ بدستِ دشمنانِ جانی اُفتادہ است، تا بمقدور زندہ نخواہند گزاشت۔"

پھر خاتمے کی عبارت اور قطعہ تاریخ ہے اور چند لطیفے دیے ہیں، جن کے بارے میں مولوی عبدالحق کا بیان ہے کہ فحش ہیں اس لیے طباعت کے وقت کتاب سے خارج کر دیے گئے۔

نسخۂ رامپور

ذکرِ میر کا دوسرا خطی نسخہ کتاب خانہ عالیہ رامپور میں محفوظ ہے، جو رمضان ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) کا مکتوبہ ہے اِسے شیخ لطف علی حیدری نے نقل کیا ہے اور اُس میں:

این شامتِ اعمال قیامت بسر آورد

کے بعد یہ عبارت ہے:

"انچہ ظاہر است حسام الدین خاں درحقیقت از میان رفت چراکہ بدست

دشمنانِ جانی افتادہ است تا مقدور زندہ نخواہند گزاشت۔ بیشتر اختیارِ خدا است کہ او بر ہمہ چیز قادر است۔"

رامپور کے نسخے میں کتاب کا اختتام میرؔ نے اپنی عسرت اور تنگ دستی کے دلدوز بیان پر کیا ہے جو نہ اٹاوے کے نسخے میں ہے نہ لاہور کے۔ وہ عبارت یہ ہے:

"احوالِ فقیر از سہ سال آں کہ چوں قدر دانے درمیان نیست و عرصۂ روزگار بسیار تنگ است توکل بخدائے کریم کہ اُو رزّاقِ ذی القوۃ المتین است، کردہ بخانہ نشستہ ام ظاہر از اسباب باعزّہ چند مثل ابوالقاسم خاں برادرِ خُرد عبدالاحد خاں مجدالدّولہ و وجیہہ الدین خاں برادر حُسام الدین خاں و بیرم خاں صاحب خلف الصّدق بہرام خاں کلاں کہ در آدمی رَوشی یکتائے روزگارِ خود اند و قطب الدین پسر سعدالدین خاں خانساماں اگرچہ بنِشش کم است . . . و خالی از سعادت مندی نیست و قاضی لطف علی خاں کہ آدمیانہ می زید گاہ گاہ ملاقات کردہ می آید خواہ از دستِ ایشاں انتقاعے رسد یا نرسد۔ مایۂ توکل ہمیں صاحبان اند و گاہے ایں چنیں ہم اتّفاق می شود کہ کسے فقیر و شاعر و متوکل دانستہ بطریقِ نذر چیزے می فرستد محلِ تشکر است۔ اکثر قرض دارمی باشم و بہ عُسرتِ تمام بسر می کنم۔"

نسخۂ رام پور کے خاتمے میں بھی مطبوعہ نسخے کے برخلاف اور نسخۂ لاہور کے مطابق میرؔ نے اپنی عمر ۵۰ سال لکھی ہے۔ ۱۱۳۵ھ ان کا سالِ ولادت تسلیم کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہ احوال اُنھوں نے ۱۱۸۵ھ کے بعد لکھا ہے۔ اگر یہ اضافہ انھوں نے لکھنؤ میں کیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دربارِ اودھ سے وابستہ ہونے کے بعد بھی میرؔ کی تنگ دستی اور افلاس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اٹاوے کا نسخہ میرؔ کی زندگی میں نقل ہوا ہے اور نسخۂ رام پور ۱۲۶۴ھ میں یعنی میرؔ کی وفات سے تقریباً ۲۱ برس کے بعد لکھا گیا۔ اس سے یہی قیاس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میرؔ نے لکھنؤ کے قیام میں بڑھائی ہو گی۔ ورنہ ۱۲۲۲ھ کا نسخہ اس سے خالی نہ ہوتا۔

زمانۂ تصنیف : ذکرِ میرؔ کی تصنیف کا آغاز کب ہوا، اس بارے میں کوئی قطعی رائے قائم

نہیں کی جا سکتی، میرا اپنا خیال ہے کہ میرؔ نے اُسے ۱۱۸۵ھ سے بہت پہلے لکھنا شروع کر دیا تھا اور آخر عمر تک اس میں اضافہ و ترمیم کرتے رہے لیکن قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا، پٹنہ فرماتے ہیں کہ کتاب ۱۱۸۵ھ کے لگ بھگ لکھنا شروع کی گئی۔ میرؔ نے اس کے اختتام کی تاریخ اِس قطعے سے نکالی ہے:

مسمّٰی باسمی شدہ اے باہُنر
کہ این نسخہ گردد بعالم سَمَر
ز تاریخ آگہ شوی بے گمان
فزائی عدد بست وہفت ازان

کتاب کے نام "ذکر میر" سے ۱۱۷۰ء نکلتے ہیں جس میں ۲۷ جمع کرنے سے ۱۱۹۷ھ حاصل ہوئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب میں اس سنہ کے بعد کے واقعات بھی درج ہیں یعنی غلام قادر روہیلہ کے مظالم کا بیان جو ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ء) کا واقعہ ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب فرماتے ہیں۔

"..... میرا قیاس ہے کہ یہ ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں شروع ہوئی۔ نسخۂ لاہور کا انجام بظاہر ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۲ء) میں اور نسخۂ اٹاوہ ظاہراً ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ء) میں تمام ہوا۔ آغازِ کتاب کے بارے میں میرا قیاس صحیح ہے تو کتاب کا بیشتر حصّہ (نسخۂ مطبوعہ میں صفحہ ۱ سے صفحہ ۱۲۰ تک) کاماں میں قلم بند ہوا ہے محض چند صفحے (صفحہ ۱۲۱ سے ۱۲۸ سطر ۴) دہلی میں اور باقی لکھنؤ میں ...."

واقعات کی کیفیت:

اس کتاب میں ابتدائی حصّہ میرؔ کے والد اور منہ بولے چچا کی تعریفوں اور مسائلِ تصوف سے بھرا ہوا ہے اس میں نہایت شاعرانہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ میرؔ کے والد یا "چچا" امان اللہ اتنے بڑے صوفی اور بزرگ نہ تھے کہ "خلقِ خدا اُن کے آستانے کی خاک بطور تبرک" لے جاتی یا وہ آسمانِ درویشی کے آفتاب و ماہتاب ہوں۔ اس میں میرؔ نے جی کھول کر مبالغے سے کام لیا ہے۔

میرؔ کو اپنے باپ اور چچا کا سایہ ۱۱-۱۲ برس سے زیادہ نصیب نہیں ہوا لیکن انھوں نے

میر امان اللہ کے ساتھ بعض درویشوں کی صحبت میں جانے کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے اقوال و اشعار نقل کیے ہیں مگر جن دنوں کی یہ باتیں ہیں اس وقت میر کی عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہیں تھی، پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنا کم سن بچہ درویشوں کے صوفیانہ اقوال کو اس طرح سمجھ سکے کہ تقریباً تیس چالیس سال کے بعد جب وہ اپنی سوانح عمری لکھنے بیٹھے تو انھیں من و عن نقل کر دے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ سارے واقعات میر کے اپنے ذہن کی اختراع ہیں، ممکن ہے کہ خارج میں احسان اللہ اور بایزید وغیرہ کا وجود رہا ہو لیکن اُن سے جو ملفوظات روایت کیے گئے ہیں ان کا بیشتر حصہ جعلی اور اختراعی ہے، یہ شبہ یقین کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک فقیر احسان اللہ کی خدمت میں اپنے چچا کے ساتھ جانے کا حال لکھا ہے۔ یہ اس درویش سے ان کی آخری ملاقات تھی، اُس دن شام کو نصرت یار خاں صوبہ دار آگرہ آکر قدم بوس ہوا، اور پانچ اشرفیاں نذر کر کے چلا گیا وغیرہ۔ قطع نظر اس سے کہ نصرت یار خاں کے صوبہ دار آگرہ ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں، اُس کی تاریخ وفات جیسا کہ ہم نے ترجمے کے حاشیے میں لکھ دیا ہے ۱۱۳۴ھ ہے اور میر اس کی وفات سے بھی ایک سال بعد پیدا ہوئے ہیں، اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ میر سے نام لکھنے میں سہو ہوا ہے تب بھی یہ باتیں زیادہ قابل قبول نہیں۔

کتاب کا جو حصہ امیر الامراء صمصام الدولہ کے دربار سے وظیفہ مقرر ہونے اور اس کے بعد کے حالات و حادثات سے متعلق ہے وہ البتہ تاریخی حقائق ہیں اور دوسری تاریخوں سے زیادہ مستند سمجھے جا سکتے ہیں۔

ادبی حیثیت :

مولوی عبدالحق نے میر کی فارسی کی تعریف کی ہے، اور ان کی نثر کو سادہ و شستہ بتایا ہے یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا ابتدائی حصہ میر نے خاصی محنت سے لکھا ہے اور اس دور کے مرزایان ایران کی نقل کے شوق میں عبارت کو اتنا ادق بنا دیا ہے کہ بعض الفاظ کی تشریح خود انھیں حاشیے پر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میر نے اپنے چچا کی وفات سے قبل اسد اللہ کے کبود جامہ سے آنے کا تذکرہ کیا ہے، کبود جامہ کے بارے میں صرف

"چراغِ ہدایت" سے یہ علم ہوا کہ ایک شہر کا نام ہے لیکن نہایت تلاش و تحقیق کے بعد بھی اُس کا جغرافیہ معلوم نہ ہو سکا۔ ذکرِ میر، کے الفاظ اور محاورے چراغ ہدایت کے سوا کسی دوسری لغت میں مشکل سے ملتے ہیں۔

'ذکرِ میر' سے متعلق بہت سے گوشے ایسے ہیں جن پر تفصیل سے بحث کی جا سکتی ہے لیکن میں نے اُسے یہاں قصداً قلم انداز کر دیا ہے پھر کبھی علیحدہ مضمون کی شکل میں پیش کروں گا۔

ترجمے کی کیفیت :

اب چند باتیں اِس ترجمے کے متعلق عرض کر دوں۔ اسے میں نے ۱۹۵۱ء کے اواخر میں شروع کیا تھا اور یہ ۱۹۵۳ء میں ختم ہوا، اس کے بعد گاہے گاہے اس پر نظرِ ثانی کرتا رہا۔ پہلے یہ آزاد ترجمے کی شکل میں لکھا گیا تھا۔ لیکن محترمی مالک رام صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں نے اس پر دوبارہ محنت کی۔ اب کی بار اسے لفظی ترجمے میں منتقل کرنے کی کوشش کی اور لگے ہاتھوں چند ضروری حواشی بھی لکھ دیے۔ لیکن اب بھی مجموعی طور سے یہ کام جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں ہے۔ اس میں بعض خامیاں رہ گئی ہیں جن کا مجھے احساس ہے لیکن اُن کی تلافی اِس وقت ممکن نہ تھی جب کہ کتاب کتابت کے مرحلوں سے چند بار گزر چکی ہے۔

شکریے

یہ ایک قدیم رسم ہے کہ کتاب کے سلسلے میں جن لوگوں سے مدد ملی ہو، اُن کا شکریہ ادا کیا جائے، مگر میں یہ سطور اس رسم کی پیروی میں نہیں لکھ رہا ہوں، حقیقت یہ ہے کہ یہ بُری بھلی جیسی کوشش بھی ہے، میں اس کا اہل نہیں تھا، اگر میرے بعض بزرگوں اور دوستوں کی ہدایتیں اور مشورے شریک نہ ہوتے۔

میرے محترم جناب مالک رام نے کتاب کے ابتدائی نصف حصّے پر بڑی توجہ سے نظرِ ثانی فرمائی اور گراں قدر مشورے دیے۔ پھر اپنا قیمتی وقت صَرف فرما کر جامع مقدمہ لکھا — یوں بھی وہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہیں، میں نے اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور محض شکریے

کے چند الفاظ اُن کی عنایتوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتے۔

اسی طرح مولانا امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتاب خانہ عالیہ رامپور اور قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا، پٹنہ نیز حضرت نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے احسانات سے بھی میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کہ یہ بزرگ "بُعدِ منزل" کے باوجود خط و کتابت کے ذریعے مجھے ہمیشہ اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے ہیں۔ اِس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہو تو اِنھیں حضرات کا فیض ہے اور خامیاں میری اپنی ہیں۔

احباب میں جناب شاہد علی خاں دلی شکریے کے حق دار ہیں، اُنھوں نے ابتداً سے کتاب کی طباعت میں گہری دلچسپی لی اگر اُن کی توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کتاب ابھی اور تاخیر سے شائع ہوتی۔ میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا بھی تہِ دل سے سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے سنجیدہ علمی کتابوں کی ناقدری کے اِس دور میں اِس کی اشاعت کا سرو سامان کیا۔ میرے دوست اور مشہور حُسن کار جناب اندر جیت نے کتاب کا سادہ و دلکش سرورق بنایا، اور جناب محمد شفیع دہلوی نے دلچسپی سے کتابت کی ہے اِن دونوں حضرات کا بھی ممنون ہوں۔

نثار احمد فاروقی

۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء
یونیورسٹی لائبریری۔ دہلی۔ ۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

(طبعِ ثانی)

میر محمد تقی میرؔ اُردو کے میرِ مجلس ہیں اور اساتذۂ متقدمین میں وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اپنی سوانح عمری فارسی زبان میں ذکرِ میر کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب دستبردِ حوادث سے بچ گئی اور اس کے چند قلمی نسخے متفرق ذخیروں میں محفوظ رہ گئے[1] مگر ایک طویل زمانے تک یہ منظرِ عام پر نہ آسکی۔ میرؔ کی وفات کے ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) برسوں کے بعد اس کا متن بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے ۱۹۲۸ء میں انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے شائع کیا۔ اس کے مشمولات کا خلاصہ اُردو زبان میں رسالہ اُردو (سہ ماہی) میں شائع ہوا تھا۔ متن کی اشاعت کے (۲۰) سال بعد میں نے اسے اُردو میں منتقل کیا اور یہ ترجمہ ۱۹۵۷ء میں مکتبہ برہان دہلی سے شائع ہوکر علمی حلقوں میں اتنا مقبول ہوا کہ پہلا ایڈیشن ایک ڈیڑھ سال کی مدت میں ہی ختم ہوگیا۔ اس کی دوسری اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی اور یہ تقریباً (۲۰) سال کے بعد دوبارہ شائع ہو رہی ہے۔ اس تاخیر کے بہت سے اسباب ہیں جن میں بعض نہایت تلخ بھی ہیں۔

پہلی اشاعت صرف اُردو ترجمے کی شکل میں "میر کی آپ بیتی" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے ساتھ مجھے یہ خیال آیا کہ فارسی متن بھی تصحیح و تدوین کا تقاضا کرتا

---

[1] ذکرِ میر کے بعض قلمی نسخوں کی کیفیت اشاعت اول کے مقدمے میں درج کی جا چکی ہے۔ اس میں دو معلوم نسخوں کا اضافہ اور کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک نسخہ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے، دوسرا نسخہ گوالیار میں ہے۔

مولوی عبدالحق نے اس کے صرف ایک اور قلمی نسخے سے مقابلہ کرکے بعض اختلافات حواشی میں درج کر دیے تھے۔ میں نے نسخہ رامپور رضا لائبریری سے اِس کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ کیا۔ مگر دو اور نسخوں تک میری رسائی نہ ہوسکی جن میں سے ایک گوالیار میں بتایا جاتا ہے۔

تصحیح متن اور مقابلے سے ظاہر ہوا کہ فارسی متن کی پہلی اشاعت میں متعدد غلطیاں رہ گئی تھیں جنھیں محض طباعت کی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ اندازہ ہوا کہ میر نے فارسی جدید لکھنے کے شوق میں چراغِ ہدایت کو سامنے رکھا ہے۔ میر کی آپ بیتی کے مقدمہ میں پہلی بار میں نے اِس طرف اشارہ کیا تھا کہ "ذکرِ میر کے الفاظ اور محاورے چراغِ ہدایت کے سوا کسی دوسری لغت میں مشکل ہی سے ملتے ہیں" (طبع اول ص ۲۲)

میں نے ذکرِ میر کے الفاظ اور محاوروں کی فرہنگ بہت تفصیل سے تیار کی، جس میں چراغِ ہدایت کے علاوہ سیالکوٹی مل وارستہ کی مصطلحاتُ الشعراء، ٹیک چند بہار کی بہارِ عجم، غیاث الدین رامپوری کی غیاثُ اللغات سے بھی استفادہ کیا۔ مگر اِن تینوں لغت نویسوں نے بھی اکثر الفاظ کی تشریح چراغِ ہدایت ہی کی روشنی میں کی ہے۔ اِن کے ساتھ ہی دکتر علی اکبر دھخدا کے "لغت نامہ" سے مدد لی گئی تو ذکرِ میر میں استعمال شدہ ایک ایک لفظ واضح ہو گیا تھا۔ مگر وہ پوری فرہنگ ضائع ہو گئی اب اِس کتاب کے آخر میں جو فرہنگ دی جا رہی ہے وہ میں نے دوبارہ محنت کرکے قدرے عجلت میں تیار کی ہے۔ اِس کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوگا کہ ذکرِ میر میں جو محاورۂ اہلِ ایران کا استعمال ہوا ہے اُس کا دو تہائی سے زیادہ حصہ چراغ ہدایت کا مرہونِ منّت ہے۔

سراج الدین علی خان آرزو (متوفی ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء) ماہرِ السنہ اور لغت نویس بھی ہیں۔ اُن کے زمانے میں فارسی لغات میں فرہنگِ جہانگیری، برہانِ قاطع، فرہنگِ رشیدی، مجمع الفرس سروری وغیرہ سے رجوع کیا جاتا تھا، مگر آرزو نے محسوس کیا کہ اِن کتبِ لغات میں بھی غلطیاں ہیں اور اِن پر آنکھ بند کرکے بھروسا نہیں کیا جا سکتا، اُنھوں نے سراج اللغۃ کی تالیف کی جس میں اپنے پیش رو لغت نویسوں پر کھل کر تنقید بھی کی ہے۔ اِس نقص کے احساس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ آخرِ عہدِ مغلیہ میں بہت سے ایرانی شعراء اور اہلِ قلم ہندوستان آگئے تھے جن کا کچھ احوال لچھمی نراین شفیق کے تذکرہ شامِ غریباں [1] میں دیکھا جا سکتا ہے، اِن شعراء سے بعض ہندستانی

[1] مرتبہ اکبر الدین صدیقی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی ۱۹۷۷ء

شاعروں کا مباحثہ و مناظرہ بھی ہوا۔ خود آرزو اور شیخ علی حزیں کا معرکہ ہمیں معلوم ہے[1]۔ ہندوستان کے فارسی داں علما، اور فارسی گو شعرا، اپنے قدیم فارسی سرمائے پر قانع تھے جدید فارسی محاورات سے انھیں واقفیت نہیں تھی تو وہ ان ایرانی اہلِ زبان کے سامنے خود کو "ناخواندہ" محسوس کرنے لگے تھے، اِس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ہندوستانی فارسی گو شعرا، کی خاصی تعداد رفتہ رفتہ ریختہ گوئی کی طرف چل پڑی اِس سے اُردو شاعری میں نئی توانائی آگئی۔ دوسری طرف خانِ آرزو اور ٹیک چند بہار جیسے علماے فارسی زبان نے جدید فارسی محاورات کی جمع آوری اور ایک جامع لغت کی ترتیب وتدوین کو ضروری سمجھا تو لغت نویسی کے کام میں پیش رفت ہوئی۔

خانِ آرزو نے چراغِ ہدایت کو[2] سراج اللغۃ کے حصّہ دوم کے طور پر لکھا۔ سراج اللغۃ جو تقریباً چالیس ہزار الفاظ پر مشتمل ہے ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء میں تکمیل پا چکی تھی اِس کے بعد ہی آرزو نے چراغ ہدایت کی تالیف کا منصوبہ بنایا ہوگا۔

میر کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ ۱۱۳۵ھ/۲۳-۱۷۲۲ء میں پیدا ہوئے ۱۱۴۶ھ ستمبر ۱۷۳۳ء میں اُن کے والد محمد علی عرف علی متقی کا انتقال ہوا، اِس کے بعد ہی کسی وقت وہ تلاشِ معاش کے لیے دہلی آئے اور فیضِ میر کی آخری حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ میاں محمد سعید خاں نامی ایک درویش صفت انسان سے ملے جو عوام ہی میں نہیں اُمرا کے حلقے میں بھی مقبول تھے ذکرِ میر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ محمد باسط انھیں صمصام الدولہ امیر الامرا کی شہادت (فروری ۱۷۳۹ء ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ) کی خدمت میں لے گئے جنھوں نے ایک روپیہ روزانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا[3] اگر یہ ملاقات ۱۱۴۹ھ

---

[1] شیخ علی حزیں اصفہانی عہدِ محمد شاہ میں ہندوستان آئے تھے۔ انھوں نے یہاں کے بعض شعرا کے کلام اور زبان کے غلط استعمال پر اعتراضات کیے تو خانِ آرزو نے ان کے کلام سے ... اور اُسے ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کی صورت میں شائع کیا تھا۔ حزیں آخر عمر میں بنارس میں ... تھے اور وہیں مدفون ہوئے۔ اُن کا انتقال ۱۱۸۰ھ میں ہوا۔

[2] کتب خانہ رضا رامپور میں چراغِ ہدایت کے پانچ خطّی نسخے ہیں جن میں سب سے قدیم ... کا لکھا ہوا ہے

[3] خواجہ محمد عاصم کا لقب امیر الامرا صمصام الدولہ ہے اِن کے والد خواجہ ... درویش ... اباقی

۳۶-۳۵-۱۷ء میں مان لی جائے تو اس وقت میرؔ کی عمر ۱۳-۱۴ سال سے زیادہ نہ تھی ذکرِ میرؔ میں جو انھوں نے لکھا ہے کہ خواجہ محمد باسط کی زبان سے نکلا "یہ قلمدان کا وقت نہیں ہے۔" یہ سن کر میں نے ٹھٹھا مارا، امیر الامراء نے میری طرف دیکھا اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو میں نے کہا قلمدان کا وجود ایک لکڑی سے زیادہ نہیں وہ وقت بغیر وقت نہیں جانتا، جس شخص کو بھی حکم دیں گے وہ اٹھالائے گا۔" اس پر یہ شبہ وارد کیا گیا کہ اتنا کمسن بچہ اپنے وقت کے امیر الامراء کے سامنے اِس طرح قہقہہ لگائے اور اپنے محسن خواجہ محمد باسط کی لفظی گرفت کرے (جو امیر الامرا کے بھتیجے بھی تھے) یہ سب بعید از قیاس ہے۔ میں بھی اِس سے متفق ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ میرؔ نے صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے تصنیف کیا

(بقیہ) نقش بندی (متوفی ۱۱۴۱ھ/۹-۱۷۲۸ء) تھے مؤخر الذکر کی اولاد میں چار بیٹے اور ایک دختر تھی۔ خواجہ مقتسم (وفات شوال ۱۱۵۳ھ/جنوری ۱۷۴۱ء) خواجہ محمد جعفر (وفات ۱۱۴۱ھ/اگست ۱۷۲۸ء) خواجہ محمد عاصم (وفات ۱۷ فروری ۱۷۳۹ء) محمد مستقیم مظفر خاں (وفات ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء) اور دختر (متوفیہ ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء) خواجہ محمد عاصم کی شادی اسد قلی خاں (متوفی ۱۱۳۷ھ/اگست ۱۷۲۵ء) کی دختر ماہ بیگم سے ہوئی تھی ان کی اولاد میں احتشام خاں، احترام خاں، اشرف خاں (متوفی ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) اور عاشوری خاں تھے خواجہ محمد عاصم اور ان کے بھائی محمد مستقیم مظفر خاں نادر شاہی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے کرنال میں شہید ہوئے تھے۔ (فروری ۱۷۳۹ء) خواجہ محمد عاصم کا مقبرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کی درگاہ کے جوار میں ہے مگر بقول ابن خوشگو کا بیان ہے کہ "بیرونِ قلعہ شہر پناہ متصل کھڑکی خلیل خاں مقبرۂ او ست۔" (تذکرہ خوشگو/۲۲۲) اگلے سال ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء) میں ان کی بیوہ ماہ بیگم بھی فوت ہو گئیں۔ خواجہ محمد عاصم کے بڑے بھائی خواجہ محمد جعفر تھے (متوفی ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء) ان کے دو بیٹے تھے خواجہ علی مجتبیٰ خاں (متوفی ۱۱۴۰ھ/جون ۱۷۲۸ء) اور خواجہ محمد باسط۔ یہی خواجہ محمد باسط میرؔ کو اپنے چچا نواب صمصام الدولہ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ صمصام الدولہ کی ڈیوڑھی موجودہ ایڈورڈ پارک کے قریب جانب جنوب واقع تھی، اس میں پہلے اسد خاں پھر بیرم خاں رہے تھے ۱۷۱۰ء میں یہ صمصام الدولہ کو مل گئی تھی۔ اور خواجہ محمد باسط کا مکان ترکمان دروازہ اور دہلی دروازہ کے بیچ میں واقع تھا۔ سراج الدین علی خاں آرزو محلہ وکیل پورہ میں رہتے تھے (یہ جگہ اب دہلی ریلوے اسٹیشن میں آ گئی ہے) خواجہ محمد باسط کے بارے میں مرآۃ آفتاب نما (قلمی ورق ۱۰۱-۲-الف) میں لکھا ہے کہ وزیر (یعنی قمر الدین خاں) کے پیر و مرشد تھے ان کی حویلی شہر پناہ کے باہر واقع تھی۔ خواجہ کا انتقال ۱۱۶۰ھ/۱۵-۱۷۴۶ء میں ہوا۔

ہے کہ خواجہ محمد عاصم امیر الامرا، جو صمصام الدولہ کے لقب سے مشہور ہیں، آتی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روزینہ مقرر کرانے کے بعد میر آگرے کو واپس چلے گئے۔ خصوصاً اس لیے کہ ان کے چھوٹے بھائی محمد رضی وہیں تھے۔ قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ صمصام الدولہ کے لیے یہ کچھ دشوار نہ تھا کہ وہ یہ وظیفہ آگرے ہی میں دیے جانے کا انتظام کر دیں[1]۔ ۱۱۵۱ھ/ ۳۹۔۱۷۳۸ء کے حملہ نادری میں صمصام الدولہ کی شہادت کے بعد یہ وظیفہ بند ہو گیا ہوگا اور اب کچھ امی جمی ہونے کے بعد ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء میں یا اس کے بعد میر دوبارہ دہلی آئے۔ اس بار محمد رضی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ یہ زمانہ اُنھوں نے اپنی سوتیلی ماں کے بھائی سراج الدین علی خان آرزو کے ساتھ بسر کیا۔ انھوں نے میر جعفر عظیم آبادی سے فارسی پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن سے کچھ پڑھا ہوگا۔ مگر اُن کی تصنیف ذکر میر اور فیض میر نیز فارسی دیوان بلکہ اُردو کے بعض اشعار میں بھی چراغ ہدایت کی جو چھوٹ پڑتی نظر آرہی ہے وہ اس بات کی قوی شہادت ہے کہ اُن کی تعلیم زیادہ تر خان آرزو ہی کی مرہون منت ہے۔ نکات الشعرا کی تالیف ۱۱۶۵ھ/ ۵۱۔۱۷۵۲ء سے پہلے ہو رہی تھی اُس میں انھوں نے خان آرزو کو بڑے آداب و القاب سے یاد کیا ہے: "استاد و پیر و مرشد بندہ" بھی کہا ہے[2]۔ اس وقت خان آرزو دہلی میں موجود تھے اور محلہ وکیل پورہ میں اپنی حویلی میں رہ رہے تھے۔ اواخر محرم ۱۱۶۸ھ/ نومبر ۱۷۵۴ء میں وہ اودھ کی طرف چلے گئے اور ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۵ء میں اثنائے سفر میں بہل گاڑی سے گر کر سخت مجروح ہوئے، کچھ زمانے کے بعد انتقال ہو گیا[3] اور اُن کا تابوت لکھنؤ سے دہلی لا کر اُن کی حویلی محلہ وکیل پورہ میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ذکر میر لکھ رہے ہیں تو کہتے ہیں کہ خالو ... کے مارے دہلی سے نکلے، اس توقع پر اودھ گئے کہ وہاں نواب اسحٰق خاں ... کے بھائی ... وہ سابقہ حقوق کا خیال کر کے کچھ اعانت کریں گے، مگر ... کے لفظوں میں ...

---

[1] قاضی عبدالودود: عیارستان [2] نکات الشعرا ... ص ...

[3] آرزو کا انتقال ۲۳ ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ / ۲۶ جنوری ... کو ہوا ... ص ...

[4] نواب نجم الدولہ کے برادر ... سالار جنگ مراد ہیں جو نواب شجاع الدولہ کے سالے بھی تھے ... ان کے ساتھ ہی دہلی سے اودھ کا سفر کیا تھا (آزاد بلگرامی: سرو آزاد ...)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرؔ نے ذکرِ میر میں خان آرزو کی مذمّت کیوں کی ہے لکھتے ہیں کہ اگر اُن کی "خصمی وحلاجی" کا بیان کروں تو پورا ایک دفتر درکار ہے۔ خانِ آرزوؔ نے بھی ایک یتیم بچّے پر ایسا ظلم وستم کیوں روا رکھا؟ اِس کے لیے بھی ہمیں میر کی تصانیف کے بین السطور کو پڑھنا ہوگا اور داخلی شہادتوں سے ریزہ ریزہ جمع کرکے مطابقِ حالات تصویر بنانی ہوگی۔

میر جس زمانے میں خان آرزو کے ساتھ رہ رہے ہیں یہی وہ وقت ہے جب چراغ ہدایت لکھی جارہی تھی۔ چراغ ہدایت میں ایک تاریخ ۲ ذی تعدہ ۲۶ جلوس محمد شاہی ملتی ہے جو ۲ ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ کے مطابق ہے (یعنی ۷ دسمبر ۱۷۴۴ء) اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع لاہوری کے کتب خانے میں تھا جس کا ترقیمہ خود آرزو نے اپنے قلم سے ۲۷ رجب ۱۱۶۰ھ/۳ اگست ۱۷۴۷ء لکھا ہے۔ اس کا عکس نوادر الالفاظ میں چھپا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کتاب کی تسوید کا کام ۱۱۵۷/ ۱۷۴۴ء اور ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) کے درمیان ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میر نے اس کا مسوّدہ صاف کرنے میں آرزو کی مدد کی ہو یا کسی اور حیثیت سے تعاون کیا ہو۔ اسی سے انھیں فارسی جدید کے اُن محاورات کا علم ہوا جو ایران سے آنے والے استعمال کرتے تھے اور کلاسیکی فارسی پڑھنے والے ہندوستانیوں کو اُن محاوروں سے واقفیت نہیں تھی۔ انھوں نے ذکرِ میر کے بعض واقعات خصوصاً اُس کا ابتدائی حصّہ ان محاورات کو کھپانے کے لیے ہی تصنیف کیا ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اُن کے والد انھیں دس سال کی عمر میں عشق کا فلسفہ سمجھا رہے ہیں اور یہ پچاس برس کی عمر میں اُن ملفوظات کو ایسے لکھ رہے ہیں جیسے وہ کل کی باتیں ہیں۔ یہاں بھی بین السطور میں پوشیدہ مقصد یہ اظہار کرنا ہے کہ عشق کوئی گناہ یا بداخلاقی نہیں کوئی ایسا فعل نہیں جو باعثِ شرم ہو یا قابلِ تعزیر و لائقِ مذمّت ہو بلکہ ایک نہایت مقدّس جذبہ ہے۔ یہ کائنات بھی حرکتِ عشقی سے ہی چل رہی ہے:

عشق ہی عشق ہے جدھر دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

مگر عشق سے عشق تک بھی بہت سے فاصلے اور مرحلے ہیں۔ ایک صوفیہ کا عشق ہے جو معرفت کا حاصل ہے اور ذریعہ بھی۔ دوسرا وہ عشق ہے جو میرؔ نے ننگ نامہ

میں بیان کیا ہے[1] میر کے یہاں عشق کی کون سی کیفیت ہے اس کا قطعیت سے فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ننگ نامہ والا عشق آخر عمر تک اُن کا پیچھا نہ چھوڑ سکا۔ شہزادہ سلیمان شکوہ کے ایک شعر سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

دربار میں کرے ہے بیاں اپنے عشق کا
دیکھو تو اس بڑھاپے میں تم میر کی ہوس[2]

حاصلِ کلام یہ کہ میر جب خان آرزو کے ساتھ رہ رہے تھے اور یہ زمانہ ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۱ء سے ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء کے درمیان یا اس سے کچھ آگے پیچھے کا ہو سکتا ہے تو انھوں نے خان آرزو کے گھر یا خاندان میں کسی لڑکی سے عشق کیا اور بہت شدومد کے ساتھ کیا۔ میر کے لیے یہ بالکل فطری اور نفسیاتی وقوعہ تھا، اُن کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بھائی سوتیلے تھے چھوٹے بھائی کی وہ خود کفالت کر رہے تھے، اپنا وطن (آگرہ) اور گھر بار چھوڑ کر کس مپرسی کے عالم میں دلی آئے تھے، دلی بھی اب وہ نہ رہی تھی جو نادر شاہ کے حملے سے پہلے تھی۔ انھیں اپنی سوتیلی ماں کے بھائی (خانِ آرزو) کی سرپرستی میں رہنا اور تعلیم حاصل کرنا تھا۔ ان سب حالات نے اُن کی جذباتی دنیا میں گہرا خلا پیدا کر دیا تھا۔ اُن کا فطری تقاضا یہ رہا ہوگا کہ کسی سے ٹوٹ کر محبت کریں۔ مگر اس عہد کی معاشرت میں کسی کا اظہارِ عشق کرنا نہایت عظیم اور ناقابلِ معافی جرم تھا۔ ایسی ہی کسی لغزش کی وجہ سے انعام اللہ خاں یقین کو خود اُن کے والد نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا[3]

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ خیال صحیح ہے کہ میر نے ۱۱۵۳ھ سے ۱۱۶۰ھ تک تقریباً سات سال آرزو کی خدمت میں رہ کر گذارے (محمد تقی میر: ص ۲-۱۰۵) [1] کلیات میر (عبدالباری آسی) نول کشور، ص ۹۰۹، مثنوی معاملات عشق، ص ۹۲، نیز ...

[2] دیوان شہزادہ سلیمان شکوہ (مرتبہ ڈاکٹر شاہ عبدالسلام)

[3] ۱۱۶۹ھ ۵۶-۱۷۵۵ء تذکرہ چمنستانِ شعراء۔ تذکرہ خیراتی لال بے جگر قلمی، ورق ۲۰۱ ب شاہ محمد مجددی کی بیانی سے معلوم ہوتا ہے کہ انتقال کے وقت یقین کی عمر ۲۵ سال تھی۔ نیز تاریخ محمدی جلد دوم، (بہ تصحیح نثار احمد فاروقی) رامپور ۱۹۹۶ء تحت ۱۱۶۹ھ

جب اِس عشق نے خاصیتِ مشک پیدا کرلی تو پہلے خان آرزو نے میر کو سمجھایا ہوگا پھر کچھ سخت سُست کہا ہوگا، مگر یہ بھی خیال تھا کہ ایک یتیم اور بے آسرا بچہ ہے اس کو گھر سے نکال دوں تو کہاں جائے گا، اور جو بات ابھی گھر کے اندر ہی ڈھکی چھپی ہے، اُس کے طشت از بام ہونے کا بھی اندیشہ تھا، آرزو نے یہ سارا ماجرا حافظ محمد حسن کو لکھا جو میر کے علاتی بھائی تھے۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ اِتمامِ حجّت ہوجائے اور میر کو گھر سے نکال دیں تو اِس سے غلط فہمی نہ ہو سبب کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

حافظ محمد حسن نے اِن حالات سے واقف ہوکر ایک جذباتی سا جواب لکھ دیا ہوگا کہ یہ فتنۂ روزگار ہے، خاندان کی عزت کو مٹی میں ملا دے گا، اِس کا کام تمام کردینا چاہیئے۔"

بین السطور کے مطالعے سے میرا اندازہ یہ ہے کہ خان آرزو نے میر کو اپنے گھر سے نکال دیا اگرچہ میر کا بیان یہ ہے کہ خود اُنھوں نے وہاں کی بود و باش چھوڑی اور نواب امیر خاں انجام کی حویلی میں آکر رہنے لگے۔[1]

امیر خاں کا نام میر محمد اسحٰق تھا اُنھیں پہلے کامیاب خاں خطاب ملا۔ پھر عزیز اللہ خاں پھر عمدۃ الملک امیر خاں۔ یہ بادشاہِ وقت کے بخشی سوم تھے الہ آباد کی صوبیداری اور کوڑہ جہان آباد و کڑہ مانک پور کی فوجداری اِن کے سپرد تھی۔ نہایت زندہ دل، ظریف حاضر جواب اور شعر و سخن کا مذاق رکھنے والے تھے انجام تخلص تھا، اِن کے اثر و رسوخ نے حاسد پیدا کردیے تھے روز افزوں خاں خواجہ سرائے اِن کے ملازموں میں سے ہی ایک شقی کو مامور کیا اُس نے ۲۳۔ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ/ ۶۔ جنوری ۱۷۴۷ء کو جمعہ کے دن قلعہ میں دیوان خاص کی ڈیوڑھی پر اِنھیں قتل کردیا۔[2]

امیر خاں انجام بہت بڑے امیر تھے اِس کا امکان کم ہے کہ میر سے ان کے تعلقات ہوں شعر گوئی کی مناسبت سے شناسائی ہوسکتی ہے میر نے اُن کی حویلی میں رہنے کا ذکر کیا ہے

---

[1] ذکر میر (ط ۱) ص ۳۰

[2] تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶/۱۴۳ سیر المتاخرین حصہ ۱۳/۳

SARKAR - Fall of the Mughal Empire vol.I p.11

اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ نواب امیر خاں کے متوسّلین جواُن کی ڈیوڑھی میں رہتے تھے ان میں سے کسی کے ساتھ میر نے رہنا اختیار کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ انجام کی موت کے بعد کا واقعہ ہے۔

خانِ آرزو اور میر کے تعلقات کی خرابی یا کشیدگی کے لیے جن لوگوں نے میر کے مذہبی معتقدات یعنی تشیّع کو سبب بتایا ہے وہ مناسب نہیں، اِس لیے کہ خانِ آرزو بھی کچھ تشدد قسم کے سنّی نہ تھے اور میر کم سن تھے اُن کے اعتقادات میں ایسی جارحیت نہ تھی جس سے کوئی فتنہ پیدا ہو اور خانِ آرزو اتنے بے رحم ہو جائیں کہ میر کی یتیمی، غربت اور بے کسی کا بھی خیال نہ کریں۔ دوسرے اُس وقت کی معاشرت میں، اور کسی حد تک آج بھی، ایسے متعدد خاندان موجود ہیں جن کے کچھ افراد شیعہ ہیں کچھ سنّی ہیں۔ خود میر کا گھرانا اس کی مثال ہے۔ بہ ظاہر محمد علی عرف علی متقی کی پہلی شادی خانِ آرزو کی بہن سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حافظ محمد حسن تھے۔ کسی دوسری اولاد کا میر نے بھی تذکرہ نہیں کیا، دوسری شادی کہاں ہوئی اِس کا ہمیں علم نہیں مگر میرا خیال ہے کہ میر کی ماں شیعہ تھیں۔ اُنھوں نے اشاروں کنایوں میں یہ اظہار بھی کیا ہے کہ محمد علی بھی شیعہ

لہ میر نے اپنے علاتی بھائی کا نام حافظ محمد حسن لکھا ہے اِس میں بھی ان کے سنّی ہونے کی طرف اشارہ ہے شیعہ حضرات میں حفاظ کم ہوتے ہیں۔ پھر میر کہتے ہیں کہ والد کا ترکہ یعنی تین سو کتابیں، محمد حسن نے اپنے قبضے میں رکھ لیں اور میر کو اس سے محروم کر دیا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو محمد حسن نے یہ رویّہ ہو سکتا ہے کہ میر کے شیعہ ہونے کی وجہ سے اپنایا ہو یعنی یہ اہلِ سنّت کی کتابیں ہیں میر کے کام کی نہیں وہ انھیں ضائع کر دے گا۔ یہاں یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ ان کتابوں کو میر نے "وقفِ اولادی" کہا ہے۔ میر نے ترکہ نہ دینے کی طرف اِس طرح اشارہ کر دیا ہے اِس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ باپ تین سو روپیے کے مقروض مرے تھے وہ قرضہ میں نے ادا کیا۔ اس میں بھی یہ کنایہ ہے کہ شیعہ روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادا کیا تھا۔

یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ میر نے شیخ عبدالعزیز عزّت متوفّی ۱۰۱۹ھ (۱۶۰۰ء) سے اپنی قرابت کا تذکرہ کیا ہے اُن کے والد لاہور سے واپسی میں عزّت کے بیٹے سعدالدین کے مکان پر ٹھہرے تھے جن کا انتقال ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء میں ہوا۔

(باقی صفحۂ دیگر پر)

عقائد رکھتے تھے لہ

(بقیہ) عزت کے بھائی شیخ عطاء اللہ کا شمار ممتاز حنفی علماء میں ہوتا تھا یہ بھی اسی سال فوت ہوئے تھے۔
عزت کے دوسرے بیٹے فخرالدین تھے (متوفی ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷۳۰ء) ان کا نام ذکر میر میں غلطی سے قمرالدین چھپا ہے
شیخ عبدالعزیز عزت نے ردِ شیعیت میں ایک رسالہ کشفُ الغطا کے نام سے لکھا تھا (تذکرہ خوشگو/ ۱۴۵) اس
رسالے کی شرح ایزد بخش رسا تخلص نے اشہادت ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء)

حق الیقین کے نام سے کی تھی جس کا قلمی نسخہ ٹونک میں محفوظ
ہے۔ رسا نے عزت کے ہاتھ پر شیعیت سے توبہ کرکے اہلِ سنت کا مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ان شواہد کی روشنی میں
اپنے والد کے مذہب کے بارے میں میر نے جو کچھ لکھا ہے وہ بیان مشتبہ ہوجاتا ہے۔

لہ میر نے لکھا ہے کہ اُن کے والد نے اپنے پیر و مرشد شیخ کلیم اللہ اکبر آبادی سے حاکم شام کے بارے میں
دریافت کیا۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اس پر عنوان دیا ہے: "باپ کی اپنے پیر سے گفتگو در بارۂ یزید" حاکم شام
کہا جائے تو عموماً امیر معاویہؓ مراد ہوتے ہیں۔ پیر نے کہا کہ میں نے کبھی اُس کا نام اپنی زبان سے نہیں لیا۔ خواجہ
علی اکبر مودودی (متوفی ۱۲۰۹ھ/ ۵-۱۷۹۴ء) کے ملفوظات لطائفِ اکبری (قلمی) میں بھی ایسی ہی عبارت
ملتی ہے: "ایک روز الہ آباد میں ایک شخص فقیر کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ پسرِ حاکم شام کے بارے میں آپ کی
کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: جو بھی اُسے آپ کہیں اُس سے بھی وہ بدتر ہے مگر میں کچھ نہیں کہتا۔ مجھے اُس سے
کیا سروکار؟ میں اُس کا نام اپنی زبان پر کیوں لاؤں؟ مجھے اُس کا نام لینے سے کراہیت آتی ہے"
(برہان دہلی جلد ۶۷ شمارہ ۱ جولائی ۱۹۷۱ء)

ان ملفوظات کے جامع خواجہ حسن مودودی کبھاری میر کے معاصر ہیں ہوسکتا ہے میر نے اُن سے یا اُنھوں نے میر سے
یہ روایت سن رکھی ہو۔ میر کے والد کا ایک شیخ سے مرید اور صوفی ہونا خود ظاہر کرتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھے۔
شیخ کلیم اللہ اکبر آبادی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ صوفیہ کے کس سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔
تاریخِ محمدی سے اُن کی وفات ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء معلوم ہوتی ہے اس سے ۲۶ سال بعد میر پیدا ہوئے ہیں اور
وہ ۱۲-۱۴ سال کے تھے جب اُن کے والد کا انتقال ہوگیا۔ میر سے یہ روایت کس نے بیان کی؟
اسی حکایت میں مُحرم خاں خواجہ سرائے شاہ جہانی کی مسجد کا حوالہ ہے اس کا نام خواجہ وفا رالمخاطب بہ مُحرم خاں
ہے اور یہ ۱۰۹۵ھ/ ۱۶۸۴ء میں فوت ہوا۔ اس سے یہ متعین ہوتا ہے کہ محمد علی خاصی مدت تک اپنے پیر سے
فیض یاب رہے ہوں گے۔

میر کا یہ پہلا عشق بڑا جان گداز تھا جس کی لپیٹ اُن کی شاعری میں آج بھی محسوس ہوتی ہے مثلاً اس طرح کے اشعار اور اُن کی معنوی فضا پر غور کیجیے :

اُس کا منھ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں
نقش کا سا ہے سماں میری بھی حیرانی کا

اب کی جو ترے کوچے سے جاؤں گا تو سنیو
پھر جیتے جی اِس راہ وہ بدنام نہ آیا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے ہو
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا ؟

آگ سی اِک دل میں سُلگے ہے کبھی بھڑکی تو میر
دے گی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا

اتنا نہ تجھ سے ملتے نے دل کو کھو کے روتے
جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

مدّت رہے گی یاد ترے چہرے کی جھلک
جلوے کو جس نے ماہ کے دل سے بھلا دیا

یہ چند اشعار صرف دیوان اوّل کی ردیف الف سے سرسری طور پر دیکھ کر لکھ دیے ہیں، اِن سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ اُردو شاعری کے روایتی ہجر و وصال کے بیان کی شاعری نہیں ہے، اِس میں شاعر کی پوری شخصیت اور اُس کے جذباتی ہیجان کا پرتو دیکھا جا سکتا ہے۔ میر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُنھیں جنون ہو گیا تھا، اس کا بیان اُن کی مثنوی خواب و خیال[1] میں بھی موجود ہے۔ وہ چاند میں ایک صورت کے نظر آنے کا ذکر کرتے ہیں، اُس حصّے کو غور سے پڑھیے تو میرا خیال ہے کہ یہ طبّی اصطلاح والا جنون (Mania) یا (Madness) نہ تھا بلکہ جذباتی کیفیات کے بے قابو ہو جانے والی کیفیت تھی۔ وہ اپنی محبوبہ کا نام لے کر پکارتے ہوں گے، یا اُس کی مالا جپنے لگے ہوں گے۔ ماورائے سخن جو معانی ہیں وہ یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کی محبوبہ کا نام مہتاب یا قمر یا چاندنی یا ماہ بیگم یا ماہ پارہ رہا ہوگا یہ علامت اُنھوں نے اپنی شاعری میں بھی خاص انداز سے استعمال کی ہے مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

چاندنی (دیوانِ اوّل)

اُس مہ کے جلوے سے کچھ تا میر یاد دیوے
اب کے گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے بوئی

ماہ (دیوانِ دوم)

گفتگو وصفوں سے اُس ماہ کے کر بیٹھے اے میر
کاش اِفرا بے کروں اُس کی اگر ذات کی بات

ماہ پارہ (دیوانِ دوم)

کوئی تو ماہ پارہ اِس بھی رُواق میں ہے
چشمک زنی میں شب کی یوں ہی نہیں ہیں تارے

---

[1] کلیاتِ میر، مرتبہ عبدالباری آسی، (ص ۹۶۸ - ۹۷۰) اس میں بھی "مہ چار دہ" کا بار بار ذکر آیا ہے۔

ماہِ چاردہ (دیوان اوّل)

اُس ماہِ چاردہ کا چھپے عشق کیوں کے آہ
اب تو تمام شہر میں مشہور ہوگیا

ماہ زمین گرد (دیوانِ چہارم)

وہ جو ماہ زمین گرد اپنا دوپہری ہے ان روزوں
شوق میں ہر شب حرف و سخن ہے ہم کو فلک کے تاروں سے

ماہ طلعت

رہے خیال نہ کیوں ایسے ماہ طلعت کا
اندھیرے گھر کا ہمارے وہی اُجالا تھا

مہتاب (دیوان اوّل)

ٹک منھ سے اُس کے دی شب برقع سرک گیا تھا
جاتی رہی نظر سے مہتاب سی چھٹک کر

(یہاں مہتاب پھلجھڑی کے معنوں میں ہے، کہ اُس کا نقاب ذرا سرکا تھا تو ایسا محسوس ہوا کہ پھلجھڑی سی چھوٹ گئی!)

اِن علامتوں کے اور اشعار بھی کلیات میر میں ملیں گے۔[1]

تحقیق ظاہر ہے کہ دستاویزی شہادت چاہتی ہے اور مفروضات کی بنیاد پر کوئی فیصلہ حتمی نہیں ہو سکتا مگر قانون نے ایک گنجایش (Circumstancial Evidence) کی بھی رکھی ہے، میر کی شاعری کا ایسا مطالعہ ہمیں بعض مزعومات پر از سرِ نو غور کرنے کی دعوت ضرور دیتا ہے۔

ذکرِ میر کو میر کی سوانح عمری کہا جاتا ہے مگر اس میں "سوانح عمری" کم سے کم ہے، یہ حوادث اور سانحات سے بھری پڑی ہے۔ وہ ایسی سیکڑوں باتیں ہمیں نہیں بتاتے جن کا جواب کسی خود نوشت سوانح عمری سے طلب کیا جاتا ہے۔[2] اپنے والد کا نام بھی ضمناً لکھ دیا ہے، وہ کب پیدا ہوئے۔

---

[1] ذکرِ میر میں بھی جہاں کیفیت جنون کا ذکر ہے یہ الفاظ غور طلب ہیں: در شب ماہ، چاندنی رات، از جرمِ قمر، ماہ چہاردہ، کلِ مہتاب (چاندنی)، کلِ شب افروز، چہرۂ مہتابی وغیرہ۔

[2] میر کا سال ولادت اواخر ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۳ء تقریباً طے شدہ ہے۔ (باقی)

آگرے میں اُن کا مکان کہاں تھا، شادی کب اور کہاں ہوئی، اولاد کتنی تھی وغیرہ۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا اُنھیں یہ کتاب لکھنے کی ترغیب چراغِ ہدایت سے ملی اور اُنھوں نے ایرانی محاورہ استعمال کرنے کے شوق میں اِس کتاب کی داغ بیل ڈالی، یہ کلاسیکی فارسی، ایرانی محاورے اور سبکِ ہندی کی آمیزش کا ایک خوشگوار مرکّب ہے، اِس میں میرؔ کا اپنا منفرد اُسلوب ملتا ہے، وہ چھوٹے چھوٹے مربوط اور خوب صورت جملے لکھتے ہیں، اُن کی نثر میں بھی اکثر رعایتِ لفظی اور مراعاۃ النظیر کا وہ التزام موجود ہے جو میر کے شاعرانہ اُسلوب کا خاصہ ہے۔ مگر آورد یا تصنّع کا احساس نہیں ہوتا۔ میر کے معاصرین میں کسی دوسرے ہندی نژاد مصنّف نے ایسے فارسی اسلوب میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ یہ اُسلوب ذکرِ میر اور فیض میر میں خوب نمایاں ہے، مگر نکات الشعرا میں اِس کا اثر کمتر ہے۔

کتاب کا ابتدائی تقریباً ایک تہائی حصہ محاورۂ ایران سے بھرا پڑا ہے، جوں جوں وہ آگے بڑھتے ہیں تکلف کم ہوتا جاتا ہے اور بعض حصے تو ڈائری کی شکل میں لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ تین مختصر نمونے اسلوب کے اس فرق کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

۱۔ "خاک نشینانِ سرکوچہ محبت، نمد پوشانِ بیابانِ وحشت، بندگانِ باخدا واصل، دور گردانِ نزدیک بہ دل، دلدادگانِ جلوۂ یار، خاک اُفتادگانِ سایۂ دیوار، آشنایانِ بحرِ حقیقت، مجرّدانِ بادیۂ طریقت، آوارگانِ بہ منزل رسیدہ، آفتابے از سایۂ شان دمیدہ خاک نشینانِ بر فلک رفتہ، عزلت گزینانِ نام

(بقیہ) اُن کی وفات ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ / ۲۱ ستمبر ۱۸۱۰ء کو جمعہ کے دن لکھنؤ کے محلہ سٹھی میں ہوئی اگلے دن دوپہر کو اکھاڑہ بھیم کے قبرستان میں دفن کیے گئے جہاں محمد محسن کی نوشتہ یادداشت کے مطابق اُن کے دوسرے عزیزوں کی قبریں تھیں۔ اُن کے بڑے بیٹے میر فیض علی تھے، دوسرے بیٹے جو نظر بہ ظاہر دوسری بیوی سے تھے (اس لیے کہ اُن کی اور میر فیض علی کی عمروں میں بہت تفاوت ہے) میر کلو عرش ہیں، جو خود بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ایک بیٹی بھی بتائی جاتی ہے وہ بھی شاعرہ تھی، بیگم تخلص کرتی تھی اور میر کی زندگی ہی میں شادی سے کچھ عرصے کے بعد فوت ہوگئی تھی۔

گرفتہ، آشفتگانِ دشتِ مہر و وفا، غنچہ خسپانِ گلزارِ حیا، سنگِ سخت بالینِ سر علامتِ شیدائی دربر، سنگ بر شکم بندند و ننالند، نانِ خود را بر شیشہ نمالند"

(طبع اول ص ۲۷)

۲ ۔ دوسرا نسبتہً سہل اور بے تکلّف اُسلوب کا نمونہ :

" درخلال ہمین حال جواہر سنگھ، بات شکر جراٹ، و ملہار کہ احوالِ اُو نوشتہ آمد، بہ دعویِ خونِ پدر، برنجیب الدولہ رفتہ، بہ دلی چسپیدہ بود۔ خلقے از گرانیِ غلّہ بجان آمد قتل و قتال، جنگ و جدال، قریب دو ماہ ماند۔ عماد الملک کہ در فکر کنارہ کردن بود مع ناموس از قلعۂ بھرت پور برآمدہ، مردمان زائد را بہ فرخ آباد فرستاد و خود شریکِ جواہر سنگھ شد" (ط۔ ا ص ۱۱۲)

۳ ۔ تیسرا نمونہ ڈائری کے انداز کا بھی دیکھیے :

"اکنوں کارپردازان، نول سنگھ پسر جارہیں سورج مل را کہ در غ نہ نمود ہ بنیابت آن طفل برداشتہ اند اگر از آب خوب برمی آید خوبست، وگرنہ کار بسیار بے اُسلوب است (ط۔ ا۔ ص ۱۱۹)

.... درین ایام مشہور است کہ رایات اقبال ... ہی بہ فرخ آباد سایہ افگن گشت ..... (ص ۱۲۱)

الحاصل مغلان شرارت بنیاد و جنوبیان سراپا فساد قریب است کہ برونِد وحضرتِ ظلِّ سبحانی بہ ذات قدسی صفات۔ بادو سہ نفر در قلعۂ مبارک بے تشویش آیندہ و روندہ تشریف دارند اگر روزے صد بار برنگردو کنکرہ شمار ... بہت سر آیند کیست کہ حجابِ اُو مانع شود، وگرنہ بازار پیادہ پا برآیند تا جب کوکہ دور باش نماید، اُسلوب چنین بنظر می آید کہ اہلِ حرفہ سر بصحرا زنند و سپاہی بیشگان بہ گدائی دست دراز کنند، ہر کسے راہِ خود گیرد، شہر رونق بسیار بریزد"۔

اِس آخری اقتباس میں جو طنز کی تلخی اور کاٹ ہے اسے خوب سمجھا جا سکتا ہے۔ بادشاہ وقت کے لیے اس طرح کا ریمارک ذاتی ڈائری میں لکھا بھی جا سکتا ہے۔

میر کے فارسی نثری اسلوب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے لکھا تھا:

"میر بالعموم مقفیٰ عبارت لکھتے ہیں لیکن قافیے کے التزام سے عبارت کی شگفتگی، بیساختگی اور روانی میں فرق نہیں آتا۔ شاید کہیں کہیں تصنع پیدا ہو گیا ہو لیکن زیادہ تر عبارت کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ ہم قافیہ فقروں اور جملوں کی قید سے عبارت میں اکثر یہ نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر فقرے اور جملے کے بعد جو دوسرا جوابی فقرہ یا جملہ آتا ہے اس میں کبھی پہلے فقرے یا جملے کے مفہوم کی بیجا تکرار ہوتی ہے اور کبھی بے ضرورت لفظوں کی بھرتی ہوتی ہے، اس سے عبارت میں تصنع، طوالت اور سستی پیدا ہو جاتی ہے لیکن میر کے یہاں یہ نقص نہیں ہے۔ ان کے یہاں جوابی فقرے اور جملے بھی چست ہوتے ہیں اور اپنا مفہوم علیحدہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس عبارت میں بڑے بڑے جملوں کے آخر میں قافیہ لایا جاتا ہے وہ اکثر بے لطف معلوم ہوتی ہے، لیکن میر کے یہاں چھوٹے چھوٹے جملوں بلکہ دو لفظی اور سہ لفظی فقروں کے بعد قافیہ آتا ہے تو عجب بہار دکھاتا ہے۔"[1]

ادبی اور لسانی حیثیت کے علاوہ ذکر میر کی اہمیت ایک ہم عصر تاریخی ماخذ کی بھی ہے اس میں جو وقائع بیان ہوئے ہیں اُن کا آغاز مارچ ۱۷۳۹ء سے ہوتا ہے اور آخری واقعات مارچ ۱۷۸۹ء کے ہیں اس طرح یہ پورے پچاس برسوں کے جستہ جستہ واقعات پر مشتمل ہے اس میں کچھ وقائع وہ ہیں جن میں میر تقی میر خود شریک ہیں مثلاً ۱۷۴۸ء میں وہ رعایت خاں کے ساتھ سرہند گئے جہاں مغل فوج کا مقابلہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے ہوا، اسی میں نواب قمر الدین خاں ۲۲ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۷۴۸ء جمعہ کے دن مارے گئے تھے اور درانی کے توپ خانے میں آگ لگنے کی وجہ سے بھگدڑ پڑ گئی تھی، اس کی تاریخ "فتح خداساز" (۱۱۶۱ھ) نکلتی ہے۔ جب مغل فوجیں سرہند[2] سے واپس

---

[1] مقدمہ فیض میر ص ۱۱-۱۲ (نظامی پریس لکھنو ۱۹۲۹ء)

[2] مغل فوجیں سرہند کے پاس ایک گاؤں مانو پور میں خیمہ زن تھیں۔ نواب قمر الدین خاں اپنے خیمے میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ابدالی کیمپ سے ایک گولا آکر گرا جس سے نواب سخت زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔ جادو ناتھ سرکار کا بیان ہے کہ انھیں وہیں خیمے میں چپکے سے دفن کر دیا گیا۔ یہ غلط ہے (باقی صفحہ دیگر پر)

آرہی تھیں تو پانی پت کے قریب یہ خبر ملی کہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ/ ۲۵ - اپریل ۱۷۴۸ء کو محمد شاہ کا انتقال ہو گیا۔ صفدر جنگ نے احمد شاہ کو تخت پر بٹھایا اور خود وزیر اعظم بن بیٹھا۔ اسی طرح وہ پشکر راجستھان کی مہم میں رعایت خاں کے ساتھ تھے ۔ صفدر جنگ نے احمد خاں بنگش پر چڑھائی کی تو میر بھی اسحاق خاں نجم الدولہ کے ساتھ فرخ آباد تک گئے ۔ صفدر جنگ کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا ۔ میر بھی اس لٹے پٹے لشکر کے ساتھ دہلی واپس آئے یہ ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء کا قصہ ہے ۔ ۱۱۸۵ھ/ ۱۷۷۱ء میں وہ جنگ سکرتال میں بھی شریک ہیں جب مرہٹوں نے شاہ عالم کو ساتھ لے کر نواب ضابطہ خاں پر چڑھائی کی تھی ۔

ذکر میر سے میر کے متعدد اسفار کا حال معلوم ہوتا ہے جن میں سے چند یہ ہیں ۔

۱ ۔ آگرے سے دہلی میں پہلی بار آمد	تقریباً ۱۱۴۷ھ/ ۳۵-۱۷۳۴ء
۲ ۔ آگرے سے دہلی میں دوسری بار آمد	حملۂ نادری کے بعد تقریباً ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء
۳ ۔ دہلی سے سرہند کا سفر	۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء
۴ ۔ دہلی سے پشکر (راجستھان) کا سفر	۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء
۵ ۔ پشکر سے اجمیر کا سفر	۱۱۶۲ھ/ ۱۷۴۹ء
۶ ۔ دہلی سے فرخ آباد کا سفر	۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء
۷ ۔ دہلی سے سکندر آباد (ضلع بلند شہر)	شعبان ۱۱۶۷ھ جون ۱۷۵۴ء
۸ ۔ دہلی سے برسانہ	
۹ ۔ برسانہ سے کمھیر (راجستھان)	
۱۰ ۔ راجہ ناگرمل کے ساتھ شجاع الدولہ کو منانے کے لیے بھی ایک سفر کا ذکر ہے مگر اس کی منزل معلوم نہیں	

(بقیہ) ان کی لاش دہلی لا کر مدرسہ غازی الدین خاں بیرون اجمیری گیٹ کے عقب میں ان کے خاندانی قبرستان (موجودہ دہلی کالج) میں دفن کی گئی تھی ۔ رکے : شگی بیگ : سیر المنازل ۔ ترجمہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی ۔

۱۱ ۔ کھیر سے دہلی میں آمد	
۱۲ ۔ دہلی سے آگرے کا سفر (۲۳ سال کے بعد)	۱۱۷۶ھ/۶۲ ۱۷ء
۱۳ ۔ دہلی سے آگرے کا دوسرا سفر	۱۱۸۰ھ/۶۷-۶۶ ۱۷ء
۱۴ ۔ راجا ناگرمل کے ساتھ کاماں کا سفر	۱۱۸۴ھ/ ۷۱ ۱۷ء
۱۵ ۔ کاماں سے فرخ آباد کا سفر	۱۱۸۴ھ/۷۱ ۱۷ء
۱۶ ۔ فرخ آباد سے دہلی کا سفر	۱۱۸۴ھ/ ۷۲ ۱۷ء
۱۷ ۔ دہلی سے سکرتال کا سفر	۱۱۸۵ھ/ ۷۱ ۱۷ء
۱۸ ۔ واپسی میں نجیب آباد، نہٹور، شیرکوٹ سیوہارہ، سلیم پور، امروہہ، گڑھ مکتیسر ہاپوڑ ہوتے ہوئے دہلی آئے ۔	۱۱۸۶ھ/ ۷۲ ۱۷ء
۱۹ ۔ دہلی سے براہ فرخ آباد لکھنؤ کا سفر	ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ/۸۲ ۱۷ء مارچ
۲۰ ۔ آصف الدولہ کے ساتھ بہرائچ کا سفر	
۲۱ ۔ آصف الدولہ کے ساتھ پیلی بھیت اور دامن کوہ ہمالیہ کا سفر	

اِن کے سوا بھی میر نے بعض سفر کیے جن کا تذکرہ ذکرِ میر میں نہیں ہے نُنسگ کے سفر کا حال کلیاتِ میر میں شامل مثنوی نُنسگ نامہ سے معلوم ہوتا ہے ۔[1]

ذکرِ میر میں جو تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں اُن کا تحلیلی اور تقابلی مطالعہ بعض اہم نتائج تک پہنچا سکتا ہے ۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ میر کا مقصد اپنے زمانے کی تاریخ لکھنا نہیں تھا وہ خود جن حوادث کی لپیٹ میں آئے ہیں اُن کا بیان کرنے سے اُس زمانے کے تاریخی وقائع سامنے آ گئے ہیں ۔ بہ ظاہر میر کسی گروہ بندی میں بھی نہیں ہیں اُس عہد میں سیاسی ریشہ دوانیوں کے دو بڑے اکھاڑے ایرانی اور تورانی گروپ (یعنی شیعہ اور سُنّی اُمراء) تھے میر نے ایرانی گروپ

---

[1] کلیاتِ میر (مرتبہ عبدالباری آسی) لکھنؤ ۱۹۴۰ء

میں صفدر جنگ، شجاع الدولہ، نجف خاں وغیرہ کا ذکر کیا ہے، تورانی گروپ میں عماد الملک، نجیب الدولہ وغیرہ ہیں مگر کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اُن کی ہمدردی کسی خاص گروہ کے ساتھ ہے۔ وہ کسی کی بیجا مذمت نہیں کرتے۔

میرؔ کے ساتھ سلوک کرنے والے بیشتر اُمرا تورانی گروہ کے ہیں اور عجیب تر یہ ہے کہ ہندو اُمرا نے اُن کی دستگیری اور مالی امداد سب سے زیادہ کی ہے۔ اُن کے ہندو مربیوں میں وزیر کے دیوان مہانراین، بنگالہ کے وکیل راجا جگل کشور، دیوان خالصہ وتن راجا ناگرمل راجا جگل کشور کی بیوی، صفدر جنگ کے خزانچی لالہ رادھا کشن کا بیٹا بہادر سنگھ جیسے کئی ہندو امرا شامل ہیں جو میرؔ کی شاعری کے قدردان تھے اور اُس پُر آشوب زمانے میں کہ جب جان، مال، عزت آبرو سب داؤں پر لگے ہوئے تھے، یہ لوگ ایک فن کار کی مدد کر رہے تھے راجا ناگرمل نے تو ایک طویل عرصے تک میرؔ کو مع اہل و عیال کے اپنے علاقے میں محفوظ رکھا۔

ذکرِ میرؔ فرمائشی یا درباری تاریخ (Commissioned History) بھی نہیں ہے اس لیے یہاں جن وقائع کا بیان ہوا ہے وہ کسی عصبیت اور جانب داری سے بڑی حد تک پاک ہیں۔ مغلوں کے آخری دور کی کئی تاریخیں ملتی ہیں، کچھ تاریخی مواد مختلف مصادر میں (مثلاً شعرا کے تذکرے) یا غیر تاریخی کتابوں میں (مثلاً ملفوظات، منشآت وغیرہ میں) بکھرا ہوا ہے بعض سفرنامے بھی ہیں (جیسے سفرنامہ مخلص) کچھ متفرق کتابیں ہیں (جیسے بدائع وقائع از آنند رام مخلص) اِن میں سے جن مصادر سے یادو ناتھ سرکار نے اپنی تالیف زوال سلطنت مغلیہ (FALL OF THE MUGHAL EMPIRE) میں فائدہ اُٹھایا ہے اُن میں تاریخ عالمگیر ثانی، سرگذشت نجیب الدولہ از سید نور الدین حسین بہادر گلزار شجاعی، تاریخ مظفری از انصاری، تذکرہ شاکر خاں، مجمل التواریخ اور کاشی راج کی تاریخ پانی پت وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے بعض مصادر کی تلخیص ایلیٹ اور ڈاسن کی تاریخ ہند میں ملتی ہے، ذکرِ میرؔ سے ایک مصدر تاریخی کی حیثیت سے استفادہ کسی نے نہیں کیا۔

بہت سے واقعات کی طرف میرؔ نے صرف اشارہ کیا ہے، اس اشارے کی مدد سے اور دوسرے مصادر سے مقابلہ کر کے واقعات کی جو شکل سامنے آتی ہے وہ تاریخی طور پر زیادہ

معتبر ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف کتاب کے آخری حصے کا مختصر مطالعہ بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔
میر جنگ سکرتال میں موجود ہیں (۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) وہ کہتے ہیں کہ ضابطہ خاں کو بغیر جنگ کے ہی بھگا دیا۔ وہ اپنے حرم کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر نکل بھاگا تھا جس کی تاریخ مرزا سودا نے کہی تھی: "غوث گڑھ سے گیا وہ کھو کر شرم" (۱۱۸۶ھ)[1] (= ۲۳ فروری ۱۷۷۲ء)۔ ذکر میر (طبع اول ۱۲۲) میں نجف خاں دیلو جان و موسی مدک فرنگی" چھپا ہے یہ دیلو جان نہیں و بلوچان (یعنی بلوچ فوج) ہے جو موسوی خاں کے بھائی سید محمد خاں بلوچ کی کمان میں تھی۔ موسی مدک دراصل موسیو مدک ہے یہ فرنگی نہیں فرانسیسی تھا اس کا پورا نام MONSIEUR RENE MADEC ہے اس کے حالات میں ایک کتاب بھی ملتی ہے۔ مدک کو شاہ عالم نے نواب شمس الدولہ بہادر قائم جنگ خطاب اور شش ہزاری ذات و سوار منصب دیا تھا وہ بھرت پور کی ملازمت چھوڑ کر دہلی میں ۱۷ نومبر ۱۷۷۲ء کو شاہی ملازمت میں داخل ہوا تھا۔[2]

کتاب کے آخری حصے میں بڑے واقعات کو ایک دو لفظوں میں ہی سمیٹ لیا گیا ہے مثلاً نجف خاں کے حال میں وہ کہتے ہیں "اب اُن (نواب حسام الدولہ) کے اشارے پر مرہٹہ سردار قوم کو شہر سے نکالنے کے درپے ہے" یہ سطریں ۱۷ جنوری ۱۷۷۳ء کے آس پاس لکھی گئی ہیں جب مرہٹوں نے نجف خاں کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اسی میں آگے مرہٹوں سے عہد و پیمان کرنے کا اشارہ ہے نجف خاں نے ۲۰ جنوری ۱۷۷۳ء کو تین ہزار روپیہ یومیہ پر مرہٹوں کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ نصرانیوں کی مدد لے کر شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کیا یہ ۳ مارچ ۱۷۷۳ کا قصہ ہے مرہٹوں نے اس سے ۲۱۔ اپریل ۱۷۷۳ء کو صلح کر لی تھی۔ نجف خاں مرہٹوں کی مدد سے دوبارہ شہر میں ۲۰ مئی ۱۷۷۳ء کو داخل ہوا تھا۔ مجد الدولہ ۲۲ مئی ۱۷۷۳ء کو دیوانی خالصہ پر فائز ہوا۔ حسام الدین خاں ۵ جون ۱۷۷۳ء کو قید کیے گئے۔ نجف خاں اور جاٹ سردار نول سنگھ کا مقابلہ ۳۰ اکتوبر ۱۷۷۳ء کو ہوا۔ جنوری ۱۷۷۶ء میں نول سنگھ مر گیا۔ اب سورج مل کے چوتھے بیٹے رنجیت سنگھ نے مقابلہ

---

[1] اس سے "تاریخ یوں برآمد ہوگی کہ "غوث گڑھ" کے اعداد ۱۷۲۶ء میں سے شرم کے اعداد ۵۴۰ گھٹا دیے جائیں۔

[2] 1. BARBE : Le Nabab Rene Madec

کیا اُس کی ماں کشوری نے فروری ۱۷۷۸ء میں صلح کرلی۔

غرض اِن سب وقائع کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ آخر کتاب میں میر نے تقریباً (۲۰) برس کے حوادث کو (۲۰) ہی صفحات میں بیان کر دیا ہے لیکن ان اشاروں میں بھی بہت سی کام کی باتیں آگئی ہیں۔

ذکرِ میر کا فارسی متن (۷۰) سال کے بعد دوبارہ چھپ رہا ہے تو یہ اُردو ترجمہ (۴۴) سال کے بعد۔ اِس تاخیر کے اسباب وعوامل اگر تفصیل سے لکھوں تو ایک اور "ذکرِ میر" تیار ہو جائے گی۔ میں نے اِس کا مقدمہ بہت تفصیل سے لکھا تھا، اسی طرح فرہنگ بھی سخت تلاش و جستجو سے کئی ماہ کی محنت سے تیار کی تھی، افسوس کہ یہ دونوں ضائع ہوگئیں۔ اب یہ مقدمہ صرف تکمیل رسم کے لیے چند روز کی کاوش سے لکھا گیا ہے۔ اسی طرح فرہنگ بھی۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو آیندہ ایڈیشن میں اسے اور سنوارنے کی کوشش کی جائے گی۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی القدیر۔

اِس کتاب کی اشاعت پر پہلا حق انجمن ترقی اُردو (ہند) ہی کا تھا مجھے خوشی ہے کہ انجمن کی ادبی کمیٹی نے اِس کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ میرے عزیز دوست اور انجمن کے نہایت فعال جنرل سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور بار بار تقاضا کرتے رہے ہیں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی یونیورسٹی دہلی،

۱۵ر جون ۱۹۹۶ء

نثار احمد فاروقی

عرضِ حال

کئی سال ہوئے میں نے متعدد لغاتِ فارسی خصوصاً لغت نامۂ دہخدا کو سامنے رکھ کر تذکرہ کی فرہنگ پوری وضاحت اور حوالوں کے ساتھ تیار کی تھی، اس طرح کتاب کی طباعتِ ثانی کا مقدمہ بھی تفصیل سے لکھا تھا اور اس کتاب کے ادبی، تاریخی، سیاسی اور لسانی ہر پہلو سے گفتگو کی تھی لیکن ہوا یہ کہ جس ناشر سے اس کی اشاعت کا معاملہ تھا اُن کا انتقال ہو گیا اور یہ دن دیکھنا پڑا کہ :

چغد نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

بہت ہی حیلہ و تدبیر سے کتاب کے کتابت شدہ اوراق تو حاصل کر لیے گئے مگر مقدمہ کا مسودہ اور فرہنگ کے تقریباً ۴۰ صفحات جان بوجھ کر دبا لیے گئے۔ میں نے یہ نئی فرہنگ چند روز محنت کر کے دوبارہ تیار کی ہے۔ مگر اس میں بعض الفاظ شامل ہونے سے رہ بھی گئے ہیں۔ لغت نامۂ دہخدا سے استفادے کا اب وقت نہیں تھا اس لیے اگر حیات نے توفیق دی تو نئے ایڈیشن کے لیے موقوف رکھا ہے۔ مقدمہ بھی مختصر کر دیا ہے۔

کسی کتاب کا مسودہ دوبارہ لکھنا مصنف کے لیے بڑی آزمائش ہوتا ہے۔ میں نے [illegible] اظہار اس سے ضروری سمجھا کہ قارئین کرام ہمارے معاشرے کی غیر علمی روش کو سمجھیں [illegible] کوتاہی ہوئی ہے تو مجھے معذور جان کر معاف کریں۔

[illegible]

نثار احمد فاروقی

دیباچہ

بے حد تعریف اُس سخن ور کی، جس کی یکتائی کا شاہ بیت سارے عالم میں مشہور ہوا اور بے حساب حمد اُس صنعت گر کی، جس نے معانی کے موتیوں کو نظم و نثر کی لڑی میں پرو یا۔ وہ قادرِ سخن جو زبان کو کلام کے ہزار رنگ تعلیم کرتا ہے، وہ معلّم کہ ہر عاجزِ سخن انسان کو زبان دیتا ہے، وہ پیدا کرنے والا، کہ تمام مخلوقاتِ عالم کو نوازتا ہے، وہ صانع کہ خاک کو انسان بنا دیتا ہے، وہ رکھوالا جس کے بغیر ہماری سلامتی محال ہے، وہ فن کار جس کی نقل اُڑانے کی کس کو مجال ہے، وہ علیم جس کے دائرۂ علم میں ہیں تمام مرکب اور بسیط۔ اسی لیے کہا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط (یقیناً خدا تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے)۔ وہ حکمت والا جو سب بھید جانتا ہے۔ وہ قدیم کہ ہستی صرف اُسی کی ہستی ہے۔ وہ رزّاق جو رزق دیتا ہے۔ وہ مالک جو زندگی بخشتا ہے، وہ رحیم کہ گنہ گاروں کی توبہ سُنتا ہے، وہ کریم جو عطائیں کرتا اور خطائیں ڈھکتا ہے۔ سورج اُس کے ظہور کا ایک ذرّہ ہے اور چاند اُس کے نور کا ایک تتمہ۔ کوئی شے اُس کے نور سے خالی نہیں، غرض کہ "اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔"

چونکہ اُس کا ناز نیازمندی کو پسند کرتا ہے، اس لیے جو سر جھکاتا ہے وہ اُسے نا اُمید نہیں کرتا۔ وہ کرتا ہے اور اُس نے کیا کیا پیدا کیا ہے، وہ دیکھنے والا ہے جو سب کی ڈھکی چھپی باتوں کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ فلک کج رفتار مجھ سے کج بازی کرتا ہے لیکن مجھے اُمید ہے کہ وہ بے آبرو نہ ہونے دے گا۔ کونسی زبان ہے جو اُس کا نام نہیں جپتی اور کونسی جان ہے جو اُس کے اوصاف کے گیت نہیں گاتی۔

وہ خبیر جو ہر شخص کے حال کی خبر رکھتا ہے، وہ بصیر جو سب پر نگاہ رکھتا ہے، اُس کے گُل ہائے ناز چُننے کے لیے نیاز کی ضرورت ہے اور اُس کی تازہ کاری کا تماشا کرنے کے لیے آنکھ درکار ہے، وہ یکتا جو صفتِ یکتائی سے موصوف ہے، وہ احد جو اپنی وحدانیت سے معروف ہے، وہ رفیع جس کی بارگاہ تک فرشتے بھی نہیں جاسکتے، وہ سمیع جو ہر عاجز کی التجا سُنتا ہے، قلم و زبان کی یہ مجال کہاں کہ اُس کے کمالات کو ایک ایک کر کے لکھ سکے، ہاں وہ خود اپنی تعریف کرے تو اپنے کمالات (کے بیان) سے عہدہ برآ ہو جائے!

نعت بے حد درود اُس فصیح پر جس نے فصاحت کا میدان جیت لیا اور بے شمار سلام اُس بلیغ پر جو خدا تک پہنچا اور مغرور نہ ہوا۔ وہ بادشاہ جو سراپا جلال و جبروت ہے، وہ روشن چاند جو کفر و گمراہی کی تاریکی کا مٹانے والا ہے، وہ پیشوا جس کی قیادت کے بغیر کوئی مشکل آسان نہیں ہو سکتی، وہ رہنما جس کی رہبری نہ ہو تو کوئی راستہ نہیں سُوجھ سکتا۔ وہ امیر جس کے فرمان کو ہم دل و جان سے قبول کرتے ہیں، وہ دستگیر کہ توفیق ہو تو اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ صبیح جس کی صباحت آئینۂ عالم کو روشن کرنے والی ہے، وہ ملیح جس کی ملاحت نوعِ انسان کے رُخساروں کا نمک بن گئی ہے۔ وہ نگار جس کے پانو تلے کی خاک جانوں کا فدیہ ہے، وہ بہار جس کے سبز جھنڈے کے سائے میں ایک زمانہ چل رہا ہے، وہ مددگار کہ حشر والوں کی نگاہیں اُس کی شفاعت پر لگی ہوئی ہیں نہیں نہیں بلکہ دونوں عالم کا کام اُس کی عنایت سے چل رہا ہے۔ خدا کی رحمت اور درود و سلام ہوں اُس پر اُس کی پاک اور طیّب و طاہر اولاد پر جن میں سے ہر ایک مومنوں کا امام اور گناہ گاروں کا شفاعت کرنے والا ہے۔

عرضِ مصنّف تمام موجودات کے معبود اور خالقِ وَدُود کی تعریف نیز اُس صاحبِ مقامِ محمود یعنی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر بے شمار درود اور بے حساب سلام بھیجنے کے بعد، فقیر میر محمد تقی المتخلّص بہ میرؔ کہتا ہے کہ میں اِن دنوں بیکار تھا اور کسی مونس کے بغیر گوشۂ تنہائی میں پڑا ہوا تھا، اپنا یہ احوال جس میں زمانے کے حوادث و سوانح نیز حکایتیں و روایتیں بھی آگئی ہیں میں نے لکھ ڈالا، اور یہ کتاب جس کا نام ذکرِ میرؔ ہے، کچھ لطیفوں پر ختم کی۔ دوستوں سے اُمید ہے کہ اگر کوئی غلطی پائیں تو از راہِ عنایت چشم پوشی کریں اور اصلاح کر دیں۔

میرے بزرگ

میرے بزرگ اپنی قوم و قبیلے کے ساتھ زمانے کی نامُساعدت کے باعث کہ ان اوقات میں صبح بھی شام نظر آتی ہے، ملکِ حجاز سے رختِ سفر باندھ کر دکن کی سرحد پر پہنچے (راہ میں) انھوں نے بڑی کڑیاں جھیلیں، وریا پڑ بیلے؛ اور وہاں سے احمد آباد گجرات میں وارد ہوئے۔ بعضوں نے جی چھوڑ کر وہیں ڈیرے ڈال دیے اور کچھ نے آگے بڑھ کر روزگار تلاش کرنے کی ہمت کی۔ چنانچہ میرے جدِ کلاں نے مستقرِ خلافت اکبرآباد (آگرہ) میں اقامت اختیار کی۔ یہاں آب و ہوا کی تبدیلی سے بیمار پڑ گئے اور جہانِ آب و گل کو خیرباد کہا۔ ان سے ایک لڑکا یادگار رہا جو میرے دادا تھے۔

میرے دادا

کمرِ ہمت کس کر تلاشِ روزگار میں نکلے؛ بڑی تگ و دو کے بعد "فوجداری گردِ اکبرآباد" پر فائز ہو گئے۔ وہ آدمیانہ بسر کرتے تھے۔ جب ان کا سنِ شریف پچاس کے قریب پہنچا تو مزاج اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ کچھ دنوں علاج کیا ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے کہ گوالیار[ل] جانا ہوا۔ راستے کے ان جھٹکوں سے، جو نقاہت میں زہر کا اثر رکھتے ہیں، پھر بیمار پڑے اور انتقال کر گئے۔ ان کے دو لڑکے تھے۔ بڑے تو خللِ دماغ سے خالی نہ تھے؛ جوانی میں مرے اور بسر گئے۔ ان سے چھوٹے

[ل] "گوالیار نامی قلعہ ہے، آب و ہوا اس کی نہایت خوب۔ استواری و مضبوطی میں [illegible] سلطنت کے جو زندانی قابلِ حفظ کے ہوتے تھے ان کا ٹھکانا وہیں تھا [illegible] اور گویّے نہایت باشعور اور محبوب دلربائی میں خوب چالاک [illegible] قیامت کے بے بال ہوتے ہیں [illegible] شیخ محمد غوث کا بھی وہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ مذکور اپنے عہد کے صاحب کمالوں میں ممتاز تھا اور تسخیر [illegible] اس کے عمل میں تھی"۔ شیر علی افسوس: آرائشِ محفل [illegible]

میرے والد تھے، انھوں نے ترکِ لباس کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ علمِ ظاہری کی تحصیل جس کے بغیر عالمِ معنی تک پہنچنا دشوار ہے، شاہ کلیم اللہ[۵۱] اکبرآبادی سے کی جو وہاں (آگرے) کے اولیائے کاملین میں سے تھے اور کڑی ریاضت کر کے دولتِ باطنی حاصل کر لی۔ اُنھوں نے ترک و تجرید کی کوشش میں بڑے مجاہدے کیے اور ان بزرگ کی رہنمائی سے درویشی کی منزل تک پہنچ گئے:

پس از خرابیِ بسیار دل بدست اُفتاد

والد کا عقیدہ وہ جوانِ صالح اور عاشق پیشہ تھے، دل میں عشق کی گرمی رکھتے تھے۔ علی متقی کے خطاب[۵۲] سے ممتاز ہوئے۔ نقل ہے کہ ایک دن اُنھوں نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے اپنے عقائد جیسا کچھ درست کر لیے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے لیکن حاکمِ شام[۵۳] کے

---

۵۱ شیخ کلیم اللہ اکبرآبادی کے وقائع، حالات اور ملفوظات نہیں ملتے۔ معلوم ہوتا ہے یہ اتنے بڑے آدمی نہ تھے کہ ان پر کوئی مستقل کتاب لکھی جاتی۔ البتہ تاریخ محمدی مصنفہ مرزا حارثی بدخشی میں ۱۱۰۹ھ کے مرنے والوں میں اُن کا ذکر اس طرح ملتا ہے: "شیخ کلیم اللہ اکبرآبادی، جامع المعقول والمنقول در اکبرآباد فوت شد" (صفحہ ۱۰۱۳)

مصنف تاریخ محمدی نے کوئی کتاب ہے 'اُفق المبین' اُس کے حوالے سے اُن کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ اسی کتاب میں متعدد اہلِ ظاہر و باطن بزرگوں کی تاریخِ وفات لکھتے ہوئے 'اُفق المبین' کا نام لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا مصنف کون ہے؟" (اقتباس از مکتوب مولانا امتیاز علی خاں عرشی، موسومہ مترجم)

۵۲ میر کی ایک تحریر سے، جو اسی کتاب میں آگے آئے گی، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے والد کا نام میر محمد علی تھا اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ "علی متقی" مشہور ہو گئے تھے، لیکن یہ "خطاب" دیا کس نے تھا؟ میر نے نہیں بتایا۔ عجب نہیں پیر و مرشد کے دربار سے ملا ہو۔

۵۳ مولوی عبدالحق، مرتب ذکرِ میر نے اس موقع پر سرخی قائم کی ہے "باپ کی اپنے پیر سے گفتگو دربارۂ یزید" لیکن میرا خیال ہے کہ یہاں "حاکمِ شام" سے مراد حضرت امیر معاویہؓ ہیں وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۱۳ھ/۶۳۴ء تا ۲۴ھ/۶۴۴ء) میں چار سال اور حضرت عثمانؓ کے عہد (۲۴ھ/۶۴۴ء تا ۳۵ھ/۶۵۵ء) تک شام کے حاکم رہے تھے۔ ۴۱ھ/۶۶۱ء میں خود خلیفہ ہوئے اور ۶۰ھ/۶۸۰ء میں انتقال فرمایا۔

یہاں "عقائد کو درست کرنے کی بات سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ پہلے میر کے والد سنی تھے اور شیخ کلیم اللہ کی صحبت میں رہ کر تشیع یا تفضیلیت کی طرف مائل ہوئے۔ امیر معاویہؓ کے سیاسی کردار سے متعلق بہت سے (باقی حاشیہ ص آیندہ)

بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" شاہ صاحب نے فرمایا: "بتادیں گے!"

مدّت کے بعد ایک دن منھ اندھیرے، محرم خاں خواجہ سرا ے شاہ جہانی کی مسجد میں تشریف لائے۔ میرے والد کے ملازم شیخ کے وضو کے لیے پانی فراہم کرنے کو دوڑے، مگر والد خود اُٹھے اور لوٹا ہاتھ میں لے لیا۔ (شاہ صاحب کو وضو کرانے لگے) اُس وقت شاہ صاحب نے ہاتھ منھ پر پانی ڈال کر فرمایا: "میاں علی متقی! تمام عمر اُس کا نام میری زبان پر نہیں آیا، میرا منھ نہیں کہ اس کے لیے خدا کا شکر ادا کروں!" میرے والد کہتے تھے: "خدا کا شکر ہے پھر میں نے بھی کبھی اُس کا نام نہیں لیا۔"[۵۱]

تعلیمِ عشق وہ روز و شب خدا کی یاد میں رہتے تھے۔ خدا نے کبھی انھیں شرمندہ نہیں کیا۔ کبھی موج میں آتے تو فرماتے: "بیٹا عشق[۵۲] کرو، عشق ہی اِس کارخانے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اہلِ سنّت والجماعت حضرات کو بھی شبہ رہتا ہے، یزید بن معاویہ کی سیاسی غلطیوں پر اکثر اتفاق رائے رہا ہے، اس لیے علی متقی کا یزید بن معاویہ کے بارے میں استفسار کرنا اتنا قرینِ قیاس نہیں جتنا یہ کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق اپنا عقیدہ درست کرنے کے لیے سوال کیا ہو۔

۵۱ علی متقی کے پوتے محسن نے محاکمات الشعراء کے مقدمے میں (کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں صرف مقدمہ ہے) اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پاس جاکر کتب تفسیر و حدیث مثل کشاف و بیضاوی و جلالین و مدارک و تفسیر کبیر و صحیح بخاری و صحیح مسلم و صحیح ترمذی و مسند امام حنبل و مسند امام مالک وغیرہ سے متعلق تحقیق کرتا تھا۔ اس نے کسی شیعہ عالم کے پاس جانے یا شیعوں کی مذہبی کتابوں کے بارے میں تحقیق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس کے سنّی ہونے پر مشعر ہے اور اس خیال کو کہ علی متقی سنّی تھے اس سے تقویت پہنچتی ہے۔

محسن، حبیب اللہ پسر شاہ کلیم اللہ کا مرید تھا، وہ لکھتا ہے کہ شاہ صاحب اپنے وقت کے قطب تھے اور ان کے خلیفہ و جانشین، عماد الدین مشہور بہ درویش محمد تھے۔ (معاصر ۱۴، ۴۴-۴۵)

۵۲ عشق کا بڑا وصف یہ ہے کہ تمام رذیل اخلاق شریفانہ اخلاق سے بدل جاتے ہیں۔ بغض، کینہ، حسد، خود بینی و غرور فنا ہو جاتے ہیں۔ طبیعت میں رقّت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور انسان ایک عام محبت کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ حضراتِ صوفیہ جب طالب کو تزکیۂ نفس کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے عشق و محبت کی تعلیم دیتے ہیں کہ یہ صیقل تمام زنگ کو پاک کر دے گا۔ اس مضمون کو نظیری اس طرح ادا کرتا ہے:

ہیچ اکسیر بتاثیر محبت نرسد | کفر آوردم و در عشق تو ایماں کردم

(شبلی نعمانی ۵: ۳، ۳۰، جنوری ۱۹۴۴ء)

یہ اور بات ہے کہ شیخ کے سیرت نگار کو یہ سارے اوصاف ان کی سیرت میں نظر نہیں

ہیں متصرّف ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو نظمِ کُل قائم نہیں رہ سکتا تھا[۵۱]۔ بے عشق زندگی وبال ہے، عشق میں جی کی بازی لگا دینا کمال ہے عشق بناتا ہے، عشق ہی کُندن کر دیتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے عشق کا ظہور ہے۔ آگ عشق کی سوزش ہے، پانی عشق کی رفتار ہے، خاک عشق کا قرار ہے، ہوا اُس کا اضطراب ہے، موت عشق کی مستی، زندگی عشق کی ہوشیاری ہے، رات عشق کا خواب اور دن عشق کی بیداری ہے مسلمان عشق کا جمال ہے، کافر عشق کا جلال ہے نیکی عشق کا قرب ہے، گناہ عشق کی دوری ہے، جنّت عشق کا شوق ہے، دوزخ عشق کا ذوق ہے۔ عشق کا مقام عبودیت و عارفیّت زاہدیت و صدیقیت و خلوصیت و مشتاقیت و خلّیت و حبیبیّت سے بہت بلند ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آسمانوں کی گردش بھی حرکتِ عشقی ہے، یعنی وہ اپنے مطلوب تک نہیں پہنچتے اور سرگرداں ہیں ؎

بے عشق نباید بود بے عشق نباید زیست پیغمبرِ کنعانی عشقِ پسرے دارد[۵۲]

وہ دن بھر عالمِ حیرت میں رہتے اور راتوں کو جاگتے۔ اکثر جبین نیاز جھکی رہتی۔ ہمیشہ شرابِ شوق سے سرشار اور دامن پاک۔ اُن کا نورانی چہرہ عابدوں کی محفل کا رونق افزا تھا۔ وہ اک آفتاب تھے، مگر اپنے سائے سے بھی گریزاں کبھی آپ میں آتے تو کہتے: "بیٹے دنیا اک ہنگامے سے زیادہ نہیں، تمھیں چاہیے کہ اس سے ترکِ تعلق کر لو اور اپنے دامن پر علائق کی گرد نہ جمنے دو۔ عشقِ الٰہی کو اپنا پیشہ کرو، عاقبت کا دن در پیش ہے، اپنا اندیشہ کرو، جو اہل ہے وہ جانتا ہے کہ دنیا سہل (حقیر) ہے، زندگی ایک وہم ہے، وہم کی بنیاد پر (اُمیدوں کے محل) بنانا پانی کو رسّی سے باندھنا ہے، اور طولِ امل میں پھنس جانا چاندنی کو گزوں سے ناپنا ہے۔ آہ بے خبر نہ رہنا کہ چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ زادِ راہ کی فکر کرتے رہو تاکہ راہ میں کام نہ آجاؤ، ارے اُس کی طرف دیکھو عالم کو جس کا آئینہ کہتے ہیں، اپنی ذات کو اُسے

---

۵۱ یہ نہ ہووے تو نظمِ کُل اُٹھ جائے سچے ہیں عاشقاں، خدا ہے عشق (دیوانِ اول)

۵۲ (مطلب) عشق کے بغیر (قائم) نہیں رہا جا سکتا، نہ بغیر عشق زندہ رہ سکتے ہیں۔ (دیکھو پیغمبرِ کنعانی حضرت یعقوب علیہ السلام) بھی اپنے بیٹے سے عشق کرتے تھے۔

سونپ دو جسے دل میں تلاش کرتے ہیں، مقصود کا ملنا یقینی ہے بہ شرطیکہ ذوقِ طلب سچا ہو، اگرچہ ہر شے میں اُسی کا جلوہ ہے مگر ہمیں اِس کے اظہار میں شرطِ ادب ضروری ہے۔

(نکتہ) خدا کا اپنے بندوں سے وہی تعلق ہے، جو روح کا جسم سے ہے یعنی تمھارا وجود بغیر اُس کے اور اُس کی نمود بغیر تمھارے نہیں۔ کائنات ظہور میں آنے سے پہلے عینِ ذات تھی، اور نمودِ صُوری کے بعد وہی ذات عینِ کائنات ہے! ؎

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرّہ عینِ اوست

امّا نمی تواں کہ اشارت بدو کنند[1]

وہ درویش اور درویش پرست تھے، شکستہ دل اور شکستگی کے مشتاق، عجب نیاز مند مسافر در وطن، وسیع المشرب فقیرِ کامل اور پانی کی طرح ہر رنگ میں شامل۔ جب کبھی مجھے گود میں اُٹھا لیتے اور پیار کی نظروں سے میرا کاہی رنگ دیکھتے تو کہتے: "اے سرمایۂ جان! یہ کیسی آگ ہے جو تیرے دل میں چھپی ہے۔ یہ کیسی جلن ہے جو تیری جان کو لگی ہے"، میں ہنستا جاتا اور وہ روتے رہتے۔ افسوس میں نے ان کی زندگی میں ان کی قدر نہ جانی، وہ اِک انسان تھے اپنے مقامات میں گُم، کبھی کسی کے لیے بارِ دوش نہ بنتے تھے۔

ایک دن اشراق کی نماز کے بعد میری طرف توجّہ فرمائی، اور مجھے کھینچ کر گود میں محو پایا بولے: بیٹے زمانہ بہتا ہوا وقت ہے، یعنی بہت کم فرصت، اپنی تربیت سے غافل

---

[1] مشکل بات تو یہ ہے کہ ہر ذرّہ عین ذات خداوندی ہے۔ پھر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ اس (ذاتِ خداوندی) کی نشان دہی کر سکیں۔ یعنی کسی چیز کو لے کر کہہ سکیں کہ یہ خدا ہے۔ حالانکہ ہر شے کا ظہور خدائی ذات سے ہی تو ہے) یہ شعر فغانی کا ہے اور اس نے عطار کے اس مضمون سے استفادہ کیا ہے

ہر ذرّہ از دوست بہ دوکون ولیک   سوئے او زہرہ اشارت نیست   (شعر العجم ۲/ ۱۳)

میر کہتا ہے :-   پایا نہ یوں کہ کر دیے اس کی طرف اشارت   یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا   (دیوان اوّل)

فغانی کا وطن شیراز ہے۔ یہ سلطان یعقوب فرماں روائے تبریز کے دربار سے وابستہ تھا ۹۲۵ھ میں مشہد میں وفات پائی۔ ایک طرز نو کا موجد سمجھا جاتا ہے۔

(شعر العجم ۳/ ۲۴)

نہ رہو، اِس راستے میں بڑے نشیب و فراز ہیں دیکھ بھال کر چلو۔

نشانِ پائے تو فردِ حسابِ زندگی است
قدم شمردہ ، درین کہنہ خاک دان بردار[1]

یہ کیا کھیل رہے ہو، کس واہیات میں پھنسے ہو۔ ارے اُس سے لو لگاؤ آسمان جس کی رنگین خرامی کی بلائیں لیتا ہے، اُس کو دل دو جس کی ہر آن پر دل اور جانیں واری ہوں، اُس گل کی بلبل بنو جو ہمیشہ بہار ہے۔ اُس سادہ پر مٹو جو سدا سُہاگ ہے۔ آسمانِ دو رنگ کی چال کسی کے لیے بدلتی نہیں، جلدی کرو، فرصت کو غنیمت جانو اور اپنے تئیں پہچان لو۔

اُن کی متبرک صورت اِس تمام عالمِ اجسام میں معنیٔ مجسّم تھی، وہ ایسے متین آدمی تھے کہ اُنھوں نے عنانِ اختیار کبھی اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دی۔ ایسے پرہیزگار کہ کسی نامحرم کی آنکھ کبھی اُن کے ہاتھ پانو پر نہیں پڑی۔ اگر تم دیکھتے تو کہتے کہ شاید فرشتہ اور یہ عزیز ایک ہی صورت کے دو رُوپ ہیں۔ اگلوں نے بھی ایسی خوبی سے استقامت کا ثبوت کم ہی دیا ہے۔ اخلاقِ حمیدہ، اوصافِ ستودہ، طبع مشکل پسند، جان دردمند، آنکھیں نَم اور حال دَرہَم۔

لاہور کا سفر

نقل ہے: ایک دن گھر میں پریشان حال داخل ہوئے؛ بوڑھی ماما بیٹھی تھی، اُس سے کہا: "بڑی بی، آج میں بہت بھوکا ہوں۔ صبر کی تاب نہیں ہے۔ اگر ذرا سا روٹی کا ٹکڑا مل جائے تو جان میں جان آجائے۔" ماما نے کہا: "گھر میں تو کچھ ہے نہیں۔" اِنھوں نے پھر کہا: "بھوکا ہوں۔" ماما اُٹھ کر گئی، اور بنیے سے آٹا اور گھی لائی تاکہ روٹی پکائے۔ اِس بار پھر اُنھوں نے بھوک میں بے صبری کا اظہار کیا۔ ماما جھنجھلا اٹھی، تڑخ کر بولی: "میاں یہ فقیری ہے اس میں نازنخرے نہیں

[1] تمھارے نقشِ پا بھی زندگی کے حساب کی کھتونی ہیں، اس دنیا میں قدم بھی گن گن کر رکھنے چاہئیں۔ (یعنی زندگی کو بے مصرف و بے مقصد نہیں گنوانا چاہیے۔)

چلتے،، والد صاحب نے کہا: "اچھا بڑی بی تم اطمینان سے روٹی پکاؤ، میں ایک فقیر کو دیکھنے لاہور جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر اپنا رومال اُٹھایا جو گریۂ شبی سے بھیگ کر بادل کا گالا بن گیا تھا، اور چل پڑے۔ جب ماما نے دیکھا یہ رُوٹھ کر جا رہے ہیں تو دوڑی اور رو کر دامن سے لٹک گئی، مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوا، مجبوراً آئینے پر پانی ڈال کر شگون پورا کیا[۱]۔ وہ جہاں منزل کرتے خدائے کریم کی شانِ رزّاقی کام کرتی تھی۔ کچھ دنوں میں لاہور پہنچ گئے اور اُس مکار درویش کو دیکھا جو ایک دریا کے کنارے جسے راوی کہتے ہیں بیٹھا رہتا تھا اور دنیا کو فریب دیتا تھا، وہ "خفتان نمود"[۲] کے نام سے مشہور تھا۔ فارسی کے کچھ الفاظ

---

[۱] یہ سفر کا شگون ہے اور ایرانی رسم ہے۔ ہندوستان میں نہیں سُنی گئی۔ فارسی میں آب بر آئینہ ریختن وزدن آتا ہے، مگر اردو میں بھی استعمال ہوا ہے:۔

اشکوں سے شگوں نیا نرالا　　آئینۂ رُخ پہ پانی ڈالا　　(گلزارِ نسیم)

غالباً نرالا کا لفظ خود اس رسم کے عام نہ ہونے کی غمازی کر رہا ہے۔

[۲] خفتان نمود کا تعلق میر محمد حسین مشہدی کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے جس نے عالمگیر کی وفات ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء کے بعد ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالی تھی، وہ اپنے تئیں "بیگوک" کہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر نبی کے ۹ بیگوک ہوتے ہیں اور میں دینِ محمدی کا آخری بیگوک ہوں۔ میر محمد حسین۔ عمدۃ الملک امیر خاں صوبیدار کابل کی لے پالک کا شوہر اور امیر خاں کا داروغہ خوشبو خانہ تھا۔ وہ علوم متداول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا اور نہایت شیریں بیان و نغز گفتار تھا۔ اس نے عمدۃ الملک امیر خاں اور عالمگیر کی وفات کے بعد بہادر شاہ اوّل کے عہد میں نیا ڈھونگ رچایا، اپنا نام 'نمود وا نمود' یا 'نمود اللہ' رکھا اور اپنا مرتبہ نبوت و ولایت کے درمیان ظاہر کیا۔ ایک کتاب "نوزۂ مقدس" کے نام سے تصنیف کی اور اسے الہامی ظاہر کیا۔ اس نے ایسے الفاظ اور فقرے وضع کر رکھے تھے جو قطعاً مہمل تھے اور جن کا مطلب خود اُسے بھی معلوم نہ تھا۔ اُس کے مرید "زبود" کہلاتے تھے اور سلام کی جگہ "نمو بودال" کہتے تھے۔ ۶ ذی الحجہ اُن کا مذہبی جشن کا دن تھا اور نماز بھی سب سے علیحدہ تھی جسے وہ "دید" کہتے تھے۔ نما نمود، نغفار، اور دیدا اُس کے بیٹے تھے اور دو بیٹیاں نمانہ خورد و نمانہ کلاں تھیں۔ فرخ سیر کے زمانے میں اُس کے فریب کو بڑا عروج حاصل ہوا چنانچہ ایک دن فرخ سیر خود نیاز مندانہ اُس کے حجرے میں آیا اور قدم بوس ہوا۔ بادشاہ کی عقیدت دیکھ کر عوام جہلا میں میر محمد حسین کا مرتبہ اور بھی بڑھ گیا۔ محمد شاہ کے زمانے میں قمرالدین خاں وزیر کے والد نواب محمد امین خاں نے اُسے گرفتار کرنا چاہا مگر وہ خود اُس کے دامِ فریب میں آ گیا۔ اتفاق سے محمد امین خاں بیمار پڑ گیا اور اُسے یہ گمان ہوا کہ محمد حسین کی بددعا سے میری شامت آئی ہے۔ وہ نما معافی کا خواستگار ہوا اور پانچ ہزار روپے نذر دیے۔ نما محمد حسین اکڑ گیا اور اس سے عوام میں اس کی ساکھ بڑھ گئی۔ اس کی موت کے بعد بڑا بیٹا نما نمود حق دہ نشین ہو گیا۔ اس نے باپ کے خلیفۂ اوّل شریک کار اور راز دار

(باقی آگے)

اُس نے رَٹ لیے تھے۔ گھامڑ لوگ جو اُن الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ پاتے تھے، اُس کے آگے ناک سے لکیریں کھینچتے تھے۔ بولا "میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تائید کر رہا ہوں، جاہل لوگ مجھے بہکانے والا سمجھتے ہیں۔" میرے والد یہ سُن کر بھڑک گئے اور کہنے لگے: "ابے او کمینے ہمارے پیغمبرؐ کا دین تجھ ایسوں کی تائید کا محتاج نہیں۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کر، یہاں تلوار درمیان ہے، ایسا نہ ہو مارا جائے۔"

غرض ملاقات کی ابتدا ہی میں بدمزگی ہوگئی۔ میرے والد بہت تُرش رُو ہوکر وہاں سے اُٹھے اور ایک فقیر کے تکیے میں رات بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ریاکار معذرت خواہی کے لیے آیا۔ میرے والد نے فرمایا کہ: "اب معافی مانگنا بے فائدہ ہے، کل تو کیا کھری کھری سُنائی تھیں جو آج سُناؤں گا۔ جب تیری عیّاری کا پردہ چاک ہوگیا تو معذرت کیسی؟ جا اپنا راستہ ناپ، ایسا نہ ہو کہ سب میں رُسوا ہو جائے۔" اس پر تو وہ شرم سے پانی پانی ہوا، مگر بڑی حد تک اُس کی اصلاح ہوگئی۔ جب یہ صحبت بے مزہ ختم ہوئی تو[۵۱]

لاہور سے واپسی

یکایک اُس عزیز (والد) نے، بارِ سفر جو کچھ بھی نہ تھا، اللہ کے توکّل پر باندھ دیا، اور دس بارہ دن سفر میں رہ کر شاہجہان آباد دہلی پہنچے۔ یہاں شیخ عبدالعزیز عزّت[۵۲] کے بیٹے قمرالدین خاں کے مکان میں اُترے جو صوبے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "دوجی بار" کو خوش نہ رکھا اُس نے پردۂ فریب چاک کر دیا۔ اِس طرح احمد شاہ کے زمانۂ حکومت میں یہ پُرفریب تحریک ختم ہوگئی۔

میر محمد حسین کے پیر دکا ز خلیفہ اور مرید ساری سلطنت میں پھیل گئے اور اُنھیں "نشان" یا خطاب عطا کیے گئے تھے۔ "خفقشاں نمود" بھی اسی سلسلے کا مکّار پیر دکار تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیر المتاخرین جلد ۳)

۵۱ اِس سفر کا فائدہ کیا ہوا، اور یہ مناظرہ کیسا تھا، محمد علی نے کیا خدمتِ دین کی انجام دی، وہ فقیر قائل کب ہوا اور اُس کی اصلاح کہاں تک ہوئی، اِن ساری باتوں پر غور کرنا شاید کسی نتیجے پر نہ پہنچا سکے۔

۵۲ عبرت سے اُن کی قرابت کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ۔

کے دیوان تھے اور اُن سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے۔ وہاں عزیزانِ شہر کا ہجوم ہو گیا اور بڑی عقیدت کے ساتھ سب اُن کی خدمت کرنے لگے۔ اُس مردِ خدا کو شرابِ عشق نے مست کر رکھا تھا، بیٹھتا تو بے خود انہ اور اُٹھتا تو مستِ سرانداز کی طرح۔ عالمِ مستی و بے خودی میں باتیں کرتا تھا۔ اُس کا ہر جاں سوز سانس شوق کی آگ بھڑکانے والا تھا۔ بہتوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی، بہت سے اُس کی تاثیرِ نگاہ سے ہوش کھو بیٹھے۔ اس کے وضو کا پانی بڑی عقیدت سے لے جاتے اور شہر کے بیماروں کو دیتے تھے جو اُسے پیتا تھا اچھا ہو جاتا تھا۔

وہ اتنا روتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی تھی، جو نالہ اُن کے دل سے نکلتا تھا آسمان سے گذر جاتا تھا۔ غلغلہ مچ گیا کہ ایک ایسا درویش شہر میں آیا ہوا۔ اُمراء نے ملاقات کے لیے التماس کیا آپ نے قبول نہ کیا، کہا کہ میں فقیر ہوں، آپ امیر، میرا آپ کا کیا واسطہ؛ امیرالامراء صمصام الدولہ[۱] نے حقوقِ سابق کا واسطہ دے کر دوبارہ کہلوایا کہ مجھے دولتِ دیدار سے محروم نہ فرمائیے اگر زرا لطف بپا ہو جائے تو یہ رُوسیاہ بھی سُرخ رُو بندوں کی صحبت میں باریابی۔ مُسکرا لیے اور کہا: "ملاقات کے واسطے مناسبت ضروری ہے۔ اُمید ہے آپ مجھے معذور جان کر میرے حال پر چھوڑ دیں گے"۔ جب کثرتِ خلق سے تنگ آ گئے تو آدھی رات کو اُٹھے اور تہجد کی نماز کے بعد شہر سے نکل گئے۔ لوگوں نے اُن کی تلاش میں بہیترا سر مارا مگر اُن کی گرد بھی نہ پا سکے اور ایسا نشان قدم بھی نہ ملا جو اُن کا پتہ دیتا۔ [illegible]

بہ پاکان کار کے گیر د فلک تنگ　　　　کہ عیسیٰ از سر سوزن بدر رفت[۲]

[۱] یہ وہی امیرالامراء ہیں بعد میں جن کی سرکار سے [illegible] ۔۔۔ اس موقع پر پیش کیا جائے گا۔ [۲] مطلب پاک دل لوگوں پر آسمان [illegible] کیسی مشکل میں پھنسے تھے کہ کتنی آسانی سے نکل گئے [illegible] جب آسمان [illegible] گئے تو اُن کے دامن میں ایک سوئی اٹکی ہوئی رہ گئی تھی [illegible] اوپر نہ جا سکے۔ [illegible] شعر ہے ؎

سوزن عیسیٰ سے رہ کر نے لگے قدر سیا　　　　[illegible]

دو تین دن میں اکبر آباد (آگرہ) سے تین منزل اُس طرف بیانہ[۵] میں مسافرانہ وارد ہوئے جو شرفا کی پرانی بستی ہے۔ یہاں ایک مسجد کے دروازے پر بے کسانہ بیٹھ گئے۔

ایک سیّد زادے سے ملاقات

(حکایت) یہیں ایک نوجوان خوش اندام لالہ رُخسار سیّد زادہ نظر سے گذرا۔ آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور جذبِ کامل سے اپنی طرف کھینچ بلایا۔ اُس غیرتِ پری کی ایسی حالت بدلی کہ دیوانہ وار بے ہوش ہو کر اس مست کے قدموں میں گر پڑا۔ لوگ سمجھ گئے کہ لڑکے کی حالت درویش کی نظروں کے اثر سے دگرگوں ہوئی ہے۔ اُن سے التجا کی کہ اس نوجوان کی حالت پر رحم فرمایئے۔ آپ نے تھوڑا سا پانی منگایا اور کچھ دُعا پڑھ کر اس پر دم کیا۔ جیسے ہی پانی حلق سے نیچے اُترا وہ لڑکا ہوش میں آگیا اور نہایت ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کی: "اگر آپ کچھ دن میرے مہمان رہیں اور اس نیازمند کو خدمت گذاری کا موقع دیں تو یہی بندہ نوازی ہوگی، ورنہ جس عالم میں آپ ہیں وہاں ناز کا تو گذر بھی نہیں۔ کہ بے نیازی ہی بے نیازی ہے۔" والد صاحب نے فرمایا: کہ "دوستی کی راہ سے (دعوت قبول کرنے میں) کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن میں پا بہ رکاب ہوں۔ کل یہاں سے کوچ کا ارادہ ہے۔" حاضرین نے کہا: "ہم آپ کی مرضی کے تابع ہیں۔ اصرار کرنا تو بے ادبی ہوگی۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر آپ اس لڑکے کے گھر تشریف لے چلیں اور کچھ تناول فرمائیں تو یہ آپ کی عنایت سے بعید نہ ہوگا۔"

چونکہ اُس شہر کے عمائد کی بات رکھنی منظور تھی فرمایا: "اچھا، منظور ہے لیکن فقیر کا دل کبھی شاد رہتا ہے کبھی ملول، کوئی ہمارے حال سے تعرض نہ کرے۔" لوگوں نے کہا:

---

[۵] بیانہ قدیم زمانے میں ایک بڑا شہر تھا اور شاہ جہاں میں ۔۔۔ صاحب ۔۔۔ محفوظ۔ اگلے وقتوں میں گنہگار بندی والوں کو وہیں رکھتے تھے۔ مہندی وہاں کی نہایت رنگین اور آم بھی بہت ۔۔۔ وزن میں قریب ایک سیر کے۔ (افسوس: آرایش محفل/۸۶)

"ہماری کیا مجال ہے اور یہ بھلا کیسے گوارا ہوگا کہ حضور کے خلاف مزاج کوئی بات ظہور میں آئے اور یہ سعادت شقاوت میں بدل جائے" غرض وہ لوگ انھیں اپنے ساتھ لڑکے کے گھر لے گئے اور درویش نے بھی وہاں کچھ تناول فرمایا۔

شادی کی مذمت

اتفاق سے وہ رات اُس لڑکے کی شادی کی رات تھی۔ تھوڑی رات گئے وہ شہر کے معزز لوگوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوا اور عرض کی کہ "اگر حضرت بھی قدم رنجہ فرما کر محفلِ شادی کی رونق افزائی کریں تو ہمارے لیے فخر کا باعث ہوگا" فرمایا: "بات یہ ہے مگر افسوس کہ شادی خدا پرستی کو مانع ہے"

(فائدہ) اے عزیز تو نہیں جانتا کہ لفظِ "داماد" دام اور کلمۂ آد سے مرکب ہے۔ جو الفاظ میں نسبت کے لیے لاتے ہیں جیسے آباد[1] اور نوشاد میں یعنی جس کی شادی ہوئی وہ مرد

---

[1] ... شاد میں آد کلمۂ نسبت ہے ... بود شید ... مرد مرغ و مور ... [illegible]

[illegible]

حقیقت ... [illegible]

صاحب غیاث اللغات ... [illegible]

دامِ بلا ہوا۔ میں تو آزادمنش انسان ہوں اور اس جال سے برق کی طرح نکل گیا ہوں[۱]۔ مجھے اِن باتوں سے کیا سروکار۔ جاؤ۔ آدمی اس معاملے میں مجبور ہے۔ میں بھی ابتدائے جوانی میں شرابِ عیش سے سرشار تھا۔ آخر سوائے زحمتِ خمار کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ جب خدائے بزرگ نے مجھے اِس گرفتاری سے نجات دی تو میں نے استقامت پیدا کی اور شمع وار ایک پانو پر جلنے لگا۔ — اب تو راکھ کے ایک ڈھیر سے زیادہ نہیں ہوں۔ وہ دل ہی نہیں جس میں ہوس پیدا ہو، نہ وہ دماغ ہے جو فقیر سیر تماشے کی طرف مائل ہو۔ یہ مشغلیں جو تمھارے ساتھ ہیں خطرے کا نشان ہیں۔ حیرت ہے تم کیسے غزالِ رعنا ہو کہ رَم نہیں کرتے۔ اگر عقلِ سلیم ہو تو اس نکتے کی تہ کو پہنچ جاؤ کہ: "اللہ بس باقی ہوس"!

غرض وہ لڑکا دُلہن کے گھر گیا، اور یہ درویشِ بے نیاز اس شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ڈیڑھ دن میں اکبرآباد پہنچے اور راطمینان سے اپنے گھر آن اُترے۔

نوجوان کی سرگردانی

(حکایتِ عشق) جب اُس نوجوان گل رُخسار و سرو قد کبک خرام کو معلوم ہوا کہ درویشِ دل آگاہ جا چکے تو وہ بی بی کو اپنے گھر لایا اور خود پانی تک نہیں پیا یعنی اُسی وقت گرتا پڑتا آنسو بہاتا ان کی تلاش میں جنگل کی طرف چل دیا۔ جو کوئی راستے میں ملتا اُس سے درویش کا اتا پتا پوچھتا، کبھی اِدھر دوڑتا کبھی اُدھر۔ مگر کوئی راہبر اُن کا نشان بتانے والا نہ ملا۔ مایوس ہو کر اُس نے ایک آہِ جگر خراش بلند کی اور کہا: "اے خضر! چونکہ میں نادان آپ کی رہبری کے بغیر

---

[۱] اس جملے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد علی کی بیوی، یعنی میر کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں علائق میں پھنس کر بھی ترک، حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہو۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ خود بدولت دو شادیاں کرنے کے بعد مرید کو یہ تعلیم دے رہے ہیں۔ نیز یہ تعلیمات اسلامی کے سراسر خلاف بھی ہے۔ قرآن کا حکم تو یہ ہے: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ٥ (اور تم نکاح کرو جتنی عورتوں سے چاہو، دو دو، تین تین، چار چار) ۴ : ۳۔ عملِ رسول، اُسوۂ صحابہ اور بیشتر صوفیہ کا طریق بھی اس کی تائید نہیں کرتا۔ میر کے والد شاید عجمی تصوف سے متاثر تھے جس کا میلان کلبیت کی طرف ہے۔ ورنہ یہ صریح تضاد ہے۔

ہر طرف سرگرداں ہوں، کہیں سے آجائیے۔ آپ مجھے خاک سے اٹھائیں گے اگر اس مصیبت میں میری دستگیری فرمائیں۔ اگر اس ویرانے میں آپ نظر آجائیں تو گویا مجھے خزانہ مل جائے گا۔ وہ دامن جسے میں پھولوں سے بھرا کرتا تھا، چاک چاک ہے۔ وہ سر جو کبھی تکیۂ ناز پر رکھا رہتا تھا اب اس پر خاک ہے۔ رحم کیجیے کہ پاؤں چلنے سے رہ گئے ہیں۔ کرم کیجیے کہ سوائے آوارگی کے رستے کا کوئی ساتھی نہیں۔ یہی وقت ہے کہ آپ کا لطفِ بے پایاں مجھے پالے۔ آپ خورشید ہیں، اس حقیر ذرّے کو بھی روشنی سے نوازیے۔ آخر مجھے کیا ہوا کہ آسودگی نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور پریشان آوارگی نے مجھے پا لیا
(مصنف)

سخت در کارِ خویش حیرانم — چہ بمن خوردہ من نمی دانم[1]

بگولے کی طرح وحشت آمادہ ہوں۔ شاید آپ نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ ہر چند کہ پانی سے آزاد ہو چکا ہوں لیکن ابھی آس نہیں ٹوٹی ہے۔ دشت میں ہوں تو آوارہ اور کہسار میں ہوں تو مثلِ مجنوں۔ میرے رخسار جو گلِ تر کو شرماتے تھے دھوپ کی تمازت سے جھلس گئے ہیں۔ میری آنکھیں جن پر ہرن رشک کرتے تھے، سفید ہوتی جا رہی ہیں۔ آپ آفتاب ہیں اور میں سایۂ افتادہ۔ آپ سروِ دولت و اختیار ہیں اور میں پابستہ۔ جو بھی غبار اٹھتا ہے مجھے آپ کی آمد کا گمان ہوتا ہے لیکن جب آپ نظر نہیں آتے تو ناچار رو رو کر پڑ رہتا ہوں۔ آپ کی جدائی میں [illegible] کا عالم ہے۔ [illegible] زلفوں کے جال سے کیوں غافل ہیں؟ نوجوانوں کی طرح [illegible] پھر [illegible] کبھی [illegible] ہو جاتا، کبھی چلنے لگتا۔ اپنا بیت[2] [illegible] ہوئے [illegible] انھوں نے بڑے لطف و نرمی سے فرمایا [illegible] سب اور [illegible] کچھ [illegible] آدمی [illegible] [illegible]

[1] [illegible]
[2] [illegible]

کے دل بے قرار کو قرار آیا۔ اب وہ دل جمعی سے چلنے لگا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ آدھی رات کو شہر (اکبر آباد) میں داخل ہوا۔ راستہ تلاش کرتا، نام و نشان پوچھتا ہوا آیا اور سعادت قدم بوس حاصل کی۔ مارے خوشی کے اس کے مہتابی رنگ رخساروں پر آنسو ڈھلک آئے۔ ناکامی کا رنج حصولِ مراد کی خوشی سے، جو اس کے خیال میں بھی نہیں تھی دور ہوا۔ درویش جگر ریش نے اس کے جمال پر ایک نظر کی اور اسی پاک نظر نے اسے صاحبِ کمال بنا دیا۔ اتنی محبت سے پیش آئے کہ تحریر میں نہیں سما سکتی۔ ایسی دلداری کی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اس کا سر چھاتی سے لگایا اور بے حد محبت سے فرمایا "اے میاں! تم نے بڑے مصائب جھیلے، زمانے کے سرد و گرم دیکھے مگر اب تمھیں رشتہ داروں سے جدائی کا رنج نہیں ہوگا۔ یہ گھر تمھارا ہے۔ میں اور میرے نوکر چاکر سب تمھارے ہیں۔ خوش ہو جاؤ کہ تم نے اپنی نہر کو ایک عجیب دریا سے جوڑ لیا ہے۔ شکر کرو مرد کے مانند تم دامن بچا کر نکل گئے ہو۔ اب دل جمع ہو جاؤ اور دروازہ بند کر کے بیٹھو تھوڑے دنوں اپنے میں گم رہو تاکہ خدا کو اپنی طرف کھینچ سکو۔

سید زادے کو تلقین

(فائدہ) سُن رکھو یہ مناسب وقت ہے اور یہ پتے کی باتیں ہیں۔ یہ لباسِ وجود جسے جسم کہتے ہیں مستعار ہے، مستعار لباس کو پاک و صاف رکھنا چاہیئے۔ اور روح جو تمھاری ذات پر دلالت کرتی ہے اُسے این و آں کے علائق میں نہ اُلجھانا چاہیئے۔ (مُصنف رحمہ اللہ)

پاسِ جان کن تن ندارد اعتبار قالبِ خاکی مزارے بیش نیست[1]

خودی سے گذرو اور اپنے اندر دیکھو، خدا پر نظر رکھو اور توکل کرو۔ نیاز پیدا کرو، کہ نماز ہی ہمیشہ کام نہیں آتی، گداز پیدا کرو، کیونکہ بے گداز دل کسی مصرف کا نہیں ہوتا۔ غُرور کرنا عیب ہے۔ اپنے کام خدا کو سونپ دو، جو تم سے زبوں حال ہے اُسے بھی ملکی

---

[1] (مطلب) جان (روح) کی احتیاط کرو، جسم کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے یہ مٹی کا قالب ایک مزار سے زیادہ نہیں۔

نظر سے نہ دیکھو، غرور بڑا عیب ہے۔ خبردار اس سے مُنھ پھیر لو۔ نیازمندی کی عادت ڈالو تاکہ دل سے ربط پیدا کر سکو۔ جہاں تک بن پڑے بکھیڑوں سے بچو، بے کار اپنے اُوپر یہ بوجھ مت رکھو۔ دل کو نقشِ غیر سے پاک کرو، جب تک گھر صاف سُتھرا نہ کرو گے مہمان کے قابل نہیں ہوگا۔ ہر موافق و ناموافق سے نبھاؤ جب تک آدمی اخلاق پیدا نہ کرے انسان نہیں بنتا۔ ہر شخص سے سلوک کرو۔ یہی فقیر کا مذہب ہے۔ پردیسی کی طرح رہو کیونکہ سفر درپیش ہے۔ یہ عالم عزا خانہ ہے۔ یہاں دیر تک ٹھہرنے کی رسم نہیں۔ دنیا والے ماتمی ہیں۔ اِن کی تسلّی کے لیے کوئی دم ٹھہر جاؤ۔ یہ ایک خوفناک جنگل ہے جہاں سانپ اور چیونٹی بھی پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ زادِ راہ کی فکر کرو کیونکہ قافلہ اچانک چل دیتا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ اس بیمار خانے سے صحیح سالم نکل جاؤ تو حکیمانہ پانی پیو، پرہیزی کھانا کھاؤ۔

(نکتہ) فقیر وہ ہے کہ جن چیزوں کا محتاج ہو وہ کبھی نہ رکھتا ہو اور غنی وہ کہ اس نے مملکتِ عدم اپنے غیر کے لیے چھوڑ دی ہو۔ ہمیں فقیری ملی ہے: اَللّٰہُ غَنِیٌّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو) جان لو اس چمن میں ایک ہی گلِ تر ہے جو ہزار رنگ میں جلوہ گر ہے۔ یعنی معشوق ایک ہی ہے، لیکن اُس کے جلوے بے شمار ہیں ؎

معشوق درحقیقت اگر بنگری یکے است — ہر کس بجلوۂ دل خود شادمی کند[1]
یکے را ببین و یکے را بدان — یکے را بجو و یکے را بخوان[2]
دوئی کجاست، زنیرنگ احولی بگزر — کہ یک نگاہ میان دو چشم مشترک است[3]

---

[1] اگر تو غور سے دیکھے حقیقت میں معشوق ایک ہی ہے اگر اُس کے جلوے بے شمار ہیں ہر شخص اپنے مذاق اور ذوق کے موافق کسی جلوے سے اپنا دل خوش کر لیتا ہے۔ [2] اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو دیکھ اور ایک ہی کو جان ایک ہی کی تلاش کر اور ایک ہی کو آواز دے۔ [3] دوئی کہاں ہے؟ یہ تو ایسا ہے جیسے بھینگے آدمی کو ایک کے دو نظر آتے ہیں حالانکہ ایک ہی نگاہ دو آنکھوں کے درمیان مشترک ہے۔

جاؤ کچھ کھاپی کر سو رہو، سفر سے تھکے ماندے آرہے ہو ذرا دیر کو پانو پھیلا کر لیٹ جاؤ تم نے بہت زحمت اٹھائی ہے۔" ایک نوکر کو اشارہ کیا کہ اُن کے آرام کا بہت خیال رکھے۔ اور کسی وقت اُن کی خدمت سے دریغ نہ کرے۔

امان اللہ کی بی بی کا انتقال

غرض کہ وہ عزیز دلجمعی سے رہتے اور میرے والد اُنھیں "برادرِ عزیز" کہتے تھے۔ صبح و شام درویش کی خدمت میں آتے اور کسبِ کمال کرتے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے اُن کی دل جوئی سے غافل نہ رہتے تھے، ہر روز مقاماتِ درویشی کا ایک نیا باب اُن پر کھول دیتے تھے۔ تھوڑی ہی مدت میں درویش کامل ہوگئے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ پلک جھپکاتے تو عجائبات دکھاتے۔ اور آستین جھٹکتے تو کرامات ظاہر ہوتی جب اُن کے رشتہ داروں تک یہ خبر پہنچی، وطن سے بڑے اشتیاق کے ساتھ دوڑے۔ اُن کی بی بی دق میں گرفتار ہوکر کچھ دنوں بعد اس دنیا سے گذر گئیں[1]۔

القصہ اُن کی درویشی کا چرچا ہوا تو عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا اُنھوں نے لوگوں سے ملاقات کرنے میں مصلحت نہ دیکھی اور گوشہ گیر ہوگئے۔ جب ایک سال بیت گیا تو میرے والد نے کہلا بھیجا کہ اب دُنیا والوں پر فیض کا دروازہ کھول دینا چاہیے۔ ایک شام کو اپنے حجرے سے برآمد ہوئے ایسے کہ فرشتوں کو بھی رشک آئے۔ درویش کو سلام کرکے قدموں میں گر گئے۔ فرمایا: "اے سید بڑے کھرے انسان ہو تم نے اپنا سکہ بٹھا دیا ہے، ہوس، آدمی کو پیسر جلی بلّی کی طرح مضطرب رکھتی ہے اور نفسِ فتنہ انگیز سرکش بناتا ہے۔ تم نے قناعت کا پتھر پیٹ سے باندھ کر خواہشوں کو زیر کرلیا ہے:

این کار از تو آید و مردان چنین کنند"

---

[1] درویشی اور کرامت تو برحق، مگر یہ کس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی؟

میں اُن دنوں سات[1] سال کا تھا۔ اُنھوں نے مجھے اپنے سے مانوس کرکے گود لے لیا تھا یعنی مجھے میرے ماں باپ کے ساتھ نہ چھوڑتے تھے، اپنا فرزند بنالیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی مجھے اپنے پاس سے جُدا نہ کرتے، اور بڑے لاڈ پیار سے میری پرورش کرتے تھے، چنانچہ میں دن رات اُنھیں کے ساتھ رہتا تھا اور اُن کی خدمت میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔

عشق (نقل) ایک دن وہ جمعہ بازار کی سیر کو گئے تھے، وہاں اُن کی نظر ایک تیلی کے لڑکے پر پڑی وہ ایک دولت مند جوان تھا، یہ (اُس کی محبت میں) دل کھو بیٹھے اور ساری استقامت جو رکھتے تھے بھول گئے یعنی تاب نہ لاسکے اور بے قابو ہوگئے۔ جب اُس کی جانب سے التفات نہ دیکھا تو دل پکڑے واپس آگئے۔ ہر چند ضبط کی کوشش کرتے تھے مگر دلِ بے تاب پر بس نہ چلتا تھا۔ نوکر کا کندھا پکڑ کر زمین پر قدم رکھتے تھے تب کہیں راستہ چلتے تھے۔ اپنے دل سے کہتے: ”اے عزیز! ایسا واہیات کھیل کوئی بھی کھیلتا ہے جو تونے کھیل کر اپنے تئیں کوچہ و بازار میں رُسوا کرایا۔ یا تو ضبط و استقامت کا وہ عالم تھا، یا یہ بے اختیاری ہے جو حرکت تونے کی ہے، ایک بچہ بھی نہیں کرے گا۔ جس راستے پر تو چلا ہے اُس پر اندھا بھی قدم نہیں دھرے گا۔ دل ایسی چیز تو نہ تھی کہ ایک بازاری لونڈے پر نچھاور کردی جائے۔ تیرا دل ایسے کی محبت میں جلا ہے جو کبھی دھوپ چڑھے گھر سے باہر بھی نہیں نکلا اور تو ایسے کا دیوانہ ہوا ہے جو کبھی دل کی راہ میں قدم بھر بھی نہیں چلا۔ یہ آنکھیں اور بھی رونے لگی ہیں گویا منتظر تھیں جیسے ہی دیکھا ٹوٹ پڑیں۔ دل اور بھی زیادہ تڑپ رہا ہے جیسے بہانہ ڈھونڈ رہا تھا کہ آنکھ لڑی اور تڑپنے لگا۔ آنکھوں پر کہاں تک نظر رکھوں، دل کی کب تک خبر رکھوں، کبھی جوانی میں آنکھ نہ لگائی تھی۔ اب بوڑھے

[1] زمانہ ۱۱۴۲ھ – ۳۰–۱۷۲۹ء

منھ مُہاسے نکل رہے ہیں۔ اگر خود کو سنبھالتا ہوں تو دل تڑپ تڑپ کر قیامت ڈھاتا ہے، اور ضبط کی کوشش کرتا ہوں تو آنسوؤں کا سیلاب اُمڈا آتا ہے، حیران ہوں کہ کیا کروں، کون سی تدبیر سے یہ گتھّی سُلجھے۔ اب پیر و مرشد کی توجّہ کے سوا چارہ نہیں پاتا ہوں جو کچھ بھی ہو، اُن کی خدمت میں جاتا ہوں۔

اُسی حالِ تباہ سے آنکھوں میں اشک اور لبوں پر آہیں لیے ہوئے، مغرب کی نماز کے قریب نوکر کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر درویش کی خدمت میں آئے۔ حاضرین نے تعظیم کی، (درویش نے) اشارہ کیا، انھیں صدر میں جگہ دی گئی۔ (والد نے) کہا: "ارے بھائی کہاں تھے؟ آج بڑی دیر میں صورت دکھائی"۔ انھوں نے عرض کیا: "جمعہ بازار کی سیر کرنے گیا تھا"۔ فرمایا: "تم نے شاید یہ نہیں سُنا؟ (لمصنّفہ) ؎

مستمندِ عشق می داند کہ سودا می کند   دیدنِ طفلانِ تہ بازار رُسوامی کند[1]

جاؤ، اپنی کوٹھری سے آٹھ دن رات تک باہر نہ نکلنا، اور اس واقعے کو ہرگز یاد نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کریم ہے شاید اُسے پہنچا دے اور تمھاری لاج رکھ لے!"

اتفاق دیکھیے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ شام کے وقت وہ چودھویں کا چاند اپنے گھر سے نکلا اور بیتاب سا (اپنی) دکان پر بیٹھ گیا۔ ایک دلّال وہاں کھڑا تھا اُس نے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج رات تمھارا رنگ ہی بدلا ہوا ہے، بہت بے چین نظر آتے ہو"۔ لڑکے نے کہا: "کیا بتاؤں جو مجھ پر گذر رہی ہے، زباں تک نہیں لا سکتا۔ مگر تجھے دوست جانتا ہوں تجھے بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، آج چھٹا دن ہے ایک درویش اِس راستے سے گذر رہے تھے اُن کی نگاہ میری رعنائی پر پڑی، کچھ دیر کھوئے ہوئے سے کھڑے رہے میں نے اپنی اکڑفوں میں اُن کی جانب التفات نہ کیا ناچار انھوں نے جلے ہوئے دل سے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور چلے گئے۔ اب نہ اُن کی صورت

---

[1] (ترجمہ) عشق کا گرفتار ہی جانتا ہے کہ بازاری لڑکوں کا دیکھنا رسوائی کا سبب ہوتا ہے اور جنون پیدا کرتا ہے۔

میری نظروں سے جدا ہوتی ہے نہ دل سے اُن کا خیال جاتا ہے۔ سوتے جاگتے اُنھیں کا تصور اور اُنھیں کی یاد ہے۔ کیا کروں؟ دل کو کیسے بہلاؤں؟ اُن کا نام کس سے پوچھوں؟ اتا پتا کہاں دریافت کروں، کدھر جاؤں، اپنا غم کسے سناؤں؟" دلاّل نے کہا: "ارے وہ تو مشہور درویش ہیں، بڑے بے خویش ہیں، خلق اُن کے آستانے پر جھکتی ہے، نام اُن کا میر ... ہے۔ وہ علی متقی کے چھوٹے بھائی ہیں جو مشہور آفاق ہیں اور اس نیلی چھت کے نیچے طاق ہیں۔ اُن کا آستانہ جس کی خاک بطور تبرّک لے جاتے ہیں، شہر پناہ سے باہر عیدگاہ کے قریب ہے۔ میرے ساتھ آؤ اور رنج و غم سے چھٹکارا پاؤ۔" غرض وہ مرد فرزانہ جوان کو میرے والد کی خدمت میں لایا۔ انھوں نے حقیقت دل سن کر فرمایا: "آخر عشق بے پروا نے تغافل کا انتقام لے ہی لیا۔" ایک نوکر کو اشارہ کیا کہ جاکر برادر عزیز سے کہہ دے کہ آؤ تمھارا مطلوب تمھیں ڈھونڈتا ہے۔" جب یہ حکم اِس خوش خبری کے ساتھ اُس جگر خستہ گوشہ نشین نے پایا تو کلبۂ احزان سے دست افشاں و پاکوباں باہر آیا۔ پہلے پابوسی کے لیے پیر و مرشد کے قدموں میں سر نیاز جھکایا پھر دست شوق لڑکے کی طرف بغل گیر ہونے کے لیے بڑھایا۔ یعنی دل کی خواہش کے مطابق اُسے سینے سے لگایا اور اپنی تمنا کے موافق اُس نخل مراد کو پایا۔ پیر نے دونوں کو اجازت دی کہ تنہائی میں بیٹھ کر بات چیت کریں۔ جب باتیں چھڑیں اور قصّہ نبڑا تو درویش میر امان اللہ نے کہا: "اے جوانِ رعنا، میں فقیر ہوں اور دل بے مدعا رکھتا ہوں۔ مجھے اپنی زلف کا سودائی نہ جانیو۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دل کہاں اٹکا ہوا ہے اور میرا یہ خواہش جان کس کی آرزومند ہے۔ خبردار اس گھمنڈ میں نہ رہنا اور نہ غرّے میں آنا۔ ایسا نہ ہو کہ ... پڑے۔ درویش لوگ اگرچہ اس اوندھے آسمان کے دائرے سے باہر ہیں یعنی ہم لوگوں سے مختلف ہیں لیکن انھیں بھی ایک حد میں نہیں چھوڑا جاتا یعنی ہم لوگوں کا حال مختلف ہے۔ اچھا جاؤ، تم نے بہت رنج اُٹھایا ہوگا۔"

(لڑکے نے) کہا: "میں نے رنج تو اُٹھایا، مگر گنج بھی پایا۔ میں اس آستانے کی جاروب کشی کو سعادت جانتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ مجھے محروم نہ فرمائیں گے اور میرے حال سے عنایت کی نظر نہ اُٹھائیں گے" وہ ہر روز صبح آکر بیٹھتا تھا اور دل و جان سے خدمت کرتا تھا۔

ایک دن درویش (میر امان اللہ) کسی خاص کیفیت میں بیٹھے تھے، ایسے میں وہ جوان آگیا۔ "جواں[1] عزیز" کہہ کر بلایا اور اپنے پاس بٹھایا۔ اُس کے حال پر ایسی نظر فرمائی کہ اُس نے اپنا مقصودِ دلی پایا اور اسی لقب سے عالم میں مشہور ہوا۔ شہر کے بڑے لوگ اُس کی عزّت کرتے تھے۔ دوسرے خاص مرید اُسے رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آخر اُس کا یہ حال ہوا کہ میدانِ طریقت میں بے مثال ہوا۔ سچ ہے جب درویشوں کی نگاہ اثر کرتی ہے تو خاکِ ناچیز کو زر کرتی ہے۔

احسان اللہ

(حکایت، درویش جگر ریش۔ یعنی عمِ بزرگوار (میر امان اللہ) ہفتے میں ایک بار، احسان اللہ نامی ایک فقیر سے، جو ایک مردِ آزاد تھے، ملاقات کرنے جایا کرتے تھے۔ اُن کا بڑی ستھری لپی پُتی چار دیواری کا مکان جس کا دروازہ بند، دیواریں بلند، 'فقیر کا تکیہ' کر کے مشہور تھا، اُس دل جلے کے دروازے پر یہ شعر سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا تھا ؎

خاطرِ آسودہ خواہی، راہِ آمد شُد بہ بند ٭ چاک در پیراہنِ دیوار از دستِ دراست[2]

اگر کوئی اُن کا دروازہ کھٹکھٹاتا اور آواز دیتا، تو وہ خود آتے اور جواب دیتے کہ "احسان اللہ گھر میں نہیں ہے، بھاگ جاؤ، یہ گھر خالی ہے۔" ایک بار میرے چچا نے اُن سے ملاقات

---

[1] سب فقیروں سے بازی لے گیا اور عالم میں مشہور ہوا، مگر افسوس کہ میر نے اُس کا اصلی نام تک ظاہر نہیں کیا، اور نہ کسی کتاب میں خبر اُس کے پیر و مرشد بلکہ مرشد کے مرشد کا بھی ذکر نہیں ملتا۔ [2] (ترجمہ) اگر تجھے اطمینانِ قلب درکار ہے تو آمد و رفت کے راستے بند کر دے۔ (یعنی لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لے، دیوار کے پیراہن میں چاک دروازے ہی کی وجہ سے ہے (یعنی زیادہ میل جول یادِ الٰہی میں قلب کو یکسو نہیں ہونے دیتا۔

کا ارادہ کیا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے[1] جب دروازے پر پہنچے تو وہی جواب ملا کہ "احسان اللہ گھر میں نہیں ہے"۔ چچا نے کہا: "اگر احسان اللہ نہیں ہے تو امان اللہ ہے"! ہنسے اور دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھتا ہوں، گٹھے ہوئے ہاڑ کا جوان ہے خورشید سوار! جس کی پیشانی سے ہیبتِ حق نمودار۔ اکہری یزدی چادر سر پر، ایک لنگی کمر پر، رعب دار سرخ آنکھیں! جیسے شیرِ عشقِ الٰہی سے سوگیا ہے اس در پر مصافحہ ہوا، پہلو کے سائے میں بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ فرمانے لگے: "میاں میر امان اللہ میں نے گوشہ نشینی اس لیے اختیار کی ہے کہ ملنے کی گوں کا آدمی نہیں ملتا۔ تمہیں دل بہت چاہتا ہے جب تک نہیں آتے کھلتا رہتا ہے۔ اور ہاں یہ بچہ کس کا ہے؟" چچا نے کہا: "نبی متقی کا بالا اور میرا گود پالا ہے"۔ فرمایا: "اس بچے کے ابھی کلیاں نکل رہی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اچھی طرح پر نکل آئے، تربیت ڈھنگ سے ہوگئی تو ایک ہی جست میں آسمان کے پار پہنچے گا۔ اس بات کو درویشوں کی ملاقات کو معمول بنائے کہ فقیروں کی صحبت میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ پھر سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا پانی میں بھگو کر کھانے کے لیے مجھے دیا۔ میں نے ایسی لذت کا کھانا کبھی نہیں کھایا تھا۔ ابھی تک میرا ذائقہ اس کی یاد میں چٹخارے لے رہا ہے۔ وہ مزہ آج تک لطف دے رہا ہے۔

درویش کے ارشادات

(نکتہ) فرمانے لگے کہ "اے یار عزیز! آیات کی معرفت اس صحرائے پرغبار دنیا میں ایک وحشی سی ہے۔ روح شہ سوار اور گھوڑا انسان کا بدن ہے۔ اگر یہ شہ سوار مل جائے تو راستے ابھرا (مٹی میں) مل جائے۔ لیکن اگر گھوڑا مر گیا اور شہ سوار بھی چھٹ گیا تو انہی موت حسرت ہے جس میں ہر عذاب سے زیادہ شدت ہے۔ عذاب قبر اسی حال سے عبارت ہے۔

[1] زمانہ تقریباً ۱۳۴۹ھ ۳۱-۱۹۳۰ء

(موعظہ) آؤ غرور و ہوس سے نکل جاؤ۔ نفسِ امارہ تو حریص کتا ہے۔ اگر اس کے کہنے پر قطعِ راہ کرو گے تو اپنے تئیں تباہ کرو گے۔ ہاں اگر مجاہدہ کرکے خودی سے گذر گئے تو سمجھو انسانیت کی منزل سر کر گئے! بے سمجھ طولِ امل کی برائیوں کو نہیں سمجھ پاتا مگر عقلمند اپنے لیے پھانسی کا پھندا خود نہیں بناتا۔

(نکتہ) یہ آسمان ایک طلسماتی پردہ ہے جس پر عجیب و غریب شکلیں اور صورتیں [illegible] ہوتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ یہ آنا اور جانا شکل و صورت کے اختیار میں نہیں اس [illegible] ہے۔ دیکھو دنیا کو دل نہ دیجیو کہ یہ سلطنتِ [illegible] ہے [illegible] ہو جاتی ہے۔ جو اہلِ بصیرت اور صاحب [illegible] ہیں اس کی [illegible] مطلق توجہ نہیں کرتے۔

(فقیرانہ باتیں) [illegible] از راہِ خودپسندی اس بے حقیقت زندگی پر جو پلک جھپکنے تمام [illegible] چھپے ہوئے ہیں اور عناصر کی اس چار دیواری میں جسے دنیا کہتے ہیں اور جس سے جلد ہی گذر جانا چاہیے، اقامت کو جاودانی سمجھ کر کیسی فراغت سے آلتی پالتی [illegible] بیٹھے ہیں۔ وہ ظاہر میں (کتنے ہی) ہشیار نظر آئیں لیکن واقع میں بے خبر ہیں [illegible] ہوئے ہیں، ان کی فطرت [illegible] کدورت ہے، ایسوں [illegible] کی کیا ضرورت ہے۔ [illegible] تو وہ بے نوا درویش ہیں جو رخت کے سامان کا بوجھ بھی اپنے لیے پسند نہیں کرتے [illegible] وہ برہنہ تن فقیر جو [illegible] کا دم بھرتے ہیں۔ یا وہ گدڑی پوش پہلوان جو نفسِ امارہ سے جہاد کرتے ہیں یا وہ دردمندانِ جگر ریش ہیں جو بےگانۂ یار و خویش ہیں، جن کی پیشانیاں آلودۂ خاک ہیں اور دل بہتے ہوئے پانی کی طرح پاک ہیں۔ یہ بیشۂ فقیری کے شیر خونِ دل پینے والے۔ بحرِ بے جوش اور طوفانِ بے خروش ہیں۔ کوچۂ محبت کی خاک اڑانے والے، بیابانِ وحشت میں دھونی رمانے والے، وہ بندے جو خدا سے

واصل ہیں۔ سب سے دور رہتے ہیں مگر نزدیکِ دل ہیں، جلوۂ یار کے دلدادہ، معشوق
کے سایۂ دیوار کے خاک اُفتادہ، بحرِ حقیقت کے شناور اور بیشۂ طریقت کے رہبر ہیں
وہ آوارگانِ منزل رسیدہ جن کے سائے سے آفتاب ابھرتا ہے۔ وہ خاک نشین جو
آسمان پر کمند ڈالے ہوئے ہیں، وہ گوشہ نشین جو نام نکالے ہوئے ہیں۔ وہ دشتِ
مہر و وفا کے دیوانے اور گلشنِ حیا کی خوابیدہ کلی سخت پتھر جن کی بالش ہے۔ اور
علامتِ دیوانگی اُن کی پوشش۔ پیٹ سے پتھر باندھتے ہیں، مگر شکایت نہیں کرتے
حریص نہیں، لذیذ کھانا اگر مل بھی جائے تو اُس کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ روکھی سوکھی
کھالیتے ہیں۔

وہ عجیب زرد رُخسار ہیں (عشق کے) پُرانے بیمار ہیں۔ مزاج کے ایسے غیور کہ جسے
دیکھنے کے لیے مرتے ہیں اُسی سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ سر میں وہ پندار رکھتے ہیں
کہ جب تک معشوق کی تیغِ نازی نہ جھکادے خود نہیں جھکتے۔ محبوبِ حقیقی کو جس سے
وہ اتحاد رکھتے ہیں، کمال ذوق و شوق سے دن رات تلاش کرتے ہیں! وہ ایسے دبنگ اور
ہیں کہ انھوں نے بہتیرے فرقوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا دیتے اور ایسے کیمیاگر کہ ناچیز
خاک کو ہزار بار سونا بنادیا ہے۔ درویش اس کارخانۂ ہستی میں متصرف ہیں یعنی جو کچھ
ہیں وہی وہ ہیں، جو چاہو دنیا کے لیے ہاتھ [illegible] کردے سکتے ہیں یعنی وصل پر دو [illegible]
ہاتھ بڑھا کردے سکتے ہیں ایسے درویشوں کو [illegible] اُن سے طالب ہمت کی فکر [illegible]
بن سکو تو اُن جیسے بن جاؤ یعنی درویش [illegible] حقیقت کا دریا [illegible] جس کا [illegible]
[illegible] درویشوں کی زبان ہے [illegible] کا چھینٹا اور [illegible]
کی شان ہے۔

جب [illegible] کا وقت آیا، اگرچہ تمھیں
رخصت کرتے ہوں [illegible] سے قبل [illegible]

کا وقت ہوتا ہے۔ اُس وقت بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ جاؤ علی متقی سے میرا سلام کہہ دینا۔
ہمیں رخصت کرکے دروازہ بند کرلیا۔ چچا نے وہاں سے آکر فقیر کا سلام میرے
والد کو پہنچایا۔ اُنھوں نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر سلام لیا اور فرمایا کہ "احسان اللہ کی ملاقات
کو اللہ کا احسان سمجھنا چاہیئے۔ جاتے رہو اور میرا بھی سلام پہنچاتے رہو۔ چوتھے دن چچا
پھر اُن کے گھر گئے۔ مجھے بھی ساتھ لے کر گئے۔ دستک دی۔ وہی جواب ملا "گھر میں
نہیں ہوں"۔ چچا نے فرمایا: اگر تم نہیں ہو تو کون ہے جس نے میرے دوست کے
گھر میں دھرنا دیا ہے۔" (احسان اللہ) ہنسے اور دروازہ کھول دیا۔ ہم عجب سعادت
سے مالا مال ہوئے یعنی اُن کی پُرمغز باتیں سنیں اور عنایات بے حد سے نہال ہوئے۔
فرمایا: "اے عزیز عشق نے جب سے مجھے ٹھکانے لگایا ہے اور محبت کا نقش
اچھی طرح میرے دل پر بٹھایا ہے یہاں کی کوئی چیز میری نظروں میں نہیں سماتی
اور یہ دنیا دل کو قطعاً نہیں بھاتی۔ تجرد پیشہ ہوں۔ بے اندیشہ ہوں۔ اگر سارا عالم
درہم برہم ہو جائے تو بھی میری جمعیت خاطر میں فرق نہ آئے۔ اگر آسمان زمین پر آپڑے
تو بھی ممکن نہیں میرا دل کہیں جا پڑے۔ جب آنکھ بند کرتا ہوں تو اُس کے مکھڑے پر
کھولتا ہوں جو سورج مکھی سے زیادہ نازک ہے۔ یعنی نگاہِ گرم کی تاب نہیں لاتا۔ جب
سرگرم بیاں ہوتا ہوں تو اُس دلبر کا تماشائی بن جاتا ہوں جس کا جلوہ برق سے ہزار درجہ
شوخ تر ہے۔ یعنی پل بھر کو میرے دل سے نہیں نبھاتا۔ میرا یار محشر خرام اگر رفتار میں
آوے۔ عالم تہ و بالا ہو جاوے۔ میرا بلند بالا اُٹھ کھڑا ہو۔ تو فتنۂ قیامت اُٹھاوے۔
اُس کے کوچے کی خاک ہو جاؤ تاکہ تم سروں کے تاج ہو جاؤ۔ اُس کے پامال بنو تاکہ
اہلِ نظر کی آنکھوں کا سرمہ کہلاؤ۔ ایسا دل لاؤ جسے وہ پسند کرے ایسی جان پیدا کرو جو
اُس سے پیوند کرے۔ کسی اپنے سے بہتر کے ہاتھوں میں ہاتھ دو۔ کہ اسی سے یہ
منزلِ دشوار ہاتھ آتی ہے۔ خبردار ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھیو کہ ہاتھ پانو توڑ کر بیٹھ

رہنے سے راہ پست ہو جاتی ہے۔

(نکتہ) اے یارِ عزیز، موت ایک عجیب تبدیلی ہے جو پیش آنی ہے، اپنے احتساب سے غافل نہ رہو، یعنی اپنے تئیں دشمن کی نگاہ سے دیکھو کہ یہی دوستی جانی ہے، حال جانِ ہوشیار بدن سے مفارقت کے بعد ایسا ہے جیسے کوئی مست ہو معشوق در کنار۔ چونکہ اُس عالم میں تجدّدِ امثال نہیں ہے، ایک طویل مدت کے بعد جب وہ مستی جسے دنیا کی لگاوٹ کہیئے زائل ہو جاتی ہے تو دفعتاً لذّتِ وصل حاصل ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے اُس ناآگاہ کی جان پر جو اس دنیا سے دور ہو جائے اور اُس عالم سے کوئی نسبت قائم نہ کر پائے۔ پھر وہ متأسّف رہتا ہے اور ملال و مسرت کی انہیں دو کیفیتوں کو عارف بہشت دوزخ کہتا ہے۔

(موعظۃ) "اے یارِ عزیز! دل اگر درد آشنا ہے تو بہتر ہے، غم اگر دل گداز ہے تو شایستہ تر ہے۔ (درویش) دلِ محزوں تلاش کرتے ہیں شایستۂ طرب نہیں! جانِ دردمند چاہتے ہیں درماں طلب نہیں۔ رُوے نیاز اُس کی طرف لاؤ جو بے نیاز ہے، سب کام اسے سونپ دو جو کارساز ہے، گوشہ نشین ہو جاؤ اور توکّل کرو، اپنے اندر کھو جاؤ اور غور و تامّل کرو، اگر جان میں نیازمندی پیدا ہو جائے تو عنقا ہے۔ دل اگر گداز ہو جائے تو کیمیا ہے۔ (لمصنفہ)

مدّعا نایاب، وراہِ جستجو دور و دراز | پا بدامن ہم نشین، ناچار می باید کشید[1]

(نکتہ) اے یارِ عزیز، وہ یکتا پیر ہن معشوق، جس رنگ میں چاہتا ہے نمودار ہو جاتا ہے، کبھی پھول ہے، کبھی رنگ، کہیں لعل ہے، کہیں سنگ۔ کچھ لوگ پھول سے جی خوش کرتے ہیں، بعض رنگ پر مرتے ہیں۔ ایک جماعت لعل کو معبود جانتی ہے، دوسری پتھر کو خدا مانتی ہے۔ خبردار! یہاں لغزش کا اندیشہ ہے ایسی آنکھ چاہیئے جو

---

[1] ترجمہ: مدعا نایاب اور رہِ جستجو بہت دراز ہے اس لیے اے ہم نشیں ... [illegible]

اُس کے غیر پر نہ کھلے، وہ دل ہو کہ کسی اور پر نہ ڈھلے۔ دشمن اور دوست سب اُسی سے ہیں، کیونکہ دل تصرف میں اُسی کے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی دونوں اُسی کے مظہر ہیں، مست اور ہوشیار سب اُسی کے رہ سپر ہیں۔ محراب اُس کی ابرو سے پیدا ہوئی ہے اور مے خانہ اُس کی آنکھ سے ہویدا۔ زاہدانِ مناجاتی عبادت و طاعت کا ثواب کماتے ہیں۔ زاہدانِ خراباتی جام لنڈھاتے ہیں۔ محراب میں سر نیہوڑا کر جاؤ، خرابات میں رندانہ وضع سے آؤ یعنی ہر موقع کی رعایت لازم رکھو اور ہر مرتبے کا پاس دکھاؤ۔

(نکتہ) اے یارِ عزیز، ہستیِ واجب (خدا) دلیل و برہان کی محتاج نہیں ؎

ہر کہ بر حق دلیل می گوید بچراغ آفتاب می جوید[1]

بس سورج نکلا اور دن پھیل گیا۔ اگر کوئی مالک نہ ہو تو آسمان گر پڑے اور پہاڑ کھڑا نہ رہ سکے، نہ سورج تابش کرے، نہ چاند گردش، نہ آگ جلائے، نہ ہوا نہائے، نہ بادل برسے، نہ بجلی تڑپے، نہ پانی بہے، نہ گھاس اُگے، نہ پھول کھلے، نہ چمن ہنسے، نہ پھل پھلے، نہ پیڑ جمے۔

حق سبحانہ تعالیٰ جسے کریم کہتے ہیں، اِس صفت کے غلبے پر نظر کر کے سر رشتۂ بندگی ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے کہ وہاں تو صاحبی ہے، جب وہ نوازتا ہے تو خاک کو آدمی بنا دیتا ہے اور جب بے نیازی پر آتا ہے تو آدمی کو خاک میں ملا دیتا ہے! ہمارے پیغمبر (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جن کی شان میں ہے[2] "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ" (اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) تمام تمام رات نماز پڑھتے اور اتنا قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک سُوج جاتے تھے۔ دیکھنے والے کہتے تھے "یا رسول اللہ آپ اتنی ریاضت کیوں فرماتے ہیں، آپ نے تو سارے عالم کو بندِ غم سے نجات دلا دی ہے"

---

[1] (ترجمہ) جو خدا کے وجود پر دلیلیں بیان کرتا ہے وہ گویا سورج کو چراغ لے کر تلاش کرتا ہے [2] میر نے "درشانِ اوست" لکھا ہے جس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیتِ قرآنی ہے، اِسے حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے لیکن اکثر علماے حدیث نے اِسے موضوع بتایا ہے (الشوکانی : اللآلی المصنوعہ)

(حضور اکرمؐ) تبسم فرماتے اور ارشاد ہوتا: "کیا کریں ہم تو بندے ہیں!" —— تو میرے عزیز! بندگی اور صاحبی کا رشتہ بڑا نازک ہے۔ بندگی لاؤ تاکہ اپنے آقا کے سامنے شرمندگی نہ اُٹھاؤ۔"

یہاں تک بات پہنچی تھی کہ شہر کے صوبہ دار کا چوبدار آیا اور اُس کا سلام پیش کرکے کہا کہ نصرت یار خاں[1] قدم بوس کے لیے حاضر ہو رہا ہے۔ درویش نے فرمایا: "خیر اچھا! ہر چند وہ فقیروں سے ملاقات کا منھ نہیں رکھتا لیکن مجھے اُس سے شرم آتی ہے کئی بار لوٹ کر جاچکا ہے۔ اگر اس بار بھی واپس جائے تو خدا جانے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو پائے۔" جب (صوبہ دار) دروازے پر آیا تو ہاتھی سے اُتر کر دوڑا، شرف پابوسی سے سرفراز ہوکر پانچ اشرفیاں نذر کیں۔ (احسان اللہ نے) فرمایا: "خوب آئے، خوش رہو۔" (صوبہ دار نے) عرض کیا: "زہے قسمت کہ میں نے آپ کی خدمت میں بار پایا اور خواہشِ دل کے مطابق دیدار پایا۔" درویش کا التفات دیکھا تو التجا کی کہ "کبھی کبھی اِس روسیاہ کو نوازتے رہا کیجیے۔" فرمایا: "دل قوی رکھو، تمھیں اعتبار ملا ہے، یعنی خدائے عزوجل کی طرف سے اِقتدار ملا ہے۔ اغلب کہ وہاں سُرخرو پہنچو۔ اِس نعمت کے شکر میں بےکسوں کو نوازیو، یعنی بے مروّت نہ بنیو، اور انھیں ذلیل نہ کریو، خدا سے شرم کرتے رہیو، اینڈیو مت، غریبوں کے کام میں کسی کا منھ مت دیکھیو، خبردار بےکسوں سے منھ نہ موڑ لیو، ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن منھ نہ دکھا سکو۔ اچھا اب

---

[1] سید نصرت یار خاں سادات بارہہ میں سے تھا۔ عہدِ محمد شاہی کا ہفت ہزاری منصب دار تھا۔ ... رکن الدولہ خطاب تھا۔ یہ سید قاسم بارہہ (شہامت خاں) کا برادر زادہ تھا (مآثر الامرا) تقریباً ساٹھ سال کی ... ۲۲ رمضان ۱۱۴۴ھ کی شب کو دہلی میں انتقال کیا (تاریخ محمدی قلمی نسخہ رام پور) کا موخوں کی تاریخ نسخہ پٹنہ میں بھی یہی تاریخ ہے اور یہ لکھا ہے کہ اُس کی نعش پٹنہ بھیجی گئی تھی۔ اس میں عظیم آباد کی صوبہ داری کا بھی ذکر ہے۔ (بحوالہ معاصر ۸/۲۰۹)

نصرت یار خاں میر کی ولادت سے ایک سال پہلے مر چکا تھا اور اس کے صوبہ دار آگرہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا میر یہ واقعہ تقریباً ۱۱۴۴ھ کا لکھ رہے ہیں۔ یا تو انھیں صوبے دار کا نام یاد رکھنے میں تسامح ہوا، ورنہ "حافظہ نباشد" والا معاملہ ہے۔

جاؤ کیوں کہ یہ یارِ عزیز (میراماں اللہ کی طرف اشارہ) شیشہ جان اور نازک مزاج ہیں اور میں اِن کی پاس داری کرنے میں لاعلاج"۔ صوبہ دار نے غریبانِ خاکسار کی طرح اپنا چہرہ زمین پر مَلا اور فقیر کی چوکھٹ کو بڑے اعتقاد سے چوم کر چلا۔

احسانُ اللہ کی وفات

اتنے میں ایک گوییّے کا لڑکا، گھونگھریالے بال، کتابی چہرہ، عُودی رنگ، خوش گلو، کندھے پر طنبورہ، کانوں میں سونے کے بالے، اُس راہ سے گزرا، فقیر کی نظر اُس پر پڑی، بے اختیار دل دے بیٹھے۔ میرے چچا سے فرمایا: "اِسے بلاؤ اور بٹھاؤ"۔ جب وہ لڑکا آکر بیٹھا تو خود بخود آمدی قبلان کا یہ شعر بھیر دیں ہیں، جو ایک راگنی ہے، اور بے وقت اُلاپی جاتی ہے، گانے لگا:

بیا کہ عمرِ عزیزم بہ جستجوے تو رفت زدل نہ رفتی وجانم درآرزوے تو رفت [1]

درویش کو وجد آگیا اور بہت محظوظ ہوئے۔ اُس سے کہا: "اے عزیز آج رات فقیر کے ہاں رہ جاؤ اور جو چیزیں تمھیں آتی ہوں بطورِ خود سناؤ"۔ لڑکے نے عرض کیا: "یہ تو میرے لیے سعادت اور مجھ پر منّت ہے"۔

چونکہ شام ہو چلی تھی، ہمیں رخصت کر کے دروازہ بند کر لیا اور یادِ الٰہی میں بیٹھ گئے۔ پھر سُنا گیا، کہ جب فقیر نے عشار کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اشرفیوں کو تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ اُس سیاہ دل گوییّے نے تاڑ لیا، تھوڑی دیر کے بعد بازار گیا، وہاں سے ایک پیالہ دودھ میں زہر ملا کر لایا اور سرِ ہو کر درویش کو پینے کے لیے دیا، دودھ کا پینا تھا کہ درویش کی حالت دگرگوں ہو گئی، اُنھوں نے ہاتھ پانو پھینکنے شروع کیے، یعنی زہر اپنا کام کر گیا! وہ سنگ دل ناہنجار اشرفیاں اُٹھا کر چلتا بنا۔ آدھی رات کو درویش کی دل خراش آہ آہ نے ہمسایوں کی نیندیں اُڑا دیں۔ گھبرا کر دوڑے تو (درویش کو) جاں بلب پایا۔ کچھ لوگوں نے اُس عیّار کو بہت ڈھونڈھا مگر وہ رات کی تاریکی میں ایسا چھپ

---

[1] (ترجمہ) اے محبوب آجا، کہ میری عمرِ عزیز تیری جستجو میں گذر گئی، میری جان بھی تیری تمنا میں نکل گئی مگر تیری یاد دل سے نہ نکلی!

گیا کہ کسی کو نظر نہ آیا۔ جب رات آخر ہونے آئی تو درویش نے دنیا سے آنکھ چرائی اور جانِ شیریں بڑی تلخی سے سپرد کی۔ شہر کے سرکردہ لوگ انتہائی رنج و ملال کے ساتھ اُن کے جنازے میں شریک ہوئے اور اُن کی وصیت کے مطابق فقیر کے تکیے میں دفن کر دیا۔ اب تک وہ جگہ زیارت گاہ عزیزاں ہے[1] (المصنفہ) ؎

فلک زین گونہ خون بسیار کردست　　عزیزان را بسے آزار کردست[2]

اِس اوچھے آسمان کے غمزے نئے نئے ہیں اور نخرے نرالے! آئے دن خاک نشینوں کو ستاتا ہے، ہر شب نیا فتنہ اُٹھاتا ہے، کسی کی زہر ہلاہل سے جان گنواتا ہے، تو کسی کو تیغ ستم سے گھایل کر کے خاک میں لٹاتا ہے۔ محبت کے متوالوں کو چاہیئے کہ اس کی گردش سے نچنت نہ رہیں تاکہ سختی نہ اُٹھائیں اور اپنی راہ سے بھٹک نہ جائیں۔

بایزیدؒ (حکایت) میرے چچا کو درویشوں کی صحبت میں جانے کا ذوق اور ان جگر ریشوں سے ملنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک دن کسی سے سُنا کہ بایزید نامی ایک فقیر سرائے گیلانی کے قریب، جس کی عمارت سیلاب نے بہا دی تھی، ایک حجرے میں جو عاشقوں کے دل کی طرح ہزار رخنے رکھتا تھا، پڑے رہتے ہیں اور وہ قابلِ زیارت ہیں۔ جب اُس فقیر کا پتا مل گیا تو دل کا اشتیاق بڑھا اور ہر چیز سے جی اُچاٹ ہوگیا۔ مجھے چھوڑ کر بھاگم بھاگ گئے۔ دیکھا ایک جوان ہے، بلند بالا، نہایت بے پروا، گویا فرشتہ اس دنیا میں اُترا ہے، نہیں نہیں بلکہ جانِ آدم اُس کے آگے کیا ہے، پتھر کا تکیہ، خاک کا بچھونا، ہر وقت ہلاک ہونا، شکستہ دل، کشادہ رو، سوختہ جاں، فتیلہ مو، دلدادہ، خاک اُفتادہ، توکل پسند، اور مقصودِ دلی سے بہرہ مند۔ اگر کوئی خوش چشم اُن کے سامنے سے نکلتا تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے، کسی سے نہ ملتے، بے کسانہ جیتے تھے۔ اکثر اوقات آنکھیں موندے رکھتے، دل کو خدا کے دھیان پر نہ چھوڑتے، روٹی سے مُنہ موڑتے اور حلق پر پانی کی بندش

[1] لیکن اب اس جگہ کا کوئی نشان نہیں ملتا نہ کسی اور کتاب میں حوالہ دیکھا گیا۔ [2] ترجمہ: آسمان نے ایسے کتنے ہی خون کیے ہیں اور خدا کے پیاروں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔

رکھتے تھے، سخت کوش اور باریک بین تھے۔ قلندرانہ پوشش رکھتے تھے۔ (چچا سے) پوچھا "کیا نام ہے؟ اور کہاں کے ہو؟ دردمند اور عاشق پیشہ دکھائی دیتے ہو"۔ (چچا نے) کہا: "اسی شہر میں رہتا ہوں، مجھے میر امان اللہ کہتے ہیں"۔ فرمایا: "بیٹھ جاؤ، کچھ دیر خوش وقتی کرلیں"۔ چچا کہتے تھے جب بات چلی تو (بایزید) بولے کہ "اے عزیز، میں نے بڑے پاپڑ بیلے ہیں، بہت رنج جھیلے ہیں، اپنے تئیں رمایا ہے، بہت کوچوں میں گھمایا ہے، ابر کی طرح گھرا ہوں، برق کے مانند گرا ہوں، ایک عمر سرگرداں رہا، ایک مدت دل پریشاں رہا، کچھ دن با چشمِ تر پھرا، آوارۂ دشت و دَر پھرا، کتنی راتوں کو نہ سویا، کتنے دنوں کسی سے بات نہ کی، کبھی ہاتھ امیروں کے دامن پر مارا کبھی سر فقیروں کے مسکن پر، تب کہیں اس شوخ چشم کا مجھ پر گذار ہوا، اور وہ میرے حالِ تباہ سے خبردار ہوا ؎

دیر بر سر آن غزالِ دوُر گرد آمد مرا
از طپیدن ہائے دل پہلو بدرد آمد مرا[۱]

اگر تم چاہتے ہو کہ اُس کی راہ میں سختی جھیلنے والے شمار کیے جاؤ تو چاہیئے کہ فولاد کا دل اور پتّھر کا کلیجا لاؤ۔

(سخنانِ غریب) اے عزیز اگر وہ بانکا چھبَ والا آنکھوں کے سامنے ہے، تو یہی بہشتِ جاوید کا عالم ہے، اگر وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو یہی عاشقِ نا امید کا جہنّم

---

[۱] (ترجمہ) بڑی دیر کے بعد وہ غزالِ رمیدہ (محبوب) میرے پاس آیا، کہ دل کے تڑپنے سے میرا پہلو بھی درد کرنے لگا تھا۔ (میرزا رضی دانش) میر رضی بن میر ابو تراب رضوی مشہدی شاہ جہاں کے عہد میں ہندستان آیا اور دربار میں باریاب ہوا۔ دارا شکوہ نے ایک بار صرف اِس شعر پر ایک لاکھ روپیہ دیا تھا:۔

تاک را سرسبز کن اے ابرِ نیسان در بہار قطرۂ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

پھر بنگالہ میں شہزادہ محمد شجاع کے ساتھ رہا وہاں سے دکن کو ہجرت کی اور عبداللہ قطب شاہ کا مقرب رہا۔ رضی کے والد میر ابو تُراب بھی شاعر تھے۔ فطرت تخلص تھا۔ سنہ ۱۰۶۰ھ میں حیدرآباد جاکر انتقال کیا اور دائرہ میر محمد مومن میں مدفون ہوئے۔ سنہ ۱۰۷۲ھ میں عبداللہ قطب شاہ نے میر رضی کو اپنی طرف سے زیارتِ عتبات کے لیے مشہد کو رخصت کیا۔ میر رضی نے سنہ ۱۰۷۶ھ میں انتقال کیا۔ (سرو آزاد/ ۸۷۔۸۸ و خزانۂ عامرہ/ ۲۱۷)

ہے۔ جان رکھو حقیقت کا اُور چھور نہیں ملتا۔ یعنی ہمیں کچھ پتا نہیں۔ کیا جانے زاہدانِ ریاضت پیشہ کیا ٹھانے ہوئے ہیں۔ اور اُس مستِ سرانداز کے متوالے کیا جانے ہوئے ہیں! ایک جماعت کو خواہش کی خلش ہے تو دوسری کو کاہش کی کاوش۔ مگر جو حق شناس ہیں، وارستۂ امید و یاس ہیں۔ وہ عزیز جو خدا کے ہوگئے، اُس کی رضا میں کھوگئے۔ عاشقوں کی جان کو تلخیوں سے ضرور پالا پڑا ہے، مگر اُن کا خون میٹھا بڑا ہے (یعنی وہی لذت اندوز بھی ہیں) رنج کو گوارا کرو کہ اپنے تئیں شایانِ راحت بنا سکو۔ کڑیاں جھیلو کہ بفراغت یہاں سے جا سکو۔ اِس دنیا سے دل اُٹھانا اچھا ہے، اگر معرفتِ حق میسّر نہ ہو، تب بھی یہ کیا بُرا ہے؟ دنیا کی عمارت ڈھے جانے والی ہے۔ اِس کی بنیاد وہم پر مطلق ہے۔ یہ نیلے گنبد والا آسمان گر جانے والا ہے کیونکہ ہوا میں مُعلّق ہے۔ اگر مقصود تک پہنچنا چاہو تو کسی دل میں راہ کرو اور جو کچھ خدمت تمھارے دستِ کوتہ سے بن پڑے، للہ کرو۔ اگر تم دریا کے شناور ہو، تہہ تک نہیں پہنچ سکتے، تو خیر کنارے پر رہو، یعنی اگر اک دم اپنے ہلاک پر قادر نہیں ہو تو جان دینے کو آمادہ اشارے پر رہو! خود کو دیر و مسجد کی قید سے بچاؤ یعنی خدا کے بنو اور سب جگہ جاؤ!

(فائدہ) عارفوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک جماعت کے لوگ نقشِ دیوار ہیں، گویا بے زبان ہیں، یعنی اُس پُرکار کی صنعت گری و تازہ کاری کے حیران ہیں، جو کچھ اُنھوں نے دیکھا ہے، دیکھا ہے، جو سمجھا ہے، سمجھا ہے! — دوسری جماعت کے لوگ بادام کی طرح زبانِ مغزدار رکھتے ہیں یعنی معشوق کی چشمِ سخن گو کے اشارے پر رکھتے ہیں جب وہ اس کے انکھڑیاں لڑانے کے طور دکھاتے ہیں، یہ ادا رنگ سخن زبان پر لاتے ہیں اور یار کے پلک جھپکانے کی ادا سو سو طرح بتاتے ہیں۔ چنانچہ اُس مستِ ناز کے کمالات حدِ شمار سے بڑھ کر ہیں تو اس بے خود کے کلمات بھی دائرۂ بیان سے باہر ہیں!

پہلی ملاقات تھی، جلد ہی ختم ہوگئی۔ فقیر کو اس سے زیادہ زحمت دینا مناسب

نہ سمجھا؛ (چچانے) میرے والد کی خدمت میں آکر، اُن کا سارا احوال بیان کیا۔
انھوں نے کہا ع "ہر گُلے را رنگ و بُوے دیگر است" ہم مشرب درویش کہاں میسّر آتے ہیں، انھیں دیکھنے کے لیے اکثر جایا کرو۔"

دوسری مُلاقات ایک دن عصر کی نماز کے بعد اُن سے ملنے گئے، اور مجھے بھی لیتے گئے۔ درویش نے بڑی شفقت سے مجھے بلایا، اور عزّت سے اپنے سامنے بٹھایا، میں تو کم سن تھا، چچا سے مخاطِب ہوئے اور میرے بارے میں دریافت کیا۔ چچانے بتایا: "یہ علی متّقی کا فرزند ہے۔" فرمانے لگے: "اوہ پھر تم سے کیا پوچھنا، اِس بچّے کا باپ تو بڑا دانائے اسرار ہے۔ خورشیدِ آسمانِ درویشی مشہورِ جہاں، بلکہ جانِ درویشی؛ جس کی تہ سے موتی نکلتے ہیں، ایسا دریا ہے۔ ہم تو پھکڑ ہیں ہم فقیروں کے پاس کیا دھرا ہے۔ صاحبزادے میری طرف سے سلامِ نیاز کے بعد کہنا کہ یہ شوقِ بے پایاں کی کوتاہی نہیں، (جواب تک خدمت میں حاضر نہ ہوسکا) بلکہ شکستہ پائی نکلنے نہیں دیتی اور قسمت بھی کچھ ہیٹی ہے جو چاہتی ہے کہ اِس خرابے سے قدم باہر نہ نکالوں، آپ بڑے پورے قلندر ہیں ہم آپ کی نسبت کمتر ہیں، اس بے سرو پا کے لیے، کبھی وقت مُساعد ہوگا تو ہاتھ اُٹھایئے دعا کے لیے۔

پھر بات کا رُخ بدل دیا اور عمِّ بزرگوار کو مخاطَب کیا کہ "اے عزیز! ہمہ تن گوش ہوجاؤ فقیروں کی بات پر دھیان جماؤ۔"

(نکتہ) "ہماری عبادت ہمارے ہی لیے ہے، وہاں تو خدائی ہے کسے پَروا ہے، ہماری بندگی یہی نہیں کہ اپنے اُوپر پھول جائیں اور خدا پر بھروسا کر کے بھُول جائیں کہ اگر قبول کرلیں تو گراں بارِ احسان ہیں۔ ارے ہم تو بندے ہیں، اگر کوئی نہ پوچھے تب بھی اس کے سوا نہیں کہہ سکتے کہ پشیمان ہیں۔ یہ جو نفس نے تمھیں بہکا رکھا ہے کہ تم بھی کچھ ہو محض شُومی ہے اور جب اپنی حقیقت کو خوب جانوگے تو نِری محرومی!

وہ سروِ ناز اپنی ہی خوش خرامی پر قربان ہے اور اُس کی تجلیاں ہزار رنگ میں پیدا و پنہاں، تم نے کیا بُوجھا ہے، کیا ٹھہرایا ہے، کیا سوچا ہے، کس سے دل لگایا ہے؟ کبھی وہ فتنے جگاتا ہے، کبھی عزّت دلاتا ہے۔ زینہار! کسی دل کو ٹھیس نہ لگائیو، جفا کاری اپنا شعار نہ بنائیو، دل کا عرش اس لیے نام ہے کہ وہ خاص اُس ماہ کا مقام ہے ؎

نیازارم زخود، ہرگز دلے را　　　　کہ می ترسم درو جائے تو باشد[1]

(نکتہ) اے عزیز، وہ محبوب، محبّت پسند ہے یعنی عاشقوں کا دوست دار اور اتنی بے نیازی کے باوجود اُن کے حال سے خبردار۔ وہ جب مراقب ہوتے ہیں تو دل میں جلوہ گر ہے، جب آنکھیں موندتے ہیں تو پیشِ نظر ہے۔ جس در سے یہ چاہتے ہیں وہ آتا ہے، جس رنگ میں یہ ڈھونڈھتے ہیں وہ جلوہ دکھاتا ہے۔ رنج اور خوشی اُن کے احوال کی تابع ہے، اگر خوش ہوتے ہیں تو گرفتگی اس چمن سے دُور ہو جاتی ہے، کُڑھتے ہیں تو کلی بھی نہیں مسکراتی ہے۔ مگر اُن کی باتیں جگ سے نرالی ہیں، کہ معشوق پہلو میں اور دل خوشی سے خالی ہیں۔ کبھی کھوج میں ہیں کبھی سوچ میں۔ قرار نہیں پکڑتے تسلّی نہیں ہوتے خدا ہی جانے کہ وہ خدا سے کیا چاہتے ہیں، کوئی خواہش نہیں اور گُھلے جاتے ہیں!

(حکایت تمثیلی) کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کال پڑا جانیں ضائع ہونے لگیں۔ لوگوں نے کہا: "اے موسیٰ جناب باری میں عرض کیجیے کہ بارش نہیں آتی اور خلق خدا مصیبت جھیلنے کی تاب نہیں لاتی، مفت ہلاک ہوتی ہے اپنی جان کھوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے اور التجا کی۔ جواب ملا: "فلاں گھورے پر ایک مجذوب پڑا ہے، میں اُس کی بڑ پسند کرتا ہوں، لیکن کچھ دنوں سے وہ

[1] (ترجمہ) میں اپنی جانب سے کسی کے دل کو آزار نہیں پہنچاتا، ڈرتا ہوں کہ اس میں تیرا مسکن ہوگا! یہ شعر نظیری نیشاپوری کا ہے۔ شبلی کا کہنا ہے کہ نظیری کے قیام کاشان کے زمانے میں طرحی مشاعرے ہوتے تھے جن میں ایک بار طرح دی گئی تھی: جائے تو باشد، آرائے تو باشد اور 'جائے' کے قافیے میں سب سے بہتر شعر نظیری کا ہوا تھا (محولہ بالا) نظیری اُن دنوں نوجوان تھا۔ (شعر العجم ۳/ ۱۲۰)

آسمان کی طرف رُو نہیں کرتا، اور پہلے جیسی گفتگو نہیں کرتا، پانی برسنا اُس کے بولنے پر موقوف ہے۔

جب اُس بارگاہ سے یہ جواب سُنا تو اُسی گھورے کی طرف لپکے اور اُس گدڑی پوش کو پالیا۔ دیکھا کہ ایک مردِ مٹّی کے ڈھیے پر لیٹا ہوا ہے، بدن سے اُس نے سیاہ کمبل لپیٹا ہوا ہے، سراپا ذوق، مستغرقِ دریاے شوق، دیوانِ تجرید کا شعر یکتا، جریدۂ تفرید کا فردِ بے ہمتا (حضرتِ موسیٰ سے) دو چار ہوتے ہی حرف زن یُوں ہوا: "اے موسیٰ اس گھُورے پر تمھارا گذر کیوں ہوا؟ کاہے سے دل لگا نا ہوا جو اِدھر آنا ہوا۔" (حضرت موسیٰ نے) فرمایا: "پانی بند ہے، کسی کی دعا کارگر نہیں ہوتی اور خلق سے زندگی بسر نہیں ہوتی، میں نے جنابِ باری میں التجا کی تھی، معلوم ہوا کہ تم نے سکوت اختیار کرلیا ہے اِس لیے انقباض ہے۔ جب تک عادتِ قدیم کے موافق باتیں نہ کروگے، بادلوں کو ہوا نہ لائے گی اور بارانِ رحمت نہ برسائے گی، خدا کے لیے ذرا آسمان کی طرف منہ اُٹھا لو اور اس بلا کو ٹالو۔"

(اُس مجذوب نے) کہا: "اے موسیٰ وہ فریبی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہے اور آپ نے میری طرح اُس کی محبّت میں دل نہیں گنوایا ہے، اُس عیّار کی باتیں پہلو دار ہوتی ہیں اور اُس کی اشارتیں دل کو سو جگہ ڈبوتی ہیں، استغفر اللہ میں اُس کے بہکائے میں کیوں آؤں گا، ہاں اُس کے رسولؑ کا پاس نہ کروں تو کافر ہو جاؤں گا، اِس لیے کہ کہتے ہیں:

با خدا دیوانہ باش و با نبی ہُشیار باش!

غرض کہ اُس عشقِ مطلق کے گرفتار، اور کمالاتِ حق کے حیران کار نے آسمان کی طرف مُنھ اُٹھایا، اور حسبِ عادت بڑبڑایا کہ: "اے سراپا فریب، اے دشمنِ شکیب! پہلے تو بادل، ہوا، بارش سب تیرے اِشارے پر تھے، اب یہ میرے فرماں بردار ہو گئے! کہ میں کہوں گا تو ہَوا چلے گی، بادل آئیں گے، بارش ہوگی! ہاں تو سچّا ہے، بھلا تیرا کیا اختیار؟

اس کارخانے کا چلانے والا تو میں ہوں! یہ فریب چھوڑ دے جا مخلوق پر رحم کھا!" دو تین بار ایسی ہی بڑ ہانکی ہوگی، کہ ناگاہ ہوا کے جھونکے آئے اور خوب گھنے بادل چھائے، پھر تو ٹوٹ کے برسے۔

اے عزیز، کون معشوق اپنے عاشق کا اتنا پاس کرتا ہے؟ افسوس ہے اگر تم اُس سے تعلّق پیدا نہ کرو، اور اُس سرمایۂ جان کی طلب میں نہ مرو۔ دل اگر اُس کے لیے خون ہو جائے تو اچھا، اور جان اُس کی طلب میں کھو جائے تو اچھّا۔ اپنے تئیں اس کے رنگ میں یوں رچاؤ کہ تم وہ بن جاؤ اور ایسے کھو جاؤ کہ پھر نظر نہ آؤ۔ رباعی

زِ دل بخیالِ زلف و رُو باید داد   زِ جاں بہوائے رنگ و بُو باید داد

این جا دل را چہ قدر و جان را چہ محل   خود را ہمہ اُو کردہ باو باید داد[۱]

اتنے میں عصر[۲] کا وقت ہو گیا، ہم اُٹھے اور اُن کے ساتھ نماز پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور فرمایا: "اے میر امان اللہ، آج میں نے وہ چیز کھائی ہے جو کبھی نہیں کھائی تھی اور اتنی لذیذ غذا کبھی ہاتھ نہیں آئی تھی۔" میرے چچا کچھ بے تکلّف ہو گئے تھے کہنے لگے: "شاہ صاحب مبالغے کی بھی حد اور تکلّف کی انتہا ہے، آپ کا جسم تو فاقوں کے بوجھ سے خم ہے، پیٹ سے قناعت کا پتّھر بندھا ہے، ایک گھونٹ پانی سو جتن سے ملتا ہے، انتہائی افلاس کا عالم ہے، ہر روز مرنے کو کھڑے ہو، اس حالِ تباہ سے اس ویرانے میں پڑے ہو، کہاں لذیذ کھانا، کہاں آپ! جائیے زیادہ باتیں نہ بنائیے!"

(درویش نے) کہا: "واللہ کہ میں بڑ بولا اور زیٹ ہانکنے والا نہیں ہوں، جہاں

---

[۱] (ترجمہ) نہ تو دل زلف و رخ کی یاد میں دینا چاہیئے، نہ جان، رنگ و بو کی ہوس میں گنوانی چاہیئے یہاں دل کی کیا قدر، اور جان کا کیا موقع ہے؟ خود کو سراپا محبوب (عین ذات) بنا کر اُسی کو سونپ دینا چاہیئے (یعنی ہستیٔ محبوب میں ضم ہو جانا ہی عشق کا کمال ہے۔) [۲] عصر کی نماز تو پڑھ کر گئے تھے، دوبارہ کیسی؟ نسخۂ لاہور میں "نمازِ مغرب" ہے، اور یہی صحیح ہے۔

جھوٹ کا احتمال ہو وہاں جھانکنے والا نہیں ہوں۔ سنو! صبح سے بھوک کی دَوڑن لگ رہی تھی اور نفسِ شُوم بیسیر جلی بلّی کی طرح بے قرار تھا، یعنی چاہتا تھا کہ شہر جاؤں، اور کس و ناکس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، لیکن میں پتھّر سرہانے دھرے لیٹا رہا اور غیرت کی حفاظت میں دل پر جبر سہا۔ کہ اتنے میں ایک چوہا آدھی سوکھی روٹی منھ میں دبا کر لایا اور اِس حجرے میں جو دلِ عاشق سے زیادہ شکستہ ہے، آیا۔ میں بظاہر تو فاقہ کشی سے گربۂ مسکیں ہوں، لیکن باطن میں شیر ہوں، ایسا نہیں ہوں، اُس نے مجھے دیکھا تو وہ آدھی روٹی چھوڑ کر بھاگ گیا، میں نصف دل خوش اُٹھا، اور وہ ٹکڑا لے آیا۔ لیکن پانی نہ تھا کہ اُسے پاک کرتا۔ کسی خضر کے انتظار میں بیٹھ گیا، ذرا دیر بعد سقّے کی آواز میرے کان میں آئی، اپنا بے ہتھے کا کوزہ لے کر گیا، اور پانی لایا، اس آدھی سوکھی روٹی کو دھو کر پانی میں بھگویا اور کھایا۔ خدا شاہد ہے کہ اُس نے جنّت کی نعمتوں کا مزہ یاد دلایا۔ میرے عزیز، فقیروں کی باتوں میں بناوٹ یا مبالغہ نہیں ہوتا، وہ شیخی خورے آسمان کے شاگرد نہیں ہیں جو بے پیندے کے بدھنے بناتا ہے۔ اِس گروہ کی صحبت میں پھبتی کسنا، اپنے پانوٗں آپ کلہاڑی مارنا ہے، زبان کو لگام دے کر رکھو، کیونکہ درویشوں کی شکر رنجی بے ادبوں کا شربتِ شہادت بن جاتی ہے۔“

چچا کو اس خطاب سے ندامت ہوئی اور اپنی بکواس کی معذرت چاہی، جب تنبیہ ہوگئی تو اُسی عنایت سے فرمانے لگے: ”اے عزیز، میں تمھیں جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، لیکن یہ تنبیہ ضروری تھی کیونکہ گستاخانہ بات منھ سے نکالنا آدابِ درویشی کے خلاف ہے۔“ اِنھیں باتوں میں رات ہوگئی، ہم نے اجازت چاہی، فرمایا: ”خدا حافظ!“ وہاں سے آکر ہم والد صاحب کی خدمت میں گئے اور درویش کا سلام و پیام پہنچایا، فرمایا: ”اُن کی عنایت ہے، اب اپنے چچا کے ساتھ جاؤ تو میرا سلام ضرور کہہ دینا۔“

بایزیدؒ کی وفات (تیسری ملاقات) ہم اُن کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ بیمار ہیں، اور

ایک پہلو سے پڑے ہوئے کراہ رہے ہیں، جب میرے چچا پر نظر کی تو ایک ٹھنڈی آہ سرکی، اپنے سامنے بلایا اور شفائی[1] کا یہ شعر سنایا ؎

پرستارے نہ دارم بر سرِ بالینِ بیمارے ۔۔۔ مگر آہے، ازیں پہلو، بآں پہلو بگرداند[2]

(چچا نے) دریافت کیا: "کیا حال ہے؟ جو اتنا ملال ہے؟" کہنے لگے: "اے عزیز میرا سینہ ایسے پُھنکا جارہا ہے جیسے ۔۔۔ کوئی آگ بھڑکا رہا ہے، جو نالہ کر رہا ہوں اسی آگ کی لپٹ ہے جو آہ بھر رہا ہوں ۔۔۔ سی شعلے کی لپک ہے۔

من نمی دانم کہ دِل می سوزد از غم یا جگر

آتش افتادہ است در جائے و دودے می کند[3]

اگر موت میری فریاد سُن لے تو اسے جنت سمجھو، ورنہ یہ دوزخ ہے، جسے بداعمالیوں کی عقوبت سمجھو، اب تو جان کا نکل جانا ہی فتوح ہے کیونکہ سانس کی آمد و شد بھی سوہانِ رُوح ہے۔ رات کو بے خواب رہتا ہوں، دن کو بے تاب، کیا کروں کس میں دل دھروں کہ مر جاؤں اور چین حاصل کر جاؤں ؎

روزے بشب کنم بصد اندوہ ۔۔۔ سوز

شب را سحر کنم، بامیدِ کدام روز؟[4]

ہوا چلتی ہے تو اس آگ کو بھڑکاتی ہے، پانی پیتا ہوں تو تیل کا کام کرتا ہے، کوئی دوا موافق نہیں آتی، کوئی تدبیر پیش نہیں جاتی، اگر مجھے چمن میں لے جاؤ گے

---

[1] شرف الدین حسین شفائی حکیم ملا کے فرزند اور مشہور طبیب تھے شاہ عباس صفوی کے دربار میں ۔۔۔ قرب پر فائز تھے۔ ان سے ایک قرابادین بھی یادگار ہے۔ رمضان ۱۰۳۰ھ میں انتقال کیا۔ ایک دیوان اور چند مثنویاں شعری تصانیف میں ہیں۔ (سروِ آزاد ۔۔۔)

[2] (ترجمہ) بیماری میں میرا کوئی خدمت گار بھی نہیں ہے، بس ایک آہ ہے جو اس پہلو سے اس پہلو کو پلٹا دیتی ہے! (حکیم شرف الدین شفائی) [3] (ترجمہ) میں نہیں جانتا۔ دل غم سے پُھنک رہا ہے یا جگر، بس ایسا ہے جیسے کسی جگہ آگ جا پڑی ہے اور وہ دھواں دے رہی ہے۔ (سائر شہدی) [4] (ترجمہ) دن کو تو ایسی جاں سوز مصیبت کے ساتھ رات کرتا ہوں، اب رات کو کس دن کی اُمید پر صبح کروں؟

تب بھی اِس کُڑھن سے ہاتھ ملتا رہوں گا، عمّان میں پھینک دوگے تو بھی یُوہیں جلتا رہوں گا۔ کاش میرا سینہ چیر کر دل و جگر جلدی سے نکال دیں، یا مجھے یہاں سے لے جائیں اور زندہ ہی قبر میں ڈال دیں۔"

القصہ، اُس دل سوختہ و جگر کباب کا احوال زوالِ آفتاب تک اِسی طور رہا، کبھی دیوار کے سہارے کھڑا ہو جاتا، کبھی بیٹھتا اور گر جاتا، کبھی آنکھیں کھول کر مایوسی سے دیکھتا، کبھی ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا۔

ناگاہ میں نے کہا: "ظہر کا وقت ہوگیا۔" (درویش نے) بڑے خُشوع و خُضوع سے نماز ادا کی، سجدے میں سُبحانَ رَبّیَ الْاَعْلیٰ کہا اور قضا کی ؎

آتشِ عشقش بسے را سوختست
لیک زیں ساں کم کسے را سوختست [۱]

عمِّ بزرگوار نے چند نوکروں کے ساتھ اُن کی تجہیز و تکفین کا سب انتظام کرایا، حجرے میں جو دلِ عاشق سے زیادہ شکستہ تھا، دفنایا، یہ خبر سُن کر میرے والد نے نہایت افسوس کیا اور فرمایا کہ: "ایسا انسان صفت دیر میں پیدا ہوتا ہے، افسوس اُنھوں نے جانے میں جلدی کی۔"

(نقل) وہ دل سوختہ مرحوم ایک رات کو میرے چچا کے خواب میں آتے ہیں اور کہتے ہیں: "تم نے دیکھا؟ عشق نے مجھ میں کیسی آگ لگائی اور کیسا پھونکا۔ اب موت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ جب انھوں نے میری جان کی بے تابی دیکھی تو مجھے رحمت کے بے پایاں سمندر میں ڈال دیا، اور گوہرِ مراد سے ہم کنار کر دیا، یعنی مجھے کَل پڑگئی، آرام مل گیا، دل کی مُراد کے مطابق اس نِگارِ بہشت رُو کا وصالِ دوام مل گیا۔"

یہ واقعہ دیکھ کر میرے چچا کے دل میں وحشت سی پیدا ہوگئی، مدّت تک کسی شے

---

[۱] (ترجمہ) اُس کے عشق کی آگ نے بہتوں کو جلایا ہے، لیکن ایسا کسی کو کم جلایا ہوگا۔

سے مانوس نہ ہوئے۔ اکثر فرماتے: "بایزید عجب سوختہ جاں تھے، اُن کی جُدائی کا داغ میری چھاتی پر ہے جب تک زندہ ہوں، مٹ نہیں سکتا۔"

بر سبیلِ حکایت اُنھوں نے یہ خواب میرے والد سے بیان کیا، انھوں نے فرمایا: "کیا تعجب ہے؟ خداوند تعالیٰ کریم مطلق ہے۔ تم نے یہ قصہ نہیں سنا:؟

بایزید بسطامی کا قصہ

(حکایتِ تمثیلی) مشہور عارف، حضرت بایزید بسطامی[1] (رحمۃ اللہ علیہ) کا گھر ایک آتش پرست کے گھر سے ملا ہوا تھا، اور وہ اُسے چالیس سال سے جانتے تھے۔ وہ ہر صبح سویرے تختے پیٹ کر پوجا کیا کرتا تھا، اور یہ اُس سے فرماتے تھے کہ "اے ترسا، اس تختہ بجانے سے تیرے اُوپر جنّت کا دروازہ نہیں کھلے گا، اگر نجات کی خواہش ہے تو آ اسلام قبول کرلے۔"

ایک دن اُس کو خیال آیا کہ بایزیدؒ سنکی آدمی نہیں ہیں، چالیس سال سے (مجھے) اِسلام (قبول کرنے) کی دعوت دے رہے ہیں، (یہ بات) کسی فائدے سے خالی نہیں ہوسکتی، (یہ سوچ کر) سیدھا اُن کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا: "اے شیخ، تم جو ہر صبح کہتے ہو کہ مسلمان ہوجا، میری نجات کی ضمانت بھی کرسکتے ہو؟" شیخ کو اُس وقت حالتِ سکر تھی، کاغذگر سے ایک کاغذ طلب فرمایا اور اُس کو نجات کی ضمانت لکھ کر دے دی، وہ چلا گیا، اور مسلمان ہوگیا۔

اتفاق سے اُسی ہفتے وہ اچانک مر گیا، اُس کے وارثوں نے شیخ کی تحریر کو کفن کے گریبان سے ٹانک کر اُسے دفن کردیا۔ جب شیخ عالمِ صحو میں آئے تو بہت حیران ہوئے، ایک مرید نے تشویش کا باعث پوچھا، فرمایا: "عالمِ بے خودی میں ایک ایسا

---

[1] ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم معروف بہ بایزید بسطامی بسطام کے معروف صوفی ہیں ۲۶۱ھ (۸۷۵ء) یا ۲۶۴ھ (۸۷۸-۸۷۷ء) میں انتقال فرمایا۔ تصوف میں نظریۂ فنا سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ اور سلسلہ طیفوریہ یا بسطامیہ کے بانی بھی ہیں۔

(دارا شکوہ: مجمع البحرین مرتبہ محفوظ الحق طبع کلکتہ ۱۹۲۹ء)

کام کر بیٹھا ہوں، جس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا!"

مرید نے کہا: "جی ہاں، اُس وقت وہ آپ کا واقف آتش پرست شیخ سے اپنی نجات کی ضمانت لکھوا کرلے گیا تھا، کہتے ہیں وہ مسلمان ہوا اور مر گیا۔" یہ سن کر شیخ کو غش آگیا، اُن کے منھ پر پانی کے بہت چھینٹے دیے تب کہیں ہوش آیا۔ فرمانے لگے: "مجھے اپنی ہی نجات میں تردّد تھا، یہ جگر کہاں سے لایا کہ دوسرے کی ذمّہ داری بھی اپنے سر منڈھ لی!" گرتے پڑتے اُس نو مسلم کی قبر تک پہنچے اور متوجّہِ باطن ہوئے۔ اُس کے معاملے میں دیکھا کہ وہی کاغذ ہاتھ میں ہے اور کہہ رہا ہے: "اے بایزید، تمھاری تحریر میرے کچھ کام نہ آئی، اِس پرچے کے دکھانے سے پہلے ہی، جسے میں اپنی نجات کا پروانہ سمجھے بیٹھا تھا، اُس کریم نے مجھے اِس طور سے اپنے قریب بلایا کہ مقرّب فرشتوں کی نظریں بھی میرے معاملے کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں، تم اپنا دل پریشان نہ کرو، تو یہ رہی تمھاری تحریر، اِسے لیتے جاؤ!"

جب ایسے بَدوں کو، اُس کا کرم، اِس طرح پالیتا ہے، تو وہ درویش (جنھیں میرامان اللہ نے خواب میں دیکھا تھا) پھر خوبانِ روزگار میں تھے، اگر وہ دریائے رحمت میں غوطہ زن نہ ہوتے تو یہ سارا ماجرا (بایزید کی بیماری) بے کار ہی جاتا؟

والد کے کلماتِ معرفت

(سخنانِ نغز) اے برادرِ عزیز، جب تم جانتے ہو کہ وہ سدا گلاب، ہزار رنگ میں جلوہ گری کرتا ہے، اور یہ چمن اُسی کا سنوارا ہوا، اور یہ رنگ اُسی کے بھرے ہوئے ہیں تو اگر دیکھتے ہو، غور سے دیکھو قدم اٹھاتے ہو تو دیکھ بھال کر اُٹھاؤ، کائنات کے تمام ذرّوں میں اُسی آفتاب کا عکس ہے، اگر تم اُس کی ادا پہچان گئے تو تمھارا دل کامیاب ہے۔ جس کا دل زندہ اور آنکھیں روشن ہیں، جانتا ہے کہ حَباب اور موج دریا ہی سے ہیں۔ غافل بھی سچّا ہے، اگر وہ غفلت میں ہے، ساحل پر پڑا ہوا دریا کی کیا جانے آؤ چلو کہ ہم بیچ سے نکل جائیں۔

شاید جان کی تمنا کے مطابق ہمہ اُو بن جائیں۔

موسمِ جوانی گیا، لطف زندگانی گیا، عمر ساٹھ سال کی ہوگئی، بڑھاپا آن پہنچا، قامت خم ہوئی طاقت کم ہوئی، دماغ ضعیف، طبیعت سے روانی گئی اور مزاج سے جولانی؛ آنکھوں سے بصارت گئی، کانوں سے سماعت۔ ذوق، بے ذوق، دانت کمزور، پانو ناتواں، سر بے شور، بال سفید، دل نا اُمید، یہ زنگ در زنجیر کمرے نکال دو۔ آرایشِ فقیری کے زمانے کھو گئے، اور سر کی زنجیر پیر میں ڈال دو۔ زینتِ قلندری کے دن ہوا ہوگئے۔"

(نکتہ) "زندگی میں شہرت کا لحاظ کرو (یعنی جیسے کہلاؤ ویسے بنو) اور آخرت کے لیے عقل کی روشنی میں کام کرو۔ یعنی ظاہر کو باطن جیسا بناؤ اور باطن کو عقل کے مطابق دکھاؤ۔ اگر یار حرم میں جلوہ گر ہے تو مسلمان ہونا بہتر ہے۔ مقصود دل کا وہی ہے چاہے جس در سے آئے۔ اور اگر اُس کا جلوہ یقیناً بت خانے میں ہے تو کیا حرج کافر بن جانے میں ہے؟ آنکھوں کا منظور تو وہی ہے جہاں کہیں بھی نظر آئے:

بدیر و کعبہ می گردیم گاہ این جا و گہ آن جا
کہ مطلب جستجوے اوست خواہ این جا و خواہ آن جا [1]

(نصیحتِ درویشانہ) چاہیے کہ گوشہ نشیں رہو اور کچھ دن تنہا نشین رہو۔ آنکھوں میں الوپ انجن لگاؤ، اور سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤ۔ کسی چیز سے التفات نہ کرو۔ خدا پر نظر رکھو اور ہرگز کسی سے ملاقات نہ کرو۔ ابوالہوسوں کی صحبت بہت اٹھائی اب وہ وقت ہے کہ ذرا پلک جھپکی اور موت آئی۔ کب تک اونچے ۔۔۔ سے باز آؤ۔ اگر نکتہ رس ہو تو اس شعر کا مفہوم سمجھ جاؤ۔

[1] ترجمہ: ہم دیر و کعبے میں بھٹکتے رہتے ہیں کبھی یہاں ہیں کبھی وہاں ہیں کیونکہ اس محبوب حقیقی کی جستجو سے مطلب ہے خواہ وہ یہاں ملے یا وہاں۔

دیدہ ام، در علمِ صحبت ہاے رنگیں صد کتاب
کردہ ام، یک مصرعۂ تنہا نشینی انتخاب [۱]

نہ جانے کیا سوچ رہے ہو جو اپنا مداوا نہیں کرتے۔ بس اب ہوا و ہوس کی سرگرانی دُور کرو، سر کو یادِ حق کے نشے میں چور کرو، اپنی سفید داڑھی کا پاس کر کے فریب اور چاپلوسی چھوڑ دیجیو، خرقِ عادت کا قصد نہ کیجیو، خدا کے کھلیان میں اپنی گائے نہ باندھیو، خدائی کا دم بھرنا اپنے گدھے پن کا شہر میں شُہرہ کرنا ہے اگر بے ارادہ کوئی کرامت ظاہر ہو بھی جائے تو اِترائیو مت کہ غرور کا نتیجہ پشیمانی ہے۔ اکڑ فوں کو درویش عیب جانتے ہیں اور گھمنڈی کو آدمی نہیں مانتے"۔

جب (چچا) رخصت ہوئے تو دل میں عہد کیا کہ آیندہ کہیں نہ جاؤں گا، اور دن میں دو بار (پیر و مرشد کی خدمت میں) آؤں گا۔

ایک دن میرے والد نے کہا: "اے برادرِ عزیز، دماغ نمٹ رہا ہے، یعنی ہر روز گھٹ رہا ہے، اگر یہ قرآن کے حفظ کرنے میں لگایا جائے، تو کیسا ہے؟ عرض کیا "اچھی بات آپ کے خیال میں آئی"! چنانچہ ڈیڑھ سال کی مدت میں (دونوں نے) مصحفِ مجید کو یاد کر لیا۔

اسد اللہ کی آمد

(نقلِ عجیب) ایک دن دونوں بیٹھے (قرآن شریف کا) دَورہ کر رہے تھے، کہ اسد اللہ نامی ایک درویش، نیلا لباس پہنے اور نمدی ٹوپی اوڑھے وارد ہوئے، جب میرے والد کے سامنے آئے، انھوں نے فرمایا: "اے کبُود جامہ کے سیراب پز (نہاری فروش) تم نے اِتنا دور و دراز کا سفر کیوں اختیار کیا اور ایسے ویران راستے کے شدائد کو اپنے اُوپر کیوں ہموار کیا؟" وہ عزیز سامنے

---

[۱] (ترجمہ) میں نے رنگین صحبتوں کے علم میں سینکڑوں کتابیں دیکھی ہیں اور اُن میں سے ایک مصرعہ انتخاب کیا ہے وہ ہے تنہا نشینی!

آکر قدموں پر گر گیا، (والد نے) اُس کا سر چھاتی سے لگایا اور اپنے پاس بٹھایا، میرے چچا نے اس گرم جوشی پر حیران ہو کر پوچھا: "یہ بزرگ کون ہیں؟" (والد نے) کہا: "میرے پُرانے دوست ہیں!" (چچا) اور بھی حیرت زدہ ہوئے اور کہا: "اتنی گہری دوستی کے لیے تو ملاقات کی کثرت ضروری ہے، مگر میں نے اِن کو (آج سے پہلے) کبھی نہیں دیکھا۔" (والد نے) فرمایا: "میں اور یہ ایک ہی پیر کے مرید ہیں، یہ دو سال میں ایک بار پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک دن میں نے (پیر و مرشد کی خدمت میں) سوال کیا، کیا ہو، جو موت کے آثار (پہلے سے) مجھ پر ظاہر ہو جائیں، تاکہ میں آخرت کی تیاری میں مشغول ہو جاؤں اور دوسری باتوں میں دل نہ لگاؤں۔ ارشاد ہوا جب تم کبود جامہ کے اِس نہاری فروش کو دیکھو تو جان لینا کہ اگلے سال تک زندہ نہ رہو گے۔" لہٰذا یقین کر لو کہ اب میری عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

بزرگوار چچا یہ الفاظ سُن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے: "ان شاءاللہ میں یہ واقعہ نہیں دیکھوں گا، یعنی اُس (منحوس) دن تک دنیا ہی میں نہ رہوں گا اور یہ صدمہ نہ اُٹھاؤں گا!" جب اُس تازہ وارد (درویش) سے بات چیت شروع ہوئی تو (اُس نے) بیان کیا کہ "کچھ دنوں سے میری دُکان نہیں چل رہی تھی، یعنی میری نہاری کا کوئی گاہک نہ تھا، رات کو بناتا تھا صبح کو اوندھاتا تھا، جو کچھ پونجی تھی سب گھاٹے میں چلی گئی۔ ناچار مایوس ہو کر بالب خشک و چشمِ تر زمین پر لیٹا تھا اچانک نیند کا جھونکا آیا (اور سو گیا)، دیکھا کہ پیر و مرشد میرے سرہانے کھڑے ہیں فرماتے ہیں کہ "اے اسد اللہ! یہ چند سفر میں بڑی دشواریاں ہیں اور [illegible] بھی بڑی پوری ہے، لیکن ایک بار ملی تقی [illegible] ضروری ہے، میرے اور [illegible] کے درمیان ایک اشارہ ہے، جیسے ہی تم پہنچو گے وہ سمجھ جائیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ فوراً روانہ ہو جاؤ اور کسادِ بازاری کا غم نہ کھاؤ کہ جب وہاں سے واپس آؤ گے تو

تمھاری دُکان ایسی چلے گی کہ نہاری تبرک ہو جائے گی۔" میں نے بیدار ہو کر دُکان شاگرد کے سپرد کی، زادِ راہ کے لیے آدھی سوکھی روٹی لی اور چل پڑا۔ تھوڑی مدت میں ایک دنیا سے دوسری میں پہنچ گیا، یعنی "کبود جامہ" سے آگرے آیا اور تمھیں اپنے دلی اشتیاق کے مطابق پایا۔ اب میری واپسی تمھارے اختیار میں ہے، جب اجازت دو گے اُدھر کا قصد کروں گا۔ میرے والد مُسکرائے اور کہا: "اے اسد اللہ ایسے کیوں ہَوا کے گھوڑے پر سوار ہو؟ نہاری خراب نہیں ہوگی جو اِتنے بے قرار ہو، تھکے ماندے آئے ہو، اتنی زحمت اُٹھائی ہے، اگر ہم فقیروں کے مشتاق نہیں ہو، تو اپنے ہی آرام کے لیے کچھ دن رہو، جلدی کیا ہے؟ واپسی بھی ہو جائے گی۔" ایک ملازم کو حکم دیا کہ اُن کا بستر میرے چچا کے حجرے میں بچھا دے اور اُن کی خدمت کرے۔ غرض کہ (والد) ذرا دیر کو بھی اُن سے جدا نہ ہوتے اور دل جوئی و مزاح گوئی میں اُنھیں لگائے رکھتے۔

(فائدہ) ایک دن اُس مہمانِ عزیز نے سوال کیا کہ "مجھے (خدا کی) رُؤیت کے مسئلے میں کچھ تردد ہے، درویشوں کی دو جماعتیں ہیں، ایک کا خیال ہے کہ ایک دن ہم اُس غیرتِ ماہ (خدا) کو بدرِ کامل کی طرح (عیان و برملا) دیکھیں گے اور دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ اُس آفتاب کو دیکھنا انسان کی بصارت کے بس کا نہیں!" (والد نے) فرمایا کہ "ہم فقیروں کو تو کچھ تردد نہیں، جب یہ قرار پا گیا کہ وہ عینِ کائنات ہے، تو ہم جدھر بھی نظر ڈالتے ہیں وہی نظر آتا ہے اور جس شے میں دیکھتے ہیں اپنی چھب دکھاتا ہے، وہ معنی ہر صورت میں جلوہ گر ہے اور بشرطِ نظر اُس کا دیدار میسّر ہے۔"

القصہ ایک ہفتے کے بعد (اسد اللہ) رخصت ہوئے اور بنگالت ہوئے۔

چچا کی وفات

(حکایتِ جاں سوز) عید کی صبح میرے چچا، نئے کپڑے پہن کر نماز کو گئے۔ جب واپس آئے، تو اُن کے سینے میں درد

ظاہر ہوا اور ایسی شدت سے کہ چہرے کا رنگ اُڑ گیا، اور دل کا سکون جاتا رہا، میرے والد کو بلایا اور کہنے لگے: "میرے (سینے میں) نہایت شدید درد ہے، ایسا دھیان پڑتا ہے، کہ اب خیریت نہیں اور ایسی گڑھن ہے کہ دم گھٹا جا رہا ہے، غالباً جانِ ناتواں میں طاقت نہیں۔ میری عبا بدن سے نوچ لو کہ اب یہ نہیں بھاتی ہے، اور میری ٹوپی اُتار پھینکو کہ یہ سر پر بوجھ بنی جاتی ہے، جان میری ناتواں ہے اور یہ بیماری گراں ہے۔ جب وقتِ شام ہوا، وہ درد اور دو چند ہوا، اُن کی آہ آہ کا شور بلند ہوا، اور وہ سراپا اک دلِ دردمند۔ جب ضبط کرتے تو غنچے کی طرح سمٹ جاتے اور درد سے آہ و فریاد کرتے تو پھول کے مانند بکھر جاتے جب دل بہت گرفتہ ہوتا تو ایسی آتش ناک آہ بھرتے کہ جگرِ سوختہ کا دھواں آسمان پر پہنچتا، اگر بات کرتے تو یہ رباعی پڑھتے۔ (المصنفہ)

وقت است کہ رو بہ مرگ یک بارہ کنیم
آن درد نداریم کہ ما چارہ کنیم
بیماری صعب عشق دارد دل ما
گر جامہ گزاریم ، کفن پارہ کنیم[۱]

جب گھڑی بھر رات گذری تو ناطاقتی حد سے بڑھ گئی، پھر وہ شدت سے کہنے لگے کہ "آخر میرے دل نے سختی اُٹھائی اور آنکھیں (شدتِ غم سے) پتھرا گئیں، آپ تو اس میخانے کے دانائے راز ہیں، اگر میری عمر کے پیمانے میں ابھی کچھ تلچھٹ رہ گئی ہے، تو وہ کسی اور کو دے دیجیے کیوں کہ اس شدید درد میں دُرد تلچھٹ پینے کا مزہ چاہیے! میں موت کی تلخی کو اس جان شیریں کے مقابلے میں سو درجے گوارا ترجیح دیتا ہوں

---

[۱] (ترجمہ) "(اب وہ) وقت ہے کہ بس یک لخت جان نکل جائے (کیوں کہ) ہم وہ درد نہیں رکھتے جس کا علاج کر سکیں ہمارے دل کو عشق کی جان لیوا بیماری ہے اور اس میں ہمارا جان سے گذر جانا ہی شفا یاب ہو جانا ہے۔"

توجہ فرمائیے کہ چین سے مرجاؤں، رحم کیجیے تاکہ مجھے کل پڑ جائے۔ رات گئے اپنی کلاہِ شب پوش مجھے عنایت فرمائی اور غلبۂ ناتوانی سے آنکھیں مُوند لیں، جب رات کٹی یعنی صبح کی پَو پھٹی تو اُن کی الم ناک روح لبوں پر آگئی۔ اُدھر مؤذن نے "اللہ اکبر" کی بانگ سُنائی، اِدھر اس بیمارِ شب زندہ دار کو نیند آئی۔ یعنی دل پر ہاتھ رکھا اور جان جاں آفریں کے سُپرد کی۔

اُن کے پیر و مرشد (میرے والد) نے پگڑی زمین پر دے ماری، گریباں چاک کر لیا اور اس جاں کاہ صدمے سے چھاتی پیٹنے لگے؛ اُن کے مریدوں نے سروں میں خاک اور جگر پر داغ لیے، اِسی رنجوری کے عالم میں میّت کی رسوم ادا کیں، اور اُس درد مند کا جنازہ تیّار کیا ؎

عشق دردِ بے دوائے بودہ است
بہر جان و دل بلائے بودہ است[1]

جب لوگ نماز (جنازہ) کے لیے کھڑے ہوئے تو اکثر فرش پر گر پڑے۔ میرے والد نے کہا: "اے ناواقفِ پاسِ آشنائی، دیر میں کُھلا کہ تو بے وفا ہے، ایسا شتاب رخصت ہوا کہ میری چھاتی پھونک گیا ہے، دوست یوں رخصت نہیں ہوا کرتے، غم خوار ایسے بے مروّت نہیں ہوا کرتے!" ؎

چہ شد آن وفا و عہدے کہ تو وعدہ با نمودی
بتو من چہ گفتہ بودم، تو بمن چہ گفتہ بودی؟[2]

بزرگوں نے جنازے کو کندھا لگایا، یعنی اُسے پوری عزت سے اُٹھایا، پیر و مرشد (والد) کی آہ مُردے کے عَلم کی طرح جنازے کے آگے چل رہی تھی، اُن (چچا) کے

---

[1] (ترجمہ) عشق ایسا درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں، یہ (ہمیشہ) جان و دل کے لیے ایک مصیبت رہا ہے۔ [2] (ترجمہ) وہ وفا، اور عہد کیا ہوا؟ جب تو نے مجھ سے کچھ وعدے کیے تھے، میں نے تجھ سے کیا کہا تھا اور تو نے مجھ سے کیا کہا تھا؟

معتقد آٹھ آٹھ آنسو روتے ہوئے میّت کو شہر سے باہر لے گئے، اور ایک باغ کے گوشے میں سپردِ خاک کر کے پھول برسائے اور فاتحہ پڑھی۔ نہایت صدمہ اُٹھایا اور سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ پایا!

تیجے کے دن جب شہر کے لوگ فاتحہ خوانی کے لیے آئے تو میرے والد نے کہا کہ "جس کا ایسا عزیز مرگیا ہو، اگر اُس کو "عزیز مُردہ" کہیں تو کیا بے جا ہو۔ آج سے مجھے "عزیز مردہ" کہا جائے۔" چناں چہ وہ شہر میں اِسی لقب سے مشہور ہو گئے، دن میں سو بار گریہ سر کرتے تھے اور مُردوں کے حال سے بسر کرتے تھے، میں جو اُن کا گودوں پالا تھا اور اپنی ساری ضرورتوں کو اُن سے کہتا تھا، انھیں کے ساتھ سوتا اور کھاتا تھا، اب دن بھر انھیں یاد کرتا اور رات بھر فریاد کرتا۔ درویش "عزیز مردہ" (والد) میری دل جوئی کرتے، اور کبھی مجھے آزردہ نہ ہونے دیتے۔ کبھی کہتے کہ "بیٹے، میں تمھیں بہت چاہتا ہوں، مگر اس غم میں گھلا جاتا ہوں کہ میں خود چلنے ہار ہوں۔" کبھی فرماتے: "میرے چاند! اب تم گود کے بچے نہیں ہو، خدا کا شکر ہے، دس سال کے ہو گئے، کیوں جی کُڑھاتے ہو، آخر درویش زادے ہو، دل کو قوی رکھو، اپنے تئیں خدا کو سونپ دو، ہشاش بشاش رہو، اور مجھے اپنا ناز بردار سمجھو۔ میری جان، کیا تم دودھ پیتے بچّے ہو جو ہر وقت روتے ہو، اپنا غم کیوں کرتے ہو، خدا جیسا وارث رکھتے ہو! جانے والے کبھی نہیں آتے، گذرنے والے منہ نہیں دکھاتے۔ بیٹے دنیا میں چل چلاؤ لگ رہا ہے، ہر کوئی آمادۂ سفر ہے۔ مت جانیو کہ دنیا تمھارے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ تو مجلسِ رواں ــــ کر رکھا ہے، جو حاضر تھے چلے گئے، جو بیٹھے تھے اُٹھ گئے، دل مت کڑھاؤ، پھول کے مانند مسکراؤ، اس چمن کی بہار اُجڑنے والی ہے، اپنے دل پر میل نہ لاؤ، دنیا کا یہ قمار خانہ ایسا بنایا ہے کہ یہاں تم جیسے بہتیروں نے اپنا دل گنوایا ہے۔ جب تک

یہاں کی راہ و رسم نہ جان جاؤ، ہرگز اس راستے پر نہ آؤ۔ پاکھٹ کھلاڑیوں کی ایک کہاوت ہے "قمار و راہ قمار" یعنی اناڑی ہو تو نہ کھیلو۔ وہ ہر روز ایسی ہی باتیں کرتے اور بڑے لاڈ سے میری پرورش کرتے تھے۔

احمد بیگ

(نقل) ایک دن بڑی تلخ کامی کے ساتھ (چچا کی) موت کا حلوا تقسیم کر رہے تھے کہ ایک جوان سروِ اندام، احمد بیگ نام شکری رنگ آیا اور شکر انگور (ولایتی انگور) کے چند دانے ہاتھ پر رکھ کر نذر گذارے۔ اور کہا کہ "ولایت سے ابھی آیا ہوں اور حج کا ارادہ رکھتا ہوں جب شہر میں آیا تو آپ کی درویشی کا آوازہ سنا۔ مشتاق (دیدار) ہوکر خدمتِ سامی میں حاضر ہوا ہوں" والد نے فرمایا: "تم نے شاید یہ نہیں سنا [1]

چرا بہ پائے خود اے کعبہ رَونمی اُفتی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ہمان توئی کہ بفرسنگ می نمایندت [2]

پہلے خود کو پاؤ، پھر کعبے جاؤ، کعبہ درویشوں کے دل ہائے خستہ کا نام ہے اور مقصود اِن جگر ریشوں کو حاصل تمام ہے، اگر ان کا دل ہاتھ میں لاؤ گے تو کعبۂ مراد بغیر سعی کے پاؤ گے، اِسی لیے تو کہا گیا ہے ؎

زکعبہ آیم و رشک آیدم بہ خون نابے
کہ از زیارتِ دل ہائے خستہ می آید [3]

درویشوں کا دل عجب جا ہے، اِس ویرانے کی بڑی بھلی ہوا ہے، دل کو اِس

---

[1] (ترجمہ) اے کعبے کی طرف جانے والے، تو اپنے ہی قدموں پر کیوں نہیں جھکتا، وہ خود تو ہی ہے جسے فرسنگ سے دکھایا جا رہا ہے (کعبہ تو خود تیری ذات ہے، اپنے نفس کا عرفان حاصل کر!) [2] وہاں میر امان اللہ سے بی بی کو چھڑایا اور وہ غریب دق میں گُھل کر مری، یہاں ایک شخص کی راہ کھوٹی کی، حج کو جا رہا تھا اسے روک دیا۔ کیا خبر یہ کون سی تعلیم ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں سمجھا کہ یہ ولایتی کعبے کو ولایت سے چلا تھا تو اِدھر 'ترکستان' کی طرف کیوں آگیا۔ ایران سے کعبے کو جاتے ہوئے آگرہ تو بیچ میں نہیں پڑتا! [3] (ترجمہ) میں کعبے سے آ رہا ہوں، مگر مجھے اس خونِ ناب پر رشک آتا ہے جو زخمی دلوں کی زیارت کرکے آتا ہے۔ (مطلب وہی کہ کعبے کی زیارت سے بہتر دل کی زیارت ہے!)

ماہ کی منزل کہتے ہیں، اسی در پہ مقصود کے تلاشی رہتے ہیں۔ ایک سالک کعبے کے طواف کو گیا تھا مگر اُس گھر میں کسی کو نہ پایا، دلِ پُر آرزو لیے ناکام لوٹ آیا اِسی حال میں کہا:

کعبہ را دیدم دلم از دردِ تنہائی گداخت
مجلس آرائے کہ مارا خواند خود مہمانِ کیست[1]

جو تم کہتے ہو، حرم کا محرم بھی وہی کہتا ہے، جیسے تم ڈھونڈھتے ہو، کعبہ خود اُس کے کھوج میں رہتا ہے ؎

ہر کرا دیدم چو من گم گشتۂ تحقیق بود
کعبہ را ہم بے تکلف در بیابان یافتم[2]

دلوں کا طواف کرو، یہی کعبے کا طواف ہے۔ اپنے ہی جویا بنو، اچھا مقصد یہی ہے، وجودِ غیر موجود نہیں، اور اُس بن کوئی مشہود نہیں ؎

گفتم بہ حرم، محرمِ این خانہ کدام است؟
آہستہ بمن گفت، کہ بے گانہ کدام است؟[3]

مجھے تمھاری جوانی پر ترس آتا ہے کہ بہت رنج اُٹھاؤ گے اور پھر بھی مقصود نہ پاؤ گے۔ درویشوں کی بات گوشِ جاں سے سنو، کچھ دن ٹھہرو اور یہاں سے نہ جاؤ، اُس جوان نے جب درویش کو ملتفت پایا تو حکم سے سرتابی نہ کی یعنی ٹھہر گیا اور سخت ریاضت میں مشغول ہوا، ذہنِ سلیم رکھتا تھا، اکتساب کیا اور سات مہینے کی مدت میں مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا۔ ایسی خوبی کا پیر اور ایسی محبوبی کا جوان، ایسی حالت کا پیر اور ایسی کیفیت کا جوان، ایسا باکمال پیر اور ایسا صاحبِ حال جوان، ایسی عنایت والا پیر اور اتنی ارادت

---

[1] (ترجمہ) میں نے کعبے کو دیکھا تو میرا دل دردِ تنہائی سے پگھل گیا جس میزبان نے ہمیں بلایا تھا وہ خود کس کا مہمان ہے۔ [2] (ترجمہ) میں نے جسے بھی دیکھا، میری ہی طرح تحقیق میں سرگرداں تھا۔ کعبے کو بھی بیابان میں سرگرم جستجو پایا۔ [3] (ترجمہ) میں نے حرم سے سوال کیا کہ اس گھر کا محرم کون ہے، اُس نے آہستہ سے مجھ سے کہا کہ یہاں بے گانہ بھی کون ہے؟ (حکیم شرف الدین شفائی)

والا جوان، ایسی نظر والا پیر اور ایسا اثر والا جوان دنیا کی آنکھوں نے کم دیکھا اور دنیا والوں کے کانوں نے کم سُنا ہے! رات دن شیر و شکر کی طرح (رہتے تھے)، بڑی یک جہتی تھی، اُسے پیر کو ایک دم کے لیے چھوڑنا نامنظور تھا اور "جوانِ عزیز" (کے لقب) سے مشہور تھا۔ اتفاقاً پیر کے پاس کہیں سے کچھ روپیہ بطورِ نذر آیا۔ (اُنھوں نے) جوان سے فرمایا کہ "اِسے اپنے خرچ میں لاؤ اور حجاز کے سفر پر جاؤ"۔ صبح کی نماز کے بعد دستار کا زیر پیچ اور سجّادۂ محرابی عنایت کیا، اور اُسے رخصت کیا۔

والد کی وفات
۱۱۴۶ھ

(حکایتِ جاں کاہ) ایک دن چلچلاتی دھوپ میں "درویشِ عزیز مُردہ" (والد) برادرِ عزیز (میر امان اللہ) کے بھانجے محمد باعث نامی کی عیادت کے لیے، جو ایک عالم، فاضل، اور متصوّفِ کامل تھے، محلّہ عالم گنج میں گئے جو آگرے کا مشہور محلّہ ہے، جب جھٹپٹا ہونے لگا تو وہاں سے گھر آنے کا قصد کر کے چلے، عشائین (مغرب اور عشا کی دو نمازیں ملا کر) اپنی مسجد میں ادا کیں، جب سونے کے لیے بستر پر گئے اور میں حاضر ہوا تو فرمایا: "بیٹے! آج آفتاب[1] کی حرارت نے میرے مزاج پر اثر کیا ہے، سر میں درد ہے، آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخار چڑھے گا"۔ رات کا کھانا نہیں کھایا اور سو گئے، صبح کو بیدار ہوئے،

---

[1] قاضی عبدالودود صاحب نے صحیح اعتراض فرمایا ہے کہ میر کے والد کا انتقال رجب ۱۱۴۶ھ میں ہوا اور یہ مہینا دسمبر (۱۷۳۳ء) کے مطابق پڑتا ہے، اُس زمانے میں لوہ لگ جانا کس طرح ممکن ہے؟ (معاصر حصہ ۹)۔ میر نے یہ الفاظ لکھے ہیں "... در آفتابِ گرم رفت، .... گفت، اے پسر حرارتِ آفتاب در مزاجِ من تاثیرے کردہ است" (ذکرِ میر ص ۵۰) اس کے بعد کی عبارت اور اُن کے علاج کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی رجب سے ایک دو ماہ پہلے بیمار ہوئے تھے، "پس از ماہے مشخص گردید کہ این تب متشبث بقلب است" (ذکرِ میر ص ۵۸) ظاہر ہے کہ مہینا بھر تو صحیح تشخیص بھی نہ ہو سکی تھی، اگر میر امان اللہ کا انتقال شوال (۱۱۴۵ھ مطابق مارچ ۱۷۳۳ء) میں ہوا، اور میر امان اللہ کے انتقال کے بعد احمد بیگ کا آنا، اور سات ماہ تک رہ کر ریاضت کرنا بھی میر کی تحریر سے ظاہر ہے (ص ۵۵ ذکرِ میر) اور شوال (۱۱۴۵ھ) سے ربیع الثانی (۱۱۴۶ھ) تک یہ ۷ ماہ پورے ہوتے ہیں تو علی متقی جمادی الاوّل (۱۱۴۶ھ) میں بیمار پڑے ہوں گے لیکن یہ بھی مطابق ہے (ستمبر ۱۷۳۳ء) کے۔ میں نے یہاں صرف لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔

تو تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ ابوالفتح نامی طبیب، جو اُن کے پرانے معالج تھے آئے اور ٹھنڈائی پلائی، مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ مبرّدات میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا، کچھ سود مند نہ ہوا۔ درویش کو بخار ٹھہر گیا، یعنی روز شام کو چڑھتا اور ساری رات رہتا۔ بخار توڑنے کی ان گنت تدبیریں کرتے تھے، لیکن کسی سے یہ عقدۂ دشوار حل نہ ہوا۔ ایک مہینے کے بعد تشخیص ہوا کہ اس بخار نے قلب کو لپیٹ لیا ہے اور ہڈیوں میں بیٹھ گیا ہے، یعنی یہ درویشِ نحیف، جو مٹھی بھر ہڈیوں سے زیادہ نہیں تپِ دِق میں مبتلا ہے۔

(ایک دن) مجھ سے بولے: "بیٹے، میری جان صرفِ نیاز ہے اور جسم وقفِ گداز غذا سے کوئی رغبت نہیں، کھاتا ہوں تو گرانی کرتی ہے۔ طبیب جو دوا صبح دیتا ہے وہ (معدے میں) اگلی صبح تک ویسی ہی دھری رہتی ہے۔ یہ چاہتا ہوں کہ موت آنے تک غذا چھوڑ دوں، بازار سے نرگس کے پانچ چھ دستے لے آؤ کہ بشرطِ زندگی کبھی کبھی سونگھ لیا کروں۔" ارشاد کے بموجب میں نے منگوا لیے اور برابر ان کے سامنے رکھتا تھا۔ جب آنکھ کھولتے، دستہ ہاتھ میں لے کر سونگھتے اور فرماتے: "خدا کا شکر ہے، سیر ہو گیا!" جب اُنھوں نے غذا ترک کر دی تو ہم بے کسوں کو اپنی زندگی سے مایوس کر دیا۔ ہاتھ پانو کی طاقت جواب دے گئی، ضعف حد سے بڑھ گیا، بات بہت کم کرتے اور نماز اشارے سے پڑھتے۔ ۲۱ رجب[1] کو حسبِ معمول، حکیم ٹھنڈائی کا پیالہ لایا تو درویش نے ناک بھوں چڑھائی اور پینے سے انکار کر دیا وہ دوا کا پیالہ زمین پر پٹک کر بولے: "ارے کم بخت دوا کی تاثیر تو اول دن سے ظاہر تھی، میں تیرا پاس کرتا تھا جو پی لیتا تھا، افسوس تو نے (اتنی سی بات کو) نہ سمجھا، جا، اب مجھ سے ہاتھ اٹھا لے، [illegible] وہ مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں[2]۔"

۱؎ ۱۱۴۶ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۳۳ء ۲؎ یہ بھی عجیب بات ہے! معالج طبیب سے یہ سلوک کرنا کسی درویش کی شان کیسے ہو سکتی ہے۔

محمد حسن

اُس وقت حافظ محمد حسن کو بلایا جو میرے بڑے اور ملاّتی بھائی تھے[۱] اور فرمایا کہ "میں فقیر ہوں کچھ نہیں رکھتا اِلا تین سو جلد کتابیں وہ میرے سامنے لے آؤ اور حصّہ برادرانہ کرکے بانٹ لو۔" اُنھوں نے عرض کیا: "میں طالب علم ہوں اور مجھے اِس کام (پڑھنے) کی دُھن لگی ہوئی ہے اور یہ (دونوں) چھوٹے بھائی کتابوں سے کوئی ربط نہیں رکھتے۔ ورقوں کے کنارے نوچ لیں گے، ایک پتنگ بنا دے گا، دوسرا (ناؤ بناکر) پانی میں بہادے گا۔ اگر آپ میرے پاس امانت رکھ دیں تو اچھا ہے ورنہ آپ مختار ہیں[۲]۔" والد کو اُن کے اوندھے مزاج کا اندازہ تھا، اُنھوں نے خبر لی اور کہنے لگے: کیا ہوا جو تو نے ترکِ لباس کر دیا ہے۔ تیری ٹیڑھ تو ابھی تک نکلی نہیں، تو چاہتا ہے کہ اِن بچّوں کو حُبل دے اور میری آنکھیں بند ہونے کے بعد اِنھیں نقصان پہنچائے؟ یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے اور غیور کو دوست رکھتا ہے، غالب ہے کہ میر محمد تقی تیرا دست نگر نہ ہو، اگر تو دوسری طرح پیش آئے گا تو تیرا بھانڈا پھوٹے گا اور تیری عزّت کا نقش اِس بچّے کے سامنے نہیں بیٹھے گا[۳]۔ اگر تو اپنی مراد کو پہنچ گیا تو دیکھے گا کہ ایک جلد کتاب کے بدلے تیری کھال کھینچ لے گا۔ کم ظرف کسی اعتبار کے شایاں نہیں ذلیل ہے، اور بُخل و حسد، ذلّت و خواری کی دلیل ہے، ٹھیک ہے کتابیں تو ہی لے جا اور رکھ لے۔" اس کے بعد میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا: "بیٹے میں بازار کے بنیوں کا تین سو رُپیوں کا مقروض ہوں، اُمید ہے جب تک ادا نہ کر دو گے

---

[۱] حافظ محمد حسن کی والدہ خانِ آرزو (سراج الدین علی خاں) کی بہن تھیں، اُن کے انتقال کے بعد میر محمد علی (علی متقی) نے میر کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ میر نے صرف ایک جگہ (ذکر میر ص ۲۰) اپنی ماں کا تذکرہ کیا ہے"...، مادر و پدرم نگذاشت" اس کے بعد کہیں اشارہ تک نہیں، میرا خیال ہے کہ علی متقی کی زندگی ہی میں میر کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ [۲] میر کے کسی بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ محمد حسن نے جو کتابیں بطور امانت رکھ لی تھیں وہ پھر میر کو ملیں یا نہیں۔ اور ترکے کی تقسیم میں بیٹی کا ذکر بھی نہیں ہے، یا اُس زمانے میں بھی لڑکیاں محروم الارث رکھی جاتی تھیں؟ [۳] میرا خیال ہے کہ یہ والد کی سجادہ نشینی کا جھگڑا تھا، جس پر میر، محمد حسن سے ناخوش ہیں۔

میرا جنازہ نہ اُٹھاؤ گے۔ کیوں کہ میں کھرا آدمی تھا میں نے تمام عمر کسی کو دھوکا نہیں دیا۔" میں نے عرض کیا کہ سوائے اُن کتابوں کے اور کوئی اثاثہ نظر نہیں آتا، وہ آپ نے بڑے بھائی کو سونپ دیں، میں قرض کیسے ادا کروں گا؟" والد کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمانے لگے "دل تنگ مت ہو، خدا کریم ہے، ہُنڈی راستے میں ہے پہنچا ہی چاہتی ہے، چاہتا تھا کہ روپیہ آنے تک زندہ رہوں، لیکن عمر کی فرصت کم ہے۔ ٹھیرنا ممکن نہیں۔" میرے حق میں دعا کی، اور خدا کے سپرد کیا، کچھ سانسیں اور آئیں گئیں آخر جاں بحق ہوئے۔

بھائی کی توتا چشمی

جب درویش نے آنکھیں موندیں تو عالم میری نظروں میں تاریک ہوگیا۔ بڑا حادثہ رونما ہوا، آسمان مجھ پر ٹوٹ پڑا دریا دریا روتا تھا، صبر و شکیب کھوتا تھا، پتھروں پر سر دے مارتا تھا، خاک پر لوٹتا تھا، بڑا ہنگامہ بپا ہوا گویا قیامت نمودار ہوگئی۔ میرے بڑے بھائی نے انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیا توتا چشمی اختیار کرلی۔ جب دیکھا کہ باپ مفلس تھا اور بے کسی میں مرا ہے اور قرض خواہ میرے دامن گیر ہوں گے، تو پہلو تہی کی، کہنے لگے: "جن سے لاڈ پیار ہوتے تھے، وہ جانیں اُن کا کام جانے! میں باپ کی زندگی میں دخیل کار نہ ہوا اور وقف اولادی سے بھی درگذرا، اُن کے سجادہ نشین سلامت رہیں جو سر پیٹ رہے ہیں اور منھ نوچ رہے ہیں، وہ جو مصلحت وقت ہوگی کریں گے!"

میں نے یتیمی کا تازہ صدمہ اُٹھایا تھا، جب اُن کی یہ چھچھوری باتیں سنیں تو بہت غم و غصہ کھایا، مگر اُن سے کوئی التجا نہ کی، ہمت کو مضبوط رکھ اور خدا پر بھروسا کرکے بیٹھ گیا، بازار کے بنیے مزید دو سو روپے لائے اور بے حد خوشامد کی، مجھے درویش کی وصیت کا پاس تھا، قبول نہ کیا سب کو باتوں میں گھماتا رہا، یعنی ملول نہ کیا۔ اسی حال میں سید کمل خاں کا نوکر جو میرے عم بزرگوار کے مرید تھے، پانچ سو روپے

سکۂ حالی کی ہنڈی لے کر آیا اور میرا درد شریک ہوا۔ تین سو روپے قرض خواہوں کو دے کر فارغ خطی حاصل کر لی اور سو روپے میں فقیر (کا جنازہ) کو اٹھا کر لے گیا اور اُن کے پیر کے پہلو میں مدفون کر دیا۔

○

میری سرگذشت

(والد کی موت کے بعد میں نے) فلک کی بے مروتی دیکھی زمانے کے ستم جھیلے، نہیں نہیں، فلک یا زمانے کا کیا قصور؟ میرا ہی ستارا منحوس تھا کہ ایسے آفتاب کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا۔ جو کچھ کیا میری قسمت نے کیا۔ اپنے ہی ہاتھ کے سوا کسی اور کا ہاتھ اپنے سر پر نہ پایا۔[1] یعنی کسی کو سایہ گستر نہ پایا۔ میں نے اپنا اثاثہ غیرت (کی نگہداشت) کے لیے صرف کر دیا۔ اور ہرگز کسی کے دروازے پر (سائل بن کر) نہ گیا اور میرے ہونٹ حرفِ طلب سے آشنا نہ ہوئے۔ میری آنکھ کسی کی طرف نہیں اٹھی نہ میں نے کسی سے مدد چاہی نہ کسی نے میری دستگیری کی۔ یعنی خدائے کریم نے مجھے کسی کا شرمندۂ احسان نہ کیا، اور مجھے (سوتیلے) بھائی کا جو مجھ سے کینہ رکھتے تھے، دست نگر نہ بنایا۔ میں نے درویش کی نیاز دلا کر تبرک تقسیم کیا اور تمام کام خدا کے آسرے پر چھوڑ دیے۔ چھوٹے بھائی کو اپنا قائم مقام بنا کر روزگار کی تلاش میں اطرافِ شہر میں گھومتا پھرا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، یعنی وطن میں چارۂ کار نہ پایا، ناچار غربت اختیار کی۔ راستے کی صعوبتیں اپنے اوپر گوارا کیں اور سفر کے شدائد اختیار کیے شاہ جہاں آباد دہلی میں پہنچا، یہاں بھی بہت گھوما (مگر کسی کو) شفیق نہ پایا!

---

[1] میرؔ:
اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ہے، کوئی مہرباں نہیں

دہلی میں
۱۱۵۰ھ

خواجہ محمدؐ باسط نے جو امیر الامرا صمصام الدولہ[۱] کے بھتیجے تھے، میرے حال پر عنایت کی اور مجھے نواب کے سامنے لے گئے۔ (نواب نے) جب مجھے دیکھا تو پوچھا: "یہ کس کا لڑکا ہے؟" (خواجہ محمدؐ باسط نے) کہا: "میر محمدؐ علی کا!" فرمانے لگے کہ "اِس کے (یہاں) آنے سے ظاہر ہے کہ وہ دنیا سے گذر چکے ہیں!" پھر بہت

---

[۱] خواجہ محمدؐ عاصم کے بزرگ بدخشاں سے ہجرت کرکے اکبر آباد میں آ بسے تھے۔ جن میں بعض نے سپاہ گری کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے۔ خواجہ محمد عاصم کے بڑے بھائی خواجہ محمد جعفر باخدا صوفی تھے، خواجہ محمدؐ باسط جن کا انتقال ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۴ء میں لکھنؤ میں ہوا، انھیں خواجہ جعفر کے فرزند اور مشائخ نقشبندیہ میں نام آور بزرگ تھے۔ (سفینۂ ہندی/ ۳۷)

خواجہ محمدؐ عاصم پہلے پہل قلیل منصب پر دربارِ شاہی سے منسلک ہوئے تھے، لیکن فرّخ سیر کے زمانے میں ترقی کرکے دیوانِ خاص کے داروغہ ہوئے اور "اشرف خاں" خطاب پایا، پھر میر آتش بنائے گئے تو نقارہ و نشان کے ساتھ ہفت ہزاری منصب، ہفت ہزار سوار اور "صمصام الدولہ امیر الامرا خان دوراں بہادر منصور جنگ" کے خطاب سے سرفراز ہوئے، امیر الامرا حسین علی خاں دکھن چلا گیا تو یہ میر بخشی بنائے گئے، پھر بخشی دوم ہوئے اور گجرات کی صوبہ داری اُن کے سپرد کی گئی، صوبہ مذکور کا انتظام ان کی نیابت میں حیدر قلی خاں کرتے تھے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد انھیں امیر الامرا کا خطاب اور میر بخشی گری کا عہدہ ملا۔ خواجہ محمدؐ عاصم علم دوست، صوفی منش، متواضع اور سنجیدہ رئیس تھے، اکثر اہل علم اُن کے دربار سے وابستہ تھے "اکثر اوقات ہنگام شب با علمار و شعرا صحبت می داشت و بہ تربیت اہل کمال بسیاری کوشید و احیاناً شعر ہم می گفت" (سفینۂ ہندی/ ۶۵) یہ شعر اُن کی طرف منسوب ہے۔

سحر خورشید لرزاں بر سر کوئے تو می آید　　　دل آئینہ را نازم کہ بر روئے تو می آید

جو بروایت بھگوان داس ہندی فرخ سیر کے سامنے فی البدیہہ کہا تھا۔ اُن کے زمانے میں قلعہ دہلی ناپاک سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا لیکن وہ ان ریشہ دوانیوں میں شریک نہیں ہوئے ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے چڑھائی کی تو محمد شاہ جنگ کرنے کے لیے کرنال تک گیا، تعاقب میں امیر الامرا افواج لے کر بطور کمک گئے، اور ۱۳ر فروری ۱۷۳۹ء - ۱۵ر ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ) کے ہنگامے میں بُری طرح زخمی ہوئے۔ انھیں زخموں نے ۱۷ر فروری (۱۹ر ذی قعدہ) کو ۶۱ سال کی عمر میں اُن کی جان لی۔ نادر شاہی حملے میں اُن کے بھائی مظفر خاں (جو اجمیر کے صوبہ دار رہ چکے تھے) اور تین بیٹے بھی کام آئے۔ ایک بیٹے عاشور خاں نادری فوج کے ہاتھوں قید کر لیے گئے۔ رہائی کے بعد انھیں محمد شاہ نے باپ کا خطاب دیا اور ۱۱۶۰ھ میں میر آتش کا عہدہ دیا۔ عاشور خاں عالمگیر ثانی کے عہد میں امیر الامرا ہوئے اور کچھ دنوں بعد انتقال ہوا۔ (ماثر الامرا ج ۱/ ص ۸۱۹ تا ۸۲۳ تاریخ محمدی قلمی نسخہ رامپور۔ دمعاصر حصہ ۸/ ۱۱۷) سفینۂ ہندی/ ۶۵ گل رعنا/ ب ۱۰۲۔

اظہارِ افسوس کے بعد کہنے لگے کہ "اُن کے (علی متقی) مجھ پر بہت حقوق ہیں، ایک روپیہ روز میری سرکار سے اِس لڑکے کو دیا جائے"۔ میں نے (خواجہ محمّد باسط سے) التماس کیا کہ نواب صاحب اتنی مہربانی فرما رہے ہیں تو مجھے دستخط فرما کر بھی دے دیں تاکہ مُتصدّیوں کو چُون و چرا کی گنجایش نہ رہے، درخواست جو میں نے لکھ رکھی تھی جیب سے نکالی، اچانک خواجۂ مذکور کی زبان سے نکلا کہ "یہ قلمدان کا وقت نہیں ہے"۔ یہ سُن کر میں نے قہقہہ مارا، نواب نے میرے منھ کو دیکھا اور ہنسی کا سبب پوچھا، میں نے عرض کیا کہ "یہ فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر یہ فرماتے کہ قلمدان بردار حاضر نہیں، تو ایک بات تھی، یا یہ کہنا بھی ٹھیک تھا کہ یہ نواب کے دستخط کرنے کا وقت نہیں — "قلمدان کا وقت نہیں" کہنا تو نئی ترکیب ہے، قلمدان ایک لکڑی سے زیادہ نہیں، وہ وقت اور غیر وقت نہیں جانتا، جس شخص کو بھی حکم دیا جائے اُٹھا لائے گا"۔ نواب ہنسنے لگے اور بولے "معقول بات کہتا ہے"۔ غرض میری درخواست کو ردّ نہ کیا، قلمدان منگوایا، اور اُس عرضی کو دستخط سے مشرّف کیا۔ وہ بادشاہ کے دربار کا دن تھا، (نواب) کمر کس کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے بڑی عنایت سے رخصت کیا۔

اُسی زمانے تک کہ، نادر شاہ[۱] نے محمّد شاہ پر، جو اب فردوس آرام گاہ کے لقب سے مشہور ہیں، چڑھائی کی۔ اور نواب مذکور پیش جنگی کے سبب

---

[۱] نادر شاہ دُرّانی، ۹ر مارچ ۱۷۳۹ء کو فتح و ظفر مندی کا نقارہ بجاتا ہوا، دہلی میں داخل ہوا، ۱۱ر۱۲ر۱۳ر مارچ (۱۷۳۹ء) کو دہلی میں قتل عام کیا۔ جس میں تیس ہزار سے زائد انسان قتل ہوئے، ۵ر مئی کو ۵۸ دن قیام کرنے کے بعد اس حالت میں رخصت ہوا کہ آٹھ مغل تاجداروں کے جمع کیے ہوئے خزانے اُس کی مٹھی میں تھے اندازے کے مطابق ۷۰، ۸۰ کروڑ کے درمیان کی مالیت کا سونا، چاندی، ہیرے اور زرِ نقد وہ اپنے ساتھ لے گیا جو دس ہزار اونٹوں، دس ہزار گھوڑوں اور تین ہزار جنگی ہاتھیوں پر لادا گیا تھا۔

For details see;
Frazer: Nadir Shah, Sarkar: Fall of the Mughal Empire.

مارے گئے[۵۱]، وہ روزینہ مجھے ملتا رہا، (اسی سے) نان ونمک کھا کر گذارا کرتا تھا۔

پھر دہلی میں

اِس انقلاب[۵۲] (حملہ نادری) کے بعد پھر سنگ دل زمانے نے مجھے ستایا۔ اُن لوگوں نے جو درویش کی زندگی میں میری خاکِ کفِ پا کو سرمہ بناتے تھے اب مجھے نظروں سے گرادیا ناچار دوبارہ دہلی پہنچا[۵۳] اور (اپنے سوتیلے)

---

۵۱ مندرجہ ذیل اشخاص صمصام الدولہ کے ساتھ نادر شاہ کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے (۱۵؍ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ)

(۱) علی اسد خاں عرف میر کلو "از کبار امرائے ہند"
(۲) علی حامد خاں بن شیخ جان محمد رمال۔ از کبار امرائے ہند، عمر چہل وچند،
(۳) عاقل بیگ خاں کمل پوش بن ولی بیگ کمل پوش از اُمرائے ہند۔ عمر در عشرہ سابعہ
(۴) احترام خاں بن صمصام الدولہ۔ عمر بیست وچند
(۵) شہداد خاں خویشگی "از کبار اُمرائے ہند" عمر عشرہ سابعہ
(۶) میر بیگ مخاطب بیادگار خاں بن ضیا بیگ بلوچ۔ "از امرائے ہند، عمر قریب ۶۰
(۷) اصلح علی خاں خواجہ سرائے ثابت خانی از اُمرائے ہند
(۸) رتن رائے بن رائے خوش حال چند کا یتھ ماتھر "احد الاعیان"
(۹) عاقل بیگ بخشی منطقہ خاں (تاریخ محمدی نسخہ رامپور بحوالہ معاصر ۱۱۵/۱)

۵۲ مندرجہ ذیل اشخاص یکم ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ کو نادر شاہ کے قتل عام میں کام آئے:

(۱) خوش حال رائے کبر آبادی، طبیب حاذق عمر ۴۰
(۲) ثابت قدم خاں خویشگی "احد الاعیان" در عشرہ سادسہ
(۳) عبد الرحیم خاں مخاطب بہ رحیم داد خاں "احد الاعیان" عمر پنجاہ وچند
(۴) قاسم حسین خاں بن قاسم حسین خاں بن میر کلاں "احد الاعیان"
(۵) جمال اللہ خاں عمر تخمیناً ۶۰ سال
(۶) میر مبارک خاں بن میر امام امام الدین خاں خویشگی "احد الاعیان" عمر تقریباً ۵۰
(۷) سعید نبی خاں پوربی
(۸) بوعلی خاں بن بوعلی خاں شیرازی
(۹) شیخ محمد عابد علوی لاہوری خوشنویس نستعلیق (تاریخ محمدی [illegible])

۵۳ قاضی عبد الودود صاحب فرماتے ہیں: میر نے وفات محمد [illegible] مقیم ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ دلی سے آگرہ کب واپس گئے وہاں سے [illegible] حال البتہ تحریر کیا ہے، میر نے حملہ نادری اور قتل عام کی کیفیت مطلقاً نہیں بیان کی [illegible]

بڑے بھائی کے ماموں، سراج الدین علی خاں[۵] آرزو کے احسانات کا بھاری بوجھ اٹھایا یعنی کچھ مدّت اُن کے ساتھ رہا اور یارانِ شہر سے چند کتابیں پڑھیں۔ جب اس قابل ہوگیا کہ کسی کا مخاطبِ صحیح بن سکوں تو بھائی کا خط (اپنے ماموں کے نام) پہنچا کہ "میر محمّد تقی فتنۂ روزگار ہے اِس کی تربیت ہرگز نہ کرنی چاہیئے بلکہ دوستی کے پردے میں اس کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔" وہ عزیز (آرزو) پکّے دنیادار تھے، اپنے بھانجے کی عداوت دیکھ کر میرا بُرا چاہنے لگے، اگر میں سامنے پڑ جاتا تو پھٹکارنے لگتے، اور بچ بچ کر رہتا تو سیدھیاں سُناتے، ہر وقت اُن کی نگاہیں میرے پیچھے پڑی رہتیں اکثر دشمنوں کا سا برتاؤ کرتے، کیا بیان کروں کہ میں نے اُن سے کیا پایا، کس طرح کہوں مجھ پر کیا حالت گذری، ہر چند اپنا منھ بند رکھتا، اور لاکھ احتیاج میں بھی اُن سے کبھی ایک رُپیہ تک نہ مانگتا، مگر وہ بُرا بھلا کہنے سے باز نہ آتے تھے۔ اُن کی دشمنی کا ماجرا اگر تفصیل سے بیان کروں تو ایک علیحدہ دفتر درکار ہے۔ میرا دُکھا ہوا دل اور بھی زخمی ہوگیا۔

جنون

اور میں پاگل ہوگیا، میرا کُڑھا ہوا دل اور بھی کُڑھنے لگا۔ وحشت پیدا ہوگئی جس حجرے میں رہتا تھا اُس کا دروازہ بند کر لیتا اور اِس ہجومِ غم میں تنہا بیٹھ جاتا، جب چاند نکلتا تو (گویا) قیامت سر پر آتی تھی، اگرچہ اُس وقت سے

اگر ن؟ در کے شاہد یہی ہوتے تو معاملہ برعکس ہوتا۔ صمصام الدولہ کا وطن آگرہ تھا اور اُن کے لیے اس میں ذ؟ہی دشواری نہ تھی کہ روزینہ آگرے ہی میں ملنے کا انتظام کر دیں۔ میرا خیال ہے کہ روزینہ مقرر ہونے کے بعد آگرے واپس گئے اور پھر نادرگردی ختم ہوگئی تو دلی آئے۔" (معاصر حصّہ ۹)

[۵] میر اور خان آرزو کے تعلقات کی بحث مقدمہ کتاب میں کی گئی ہے۔ آرزو کے حالات و تصانیف کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ معاصر حصّہ ۹

میر نے "خالوے برادرِ کلاں" لکھا ہے (ذکرِ میر/۶۳) برادرِ کلاں سے مراد محمّد حسن ہیں جو میر کے سوتیلے بھائی تھے، خالو ماموں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اردو کے معروف معنوں (شوہرِ خالہ) میں نہیں۔

جب منھ دُھلاتے وقت دایہ "چاند چاند" کہتی اور میں آسمان کی طرف دیکھتا تھا، چاند پر نظر کرتا تھا، لیکن نہ اِس حد تک کہ دیوانگی کی نوبت آجائے اور وحشت اتنی بڑھ جائے کہ (لوگ مجھ سے) ڈر کر میری کوٹھری کا دروازہ بند کر دیں اور میری صحبت سے دور بھاگنے لگیں!

(نقل تحفہ) چاندنی رات میں ایک پیکرِ خوش صورت، کمال خوبی کے ساتھ کرۂ قمر سے میری طرف بڑھتا اور مجھے بے خود کر دیتا تھا۔ جدھر بھی میری آنکھ اُٹھتی اسی رشکِ پری پر پڑتی، جس طرف بھی دیکھتا تھا، اُسی غیرتِ حور کا تماشا کرتا تھا۔ میرے گھر کے در و بام اور صحن (گویا) ورقِ تصویر ہوگئے تھے۔ یعنی شش جہت میں وہی حیرت افزا (چہرہ) نظر آتا، کبھی چودھویں کے چاند کی طرح سامنے ہوتا، کبھی منزلِ دل اس کی سیرگاہ ہوتی اگر گلِ ماہتاب پر نظر پڑ جاتی تو گویا جانِ بے تاب میں آگ سی لگ جاتی۔ ہر رات اُس سے صحبت رہتی اور ہر صُبح اُس بن وحشت رہتی، جب سفیدۂ سحر نمودار ہوتا تو وہ جلے دل سے ٹھنڈی آہ بھرتی، یعنی ایک آہ بھر کر چاند کی طرف واپس ہو جاتی، میں تمام دن جنون کرتا اور اس کی یاد میں دل کو خون کرتا، دیوانہ و مست کے مانند کف برلب ہاتھوں میں پتھر لیے پھرتا، میں اُفتاں و خیزاں اور لوگ مجھ سے گریزاں۔

چار مہینے تک وہ گلِ شب افروز نت نئے گل کھلاتا رہا ... نئے فتنۂ خوں سے قیامت ڈھاتا رہا۔ ناگاہ موسمِ بہار آیا، جنون کے داغ اور بھی ... یعنی میں آسیبی سا ہوگیا اور مطلق کسی کام کا نہ رہا۔ بس وہ خیالی صورت ... اُس کی مشکیں زلفوں کا دھیان سر میں ... ہوگیا یعنی ... ہوگیا۔

فخر الدین خاں کی بی بی نے جو درویش (والدہ) کی ... تھیں اور ...

رکھتی تھیں (میرے علاج میں) بہت رُپیہ خرچ کیا۔ سیانوں نے جھاڑ پھونک کی، طبیبوں نے فصد کھولی۔ طبیبوں کی تدبیر سے فائدہ ہوا، خریف کا موسم آیا، اور بہار رخصت ہوئی تو جنون بھی گھٹ گیا۔ وہ نقش جو وہم نے بٹھایا تھا صفحۂ دل سے مٹ گیا، جُنون سے جو سبق پڑھا تھا فراموش ہوگیا۔ اب زبان سکوت سے آشنا ہوگئی یعنی پریشاں گوئی موقوف ہوگئی۔ دماغ کو مرطوب کیا گیا تو نیند بھی آگئی، گئی ہوئی طاقت پھر لوٹ آئی یعنی میں (اصلی) حالت میں آگیا اور بدخوابی جاتی رہی اور وہ چہرۂ مہتابی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔ کچھ مدّت بعد پوری طرح صحّت یاب ہوگیا اور "ترسّل" پڑھنا شروع کر دیا۔

میر جعفر

(نقل) میں ایک دن سر بازار، ایک کتاب کا جُزو ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا، میر جعفر نامی ایک جوان اُدھر سے گذرے اُن کی نظر مجھ پر پڑی تو تشریف لائے اور ذرا توقف کرکے کہنے لگے: "اے عزیز معلوم ہوتا ہے تمھیں پڑھنے کا شوق ہے، میں بھی کتاب کا کیڑا ہوں، لیکن کوئی مخاطب نہیں ملتا، اگر تمھیں شوق ہو تو کبھی کبھی آجایا کروں" میں نے کہا: "میں کسی خدمت کی استطاعت تو نہیں رکھتا اگر محض خدا واسطے آپ یہ زحمت گوارا کریں تو عین بندہ نوازی ہے۔" کہنے لگے "اتنا ہے کہ جب تک تھوڑا سا ناشتا نہ مِل جائے میں گھر سے قدم نہیں نکالتا۔" میں نے کہا: "(یہ مشکل) خدائے کریم آسان کر دے گا، اگرچہ میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔" اُنھوں نے اُس نسخۂ پریشاں کے پاورق کو اگلے سر صفحوں کے مطابق کرکے مجھے دیا اور چلے گئے۔ اُس دن سے اکثر اُس آدم صورت، فرشتہ سیرت انسان سے ملاقات ہوتی وہ نہایت مہربانی سے مجھے پڑھاتے، یعنی اپنا دماغ کھپاتے اور مجھے کچھ سکھاتے، میں بھی تا بہ مقدور اُن کی خدمت کرتا یعنی جو کچھ میسّر تھا اُن کے لیے خرچ کرتا، ناگاہ اُن کے وطن یعنی عظیم آباد سے ایک خط آیا اور وہ بادل ناخواستہ

اُدھر چلے گئے۔

سیّد سعادت علی
قبل ۱۱۵۷ھ

پھر کچھ مدّت بعد میں سعادت علی نامی ایک سیّد سے ملا جو امروہہ کے تھے اُس عزیز نے مجھے ریختہ موزوں کرنے کی تکلیف کی، جو شعر ہے، شعرِ فارسی کی طرح "اُردوے معلّاے بادشاہ ہندوستان کی زبان میں، اور اُس وقت رواج پا رہا تھا، میں نے سخت محنت کی اور اپنی مشق اِس درجے تک پہنچا دی کہ موزونانِ شہر کے لیے مستند ہوگیا۔ میرے شعر تمام شہر میں مشہور ہوگئے اور خُرد و بزرگ کے کانوں تک پہنچ گئے!

رعایت خاں کی ملازمت
۱۱۶۰ھ

ایک دن ماموں نے مجھے کھانے پر بلایا۔ اُن سے میں نے ایک تلخ بات سُنی اور بے مزہ ہوگیا کھانے میں ہاتھ ڈالے بغیر اُٹھ گیا، چوں کہ اُن سے مجھے کوئی منفعت تو پہنچ نہیں رہی تھی شام کو اُن کے گھر سے نکلا اور سیدھا جامع مسجد کا راستہ لیا۔ اتفاق سے راستہ بھول گیا اور حوضِ قاضی پر آنکلا، جو وزیر الممالک اعتماد الدولہ کی حویلی کے پاس ایک چھوٹی سی نہر ہے، یہاں میں نے پانی پیا۔ اس جگہ نعیم اللہ نامی ایک شخص میرے سامنے آیا اور بولا: "تم میر محمد تقی میرؔ ہو نا؟" میں نے کہا: "تم نے کیسے پہچانا؟" بولا: "تمھارا سودائیانہ انداز تو مشہور ہے! رعایت خاں[۵] جو عظیم اللہ خاں کا لڑکا اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کا بھانجا ہے، جب سے تمہاری طبع نکتہ انگیز کی کاوشیں اُس تک پہنچی ہیں تم سے ملاقات کا [illegible]

---

[۵] "نواب رعایت خاں ظہیر الدولہ عظیم اللہ خاں [illegible] جو بعد ازاں وہاں کا صوبیدار [illegible] عظیم اللہ خاں، رعایت خاں [illegible] خاں کی [illegible] اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کی تھی۔ رعایت خاں [illegible] سے شادی [illegible] تھی۔"

(تاریخ فرخ آباد، اُردو، ص [illegible])

اگر تم میرے ساتھ چل کر اُس سے ملو، تو میرے لیے بھی باریابی کا بہانہ ہو جائے گا۔" میں جا کر ملا۔ وہ آدمیت سے پیش آیا اور مجھے اپنا رفیق بنالیا۔ اُس (کی ملازمت) سے میں نے تمتّع کیا اور تنگ دستی کی قید سے چھوٹ گیا۔

دُرّانی کا حملہ ۱۱۶۱ھ

جس زمانے میں (احمد شاہ) دُرّانی لاہور آیا[۵۱] اور زکریا خاں کا لڑکا شاہ نواز خاں جو وہاں کا صوبیدار تھا بھاگ گیا، تو وزیر (قمرالدین خاں) اور صفدر جنگ اور راجا جے سنگھ، جو ایک بڑا زمیندار تھا، اس کا بیٹا

---

۵۱ احمد شاہ دُرّانی ہندوستان میں پہلی بار نادر شاہ کے ساتھ آیا تھا (۱۷۳۹ء) اور اُس نے مغل حکومت کی زوال آمادگی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اب اُسے لاہور سے شاہ نواز خاں نے دعوت نامہ بھیجا کہ اگر آپ ہندوستان پر حملہ کریں تو میں اس شرط پر آپ کی امداد کروں گا کہ بعد حصولِ فتح مجھے عہدۂ وزارت دیا جائے۔ احمد شاہ دُرّانی یہ دعوت نامہ پاتے ہی وسطِ دسمبر (۱۷۴۷ء) میں پشاور سے چل پڑا، اور ۸ر جنوری (۱۷۴۸ء) کو شاہدرہ (لاہور) پہنچا۔ اسی دوران میں نواب قمرالدین خاں نے جو شاہ نواز خاں کے ماموں ہوتے تھے، اُس کے خطرناک ارادے سے آگاہ ہو کر امداد دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دُرّانی نے شاہ نواز خاں کو دوبارہ ہموار کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود رہی، مگر اس نے پیش قدمی جاری رکھی اور ۱۰ر جنوری کو راوی سے اپنی فوجیں اُتار کر شالامار باغ میں خیمہ زن ہوا۔ ۱۱ر جنوری کو دونوں فوجوں میں جھڑپ ہوئی اور شاہ نواز خاں بھاگ گیا۔ جب قلعہ دہلی میں لاہور فتح ہو جانے کی خبر پہنچی، تو محمد شاہ نے جو اُن دنوں بیمار تھا، شہزادہ احمد شاہ اور نواب قمرالدین خاں اور راجا جے سنگھ سوائی والیِ جے پور کے لڑکے ایشر سنگھ وغیرہ کی نگرانی میں دو لاکھ فوج بھیجی جو ۲۵ر فروری (۱۷۴۸ء) کو سرہند پہنچی، ادھر سے یہ لوگ ذرا آگے بڑھے تھے کہ لدھیانہ کے راستے سے دُرّانی ۲ر مارچ کو سرہند پر قابض ہو گیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ۲۲ر مارچ (مطابق ۲۲ر ربیع الاوّل ۱۱۶۱ھ جمعہ) کو وزیر قمرالدین خاں اپنے خیمے میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک گولا آکر لگا جس سے وہ فوراً مر گئے۔

مُعین الملک نے اِس خبر کو صیغۂ راز میں رکھا اور خود نواب قمرالدین کے ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلے کے لیے نکلا۔ اتفاق سے دُرّانی کے توپ خانے کی بارود میں آگ لگ گئی اور اُس کی فوج کے ہاتھی بھاگنے لگے اور ایک ہزار فوج جل کر بھسم ہو گئی مجبوراً دُرّانی کو میدان چھوڑنا پڑا، اور شاہی فوج نے میدان مار لیا۔ اِس کی تاریخ "فتحِ خداساز" (۱۱۶۱ھ) نکلتی ہے۔

۹ر اپریل (۱۷۴۸ء) کو دلی سے محمد شاہ کا فرمان پہنچا جس میں فوج کو واپس آنے کی ہدایت اور مُعین الملک کے نام لاہور کی گورنری کا حکم تھا۔ معین الملک اپنی وفات ۳ر نومبر ۱۷۵۳ء

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایشر سنگھ شہزادہ احمد شاہ کو ساتھ لے کر اُس سے جنگ کرنے نکلے۔ سرہند کے اُس طرف وزیر (نواب قمر الدین خاں) کے گولا لگا، اور زمیندار مذکور (ایشر سنگھ) کے پانوٗ اکھڑ گئے۔ معین الملک جو وزیر شہید کا لڑکا تھا، اور صفدر جنگ شہزادہ احمد شاہ کو سوار کر کے افغانوں سے بھڑ گئے، ہیں اس سفر میں خان مذکور (رعایت خاں) کے ساتھ تھا اور خدمات انجام دے رہا تھا۔ جب افغانوں کی فوج بُری طرح ہار کر بھاگی تو معین الملک لاہور کا گورنر ہوگیا اور خان مذکور (رعایت خاں) عضوِ معطّل کی طرح اُس کی رفاقت چھوڑ کر صفدر جنگ کے ساتھ شہر (دلّی) کو روانہ ہوگیا۔

محمد شاہ کا انتقال

ربیع الثانی ١١٦١ھ

پانی پت کے قریب جو دہلی سے چالیس کوس کے فاصلے پر ایک مشہور شہر ہے، یہ خبر پہنچی کہ محمد شاہ[۵] کا انتقال ہوگیا۔ (اس خبر) سے عالم میں تہلکہ مچ گیا۔ صفدر جنگ نے بڑے تفاخر

تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کے بعد اُس کی بیوی مغلانی بیگم نے صوبے کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر عماد الملک نے اُسے معزول کر کے آدینہ بیگ خاں کو مقرر کر دیا۔ اور مغلانی بیگم نے احمد شاہ دُرّانی کو مال و متاع کا لالچ دے کر پھر ہندوستان آنے کے لیے لکھا۔

۵ محمد شاہ (روشن اختر) ۷ اگست ۱۷۰۲ء کو پیدا ہوا اور ستمبر ۱۷۱۹ء مطابق ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ ۲۶ اپریل ۱۷۴۸ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ کو اس نے انتقال کیا۔ اور اُس کی جگہ احمد شاہ اُس کا لڑکا بائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ وہ ادھم بائی کے بطن سے تھا جو "مان خاں قوال کی بہن تھی۔ احمد شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد اُس کو نواب بائی [illegible] دیا۔ کچھ تھوڑے دنوں کے بعد نواب قدسیہ صاحب الزماں خطاب ہوا۔ [illegible] ادھم بائی جاوید خاں پر بہت مہربان تھی اسی لیے جاوید خاں کو عروج حاصل ہوا۔ وہ ہفت ہزاری منصب تک پہنچا۔ مغل خاندان کی تاریخ میں یہ پہلا خواجہ سرا تھا جسے اتنا بڑا اعزاز نصیب ہوا لیکن اُس کے برسرِ اقتدار آنے سے طبقۂ شرفا میں بہت سخت ہیجان اور ناراضگی پیدا ہوگئی تھی۔ قلعے کے ملازمین جاوید خاں اور نواب قدسیہ کی اہانت کرتے تھے شرفا نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا۔ آخر کار صفدر جنگ نے ۲۷ اگست ۱۷۵۲ء کو اُسے مروا ڈالا۔ احمد شاہ کو بھی (باقی برصفحہ [illegible])

سے چھتر اور تخت شاہی احمد شاہ کے حضور میں پیش کیا اور اُسے بادشاہ بنا دیا۔ وہ پورے کرّ و فر سے شہر میں داخل ہوا۔ اِس موقع پر جاوید خاں کو جو مرحوم بادشاہ (محمد شاہ) کا خواجہ سرا تھا نواب بہادر کا خطاب ملا۔ اور اختیاراتِ سلطنت اُس کے سپرد ہوئے ؎

ہر روز اختیارِ جہان پیشِ دیگریست
دولت مگر گدا است کہ ہر روز بر دریست[1]

صفدر جنگ کی وزارت ۱۱۶۱ھ

جب نظام الملک آصف جاہ نے دکن میں انتقال کیا تو وزارت کا منصب صفدر جنگ کو ملا اور سادات خاں ذوالفقار جنگ بخشی گری سے سرفراز ہوا۔ نئے وزیر کے وہ ٹھاٹھ باٹ تھے کہ ایسی شان و شوکت بادشاہ کو بھی نصیب نہ تھی۔ نئے بخشی (سادات خاں) نے راجا بخت سنگھ کو، جو بڑا تجربہ کار اور نام برآوردہ زمیندار تھا اور اُس کا بڑا بھائی ابھے سنگھ ریاست جودھ پور پر متمکّن تھا، صوبۂ اجمیر کی نیابت دے کر (بھائی کا) مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ راجا مذکور خان (رعایت خاں) کو فوج کا سردار بنا کر اپنے ساتھ لے گیا سانبھر کے قریب جو اجمیر سے بیس کوس اِدھر ایک مشہور قصبہ ہے، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور توپ خانے کی جنگ چھڑ گئی۔ فریق ثانی کے لوگوں نے جی چُرایا اور نمک حراموں کی طرح ایک دن بھی جی لگا کر نہ لڑے جان دینے کا تو ذکر ہی کیا! ناچار اُدھر کے رئیس (ابھے سنگھ) نے ملہار کو جو مرہٹوں کا نامی سردار تھا درمیان میں ڈال کر صلح کر لی اور واپس ہو گیا۔ یں صلح

عماد الملک نے اندھا کر کے تخت سے اُتار دیا اور عالمگیر ثانی کو اُس کی جگہ تخت نشین کر دیا۔

[1] (ترجمہ) دنیا کے اختیار (حکومت و اقتدار) ہر روز دوسروں کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، شاید دولت بھی فقیر ہے جو آئے دن کسی نہ کسی کے دروازے پر کھڑی رہتی ہے۔

کے بعد خواجۂ بزرگ[1] کی درگاہِ مبارک کی زیارت سے سعادت اندوز ہونے گیا، اور (اجمیر) کے اُس نواح کی سیر کرکے واپس آگیا۔

یہاں ایک بات پر چخ چخ ہوگئی، راجا بخت سنگھ نے ناک بھوں چڑھائی اور خان (رعایت خاں) سے اُس کی بگڑ گئی[2] ستار قلی خاں کشمیری نے جو ایک ہی بہروپیا تھا، اُسے خوب سُنائیں (اور دونوں میں) ٹھن گئی۔ خان نے اپنا موقع نہ دیکھ کر، اس بدکلامی کی معذرت کے لیے مجھے بھیجا۔ میں نے جاکر اُس کی جانب سے حلف اُٹھایا کہ آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔ مگر اُس کا دل صاف نہ ہوا۔ اور اس نے مہلت نہ دی۔ رسالے کے لوگوں کی تنخواہ کا حساب بے باق کرکے بھیج دیا اور وہاں سے خیر باد کہا۔ بارے بخیر گذر گئی، خان بھی اس سے دست بردار ہوکر شہر (دلّی) آگیا۔ اور کچھ دن گھر بیٹھا رہا۔

میری بے دماغی

(نقل) ایک چاندنی رات میں خان کے سامنے ڈوم کا لڑکا مہتابی پر بیٹھا گا رہا تھا۔ (خان نے) جب مجھے دیکھا تو کہنے لگا: "میر صاحب اِسے اپنے دو تین شعر ریختہ کے رٹا دیجیے پھر

---

[1] حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری مراد ہیں، جو سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں اُن کی ولادت ۵۳۵ھ (۱۱۴۱ء) میں ہوئی۔ وہ خراسان اور بغداد ہوتے ہوئے ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں دلی آئے پھر اجمیر تشریف لے گئے وہیں مدت العمر قیام رہا۔ ۶۳۳ھ (۱۲۳۰ء) میں انتقال فرمایا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُن کے مشہور خلیفہ ہیں۔ خواجہ بزرگ کی طرف کچھ تصانیف بھی منسوب ہیں لیکن وہ محقق نہیں (رک: [illegible] فاروقی: [illegible]) ایک دیوان بھی [illegible] وہ دراصل معین الدین مسکین ساکن ہرات و مصنف معارج النبوۃ کا [illegible] مقالات [illegible]) "درگاہ اجمیر کی زیارت" بقول قاضی عبدالودود میر کے "وسعت مشرب کی دلیل نہیں ہوسکتی بخوبی ممکن ہے کہ میر خواجہ اجمیر کو اپنا ہم مشرب سمجھتے ہوں" (معاصر ۱۴ ص ۹۹)

[2] مولوی عبدالحق مرتب ذکرِ میر نے اس موقع پر عنوان دیا ہے: "سادات خاں ذوالفقار جنگ اور بخت سنگھ کی نزاع" لیکن سیاق و سباق کی روشنی میں یہ غلط ٹھیرتا ہے۔ "خان" سے میر کی مراد رعایت خاں ہے۔ سادات خاں نہیں!

یہ لڑکا انھیں بستہ نگار (راگ) کی دُھن میں بٹھا کر گا لے گا۔" میں نے کہا: "میں اس گون کا آدمی نہیں ہوں،" کہنے لگا: "تمھیں میرے سر کی قسم"۔ چوں کہ نوکری کا معاملہ تھا، طوعاً و کرہاً تعمیل کی اور پانچ شعر ریختہ کے اُسے یاد کرا دیے۔ مگر یہ بات میری طبعِ نازک پر بہت گراں گزری۔ آخر دو تین دن بعد خانہ نشین ہو گیا اُس نے ہر چند لطف کیا، نہیں گیا اور وہ نوکری چھوڑ دی۔ مگر اُس شخص کی ذاتی مروّت نے فقیر کو ناکام دیکھنا گوارا نہ کیا۔ میرے بھائی محمد رضی کو، میری رفاقت کے پیشِ نظر، اپنے پاس سے گھوڑا دے کر نوکر رکھ لیا۔ جب ایک مدت کے بعد میں جا کر ملا تو اُس نے بہت عذر خواہی کی۔ میں نے کہا: "گزشتہ را صلوٰۃ!"

نوّاب بہادر

جب اِس پر بھی کچھ مدت گزر گئی تو میں نے نوّاب بہادر کے ہاں ملازمت تلاش کی اور نوکر ہو گیا، اسد یار خاں[۱] نے جو اُس کی فوج کا بخشی تھا، میرا احوال سنا کر گھوڑے اور نوکری کی تکلیف معاف کرادی۔ وہ (نوّاب بہادر) میرا حد سے زیادہ لحاظ کرتا تھا اور میری امداد و اعانت کرتا رہتا تھا۔ خدا اُسے خیر دے۔

فرخ آباد کا سفر
شوال ۱۱۶۳ھ

جن دنوں محمد خاں بنگش کا لڑکا قائم خاں روہیلوں کی جنگ میں مارا گیا اور صفدر جنگ اُس کے گھر کی ضبطی کے لیے روانہ ہوا[۲]۔ میں بھی ایک تقریب سے اسحاق خاں نجم الدولہ کے ساتھ

---

[۱] اسد یار خاں (احمد شاہی) لطف علی خاں کے بیٹے تھے اور اُن کے باپ کے متعلق میر الانصار مصنفہ باقر علی خاں پانی پتی میں درج ہے کہ: "از سرکارِ احمد شاہ سبب وساطتِ نواب بہادر خدمت خانِ سامانی بہ لطف علی خاں بخشی گری بہ اسد یار خاں مفوض شد" اس کتاب میں ان دونوں کے اور بھی حالات ہیں۔ (معاصر ۱/ ۱۸۷) [۲] نواب قائم خاں بنگش (والیِ فرخ آباد) سے صفدر جنگ کی پرانی عداوت تھی اور وہ بنگش خاندان کو ملیا میٹ کرنے کے منصوبے بہت دنوں سے بنا رہا تھا آخر اُس نے یہ ترکیب کی کہ روہیل کھنڈ کی گورنری کا فرمان بادشاہ سے لکھوا کر (باقی بر صفحہ آیندہ)

اُس طرف کی سیر کرنے چلا گیا۔ چوں کہ قائم خاں کے چھوٹے بھائی احمد خاں سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ وزیر کی فوج نے منھ کی کھائی اور اسحاق خاں مارے گئے۔ میں اُس ہارے ہوئے لشکر کے ساتھ بڑی زحمت اُٹھا کر پھر شہر (دلّی) واپس آگیا۔[1] وزیر نے دوبارہ لشکر کشی کی اور افغانوں کو پچھاڑ کر پوری ظفرمندی

قائم خاں کے نام بھیج دیا اور یہ لکھ دیا کہ اس علاقہ پر تم قبضہ کر لو۔ نواب علی محمد روہیلہ کا انتقال ہو چکا تھا (۱۱۶۲ھ) اور حافظ رحمت خاں اُن کے علاقے کا انتظام کر رہے تھے۔ نواب سعداللہ خاں کو اُنھوں نے علی محمد روہیلہ کے مسند پر بٹھا رکھا تھا۔ حافظ رحمت خاں نے قائم خاں کو بہتیرا سمجھایا کہ روہیل کھنڈ پر حکومت کرنے کا خیال ذہن سے نکال دو۔ یہ صرف صفدر جنگ کی ایک چال ہے اور وہ اِس طرح خاندانِ بنگش اور روہیلوں میں عداوت و نفاق کا بیج بونا چاہتا ہے، مگر صفدر جنگ کی شہ پر قائم خاں نے پیش قدمی جاری رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مارا گیا (۱۵ ذی الحجہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۷۴۹ء) حافظ رحمت خاں نے اس کی نعش فرخ آباد بھجوا دی۔

اب صفدر جنگ دلی سے فرخ آباد پر قبضہ کرنے کی نیت باندھ کر نکلا (۳۰ ذی الحجہ ۱۱۶۲ھ) اور قائم خاں کی والدہ کو دھوکا دے کر اپنے خیمے میں بلوایا اور اُسے مع چھ فرزندوں کے گرفتار کر کے اُس کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ پھر راجا نول رائے کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے واپس آگیا۔

اِدھر قائم خاں کے بھائی احمد خاں نے رستم خاں آفریدی کی مدد سے فوج جمع کی اور راجا نول رائے کو قتل کر کے اُس کی فوج کو لوٹ کھسوٹ کر مار بھگایا۔

یہ سن کر صفدر جنگ آگ بگولا ہو گیا اور اسّی ہزار فوج لے کر دلی سے نکلا (۲۳ جولائی ۱۷۵۰ء) سورج مل جاٹ، نجم الدولہ اسحاق خاں وغیرہ اُس کی مدد کے لیے ہمراہ تھے۔ میر بھی اسی لشکر میں اسحاق خاں کے ساتھ گئے تھے۔ چٹونی (متصل سہاور) کے مقام پر فرخ آباد سے چند کوس اِدھر میدان کارزار گرم ہوا۔ اسحاق خاں مارا گیا اور صفدر جنگ بھی زخمی ہوا۔ فوجیں بری طرح پسپا ہو کر دلی آگئیں۔

۱۷۵۱ء میں صفدر جنگ نے ملہار راؤ ہلکر اور اپا سیندھیا مرہٹہ سرداروں کو پچیس لاکھ یومیہ کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور دو لاکھ فوج لے کر دوبارہ فرخ آباد پر حملہ کیا۔ اس بار احمد خاں بنگش کو شکست ہوئی لیکن اس شرط پر صلح ہو گئی کہ احمد خاں، صفدر جنگ کو پچاس لاکھ روپے بطور تاوانِ جنگ اور پانچ لاکھ شاہی خراج ادا کریں گے۔

[تاریخ فرخ آباد: اردوئے وحیات حافظ رحمت خاں]

[1] ۲۹ شوال ۱۱۶۳ھ (خزانہ عامرہ ۵/۹۳) مطابق ۳۰ ستمبر ۱۷۵۰ء۔

کے ساتھ حضور (شاہ) میں آیا۔[1]

غازی الدین فیروز جنگ ۱۱۶۵ھ

جن دنوں ذوالفقار جنگ میر بخشی، نواب بہادر کی دشمنی کے باعث اپنے عہدے سے معزول ہوا اور امیر الامرائی کا منصب غازی الدین خاں فیروز جنگ پسرِ آصف جاہ کو ملا۔ وہ صوبۂ دکن کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں ہیضہ کر کے مر گیا۔[2] بخشی گری کی خلعت اُس کے بیٹے عماد الملک نے پہنی۔ بندہ لوگوں سے میل جول بند کر کے مُطوّل پڑھنے میں لگ گیا۔

مہانراین دیوان وزیر کی ملازمت ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ

جب صفدر جنگ نے دھوکا دے کر نوّاب بہادر (جاوید خاں) کو مروا ڈالا،[3] ایک عالم درہم برہم ہو گیا، میں بھی بے روزگار ہو گیا۔ وزیر کے دیوان، مہانراین نے اپنے داروغۂ دیوان خانہ میر نجم الدین[4] علی سلاؔم کے ہاتھ جو میر شرف الدین علی پیاؔم کے بیٹے تھے، (میرے لیے) کچھ بھیجا، اور بڑے اشتیاق سے مجھے بُلایا۔ میں اُس کے دامن سے وابستہ ہو گیا اور کچھ مہینے فراغت سے بسر ہو گئے۔

ابھی مظلوم خواجہ سرا کے خون کا قضیہ ختم نہیں ہوا تھا کہ زمانے نے ٹھوکر لگا کر

---

[1] جمادی الاولی ۱۱۶۴ھ (خزانۂ عامرہ/۸۳) [2] ۷ رذی الحجہ ۱۱۶۵ھ (خزانہ عامرہ/۵۰) یہ راستے میں نہیں بلکہ اورنگ آباد جانے کے ۱۷ دن بعد مرا تھا۔ [3] ۲۷ راگست ۱۷۵۲ھ مطابق ذیقعدہ ۱۱۶۵ھ (خزانۂ عامرہ/۸۵)

[4] نجم الدین علی سلاؔم، عہد محمد شاہی میں اردو کے مشہور شاعر شرف الدین علی پیاؔم کے بیٹے تھے۔ پیاؔم اکبر آباد کے رہنے والے تھے خان آرزو سے اِن کی دوستی تھی۔ تقریباً سولہ سال انند رام مخلص کے ہم صحبت رہے خوشگو کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور باہم معارضے کرتے تھے۔ ۲۸ محرم ۱۱۵۶ھ کو انتقال کیا۔ اور دہلی میں دروازہ شاہ مردان کے قریب دفن ہوئے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا۔ انشا میں بھی دسترس تھی۔ سلاؔم کا ترجمہ نکات الشعراء میں موجود ہے (رک: مجمع النفائس: سراج الدین علی خاں آرزو۔ سفینۂ ہندی بھگوان داس ہندی/۲۷ سفینۂ خوشگو: بندرابن خوشگو۔ ذکات الشعراء۔ نوائے ادب جلد ۸ شمارہ ۳-۴۔ سخن شعرا/۲۱۸۔ معاصر ۱/۱۲۲-۱۲۳۔ مرآۃ الاصلاح: انند رام مخلص۔ ورق ۱۵۸۔ الف۔

ایک اور فتنہ جگا دیا اور نیا ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ یعنی وزیر کو کچھ شبہات پیدا ہوئے اور اُس نے بادشاہ سے بغاوت کر دی۔ ہر چند صلح کی کوشش کی گئی، مگر اُس نے امارت کے گھمنڈ میں اپنا سر نیچا نہیں کیا۔ مجبوراً بادشاہ نے اُسے سزا دینے کا ارادہ کیا۔ آخر وہ (صفدر جنگ) شہر سے نکل کر اپنے خداوندِ نعمت (احمد شاہ) سے جنگ کرنے پر تُل گیا[1]۔ ادھر عماد الملک نے جو آصف جاہ کا پوتا اور منصب بخشی گری پر مامور تھا۔ نیز اُس کے ماموں اور اعتماد الدولہ (قمر الدین خاں) شہید کے لڑکے انتظام الدولہ اور شاہی فوج کے دوسرے سرداروں نے شہر کی حفاظت کی۔ پُرانا شہر سب لُٹ گیا۔ چھ مہینے تک جنگ جاری رہی۔ اگرچہ اُس کے مقابلے کی اُن میں سکت نہیں تھی، لیکن شاہی فوج کے لوگوں نے ایسی جی توڑ کوشش کی کہ میدان مار لیا، اور باغی وزیر کے پانو اُکھڑ گئے۔ مجبور ہو کر اُس نے صلح کا پیغام بھیجا۔ بادشاہ نے اُس کی شکست کو غنیمت جان کر اُسے صوبہ (اودھ) کی دستوری مرحمت کر دی۔ وزیر انتظام الدولہ ہوا[2]۔

امیر خاں کی حویلی میں (محرم ۱۱۶۷ھ)

انھیں دنوں زمانے کی نامساعدت سے (تنگ آکر) میں نے ماموں (سراج الدین علی خاں آرزو) کی ہمسائگی ترک کر دی یہ سوچ کر کہ وہ مجھے ہلکی نظر سے دیکھیں گے۔ اور امیر خاں[3] مرحوم کی حویلی میں سکونت اختیار کی، جو محمد شاہی عہد کے بڑے امیر تھے الہ آباد کی صوبہ داری اور سلطنت کی دکھتی رگ اُن کے ہاتھ میں تھی تخلص

---

[1] رجب ۱۱۶۶ سے تقریباً ذی الحجہ ۱۱۶۶ تک (خزانۂ عامرہ ۱۶)۔ [2] صفدر جنگ محرم ۱۱۶۶ھ (نومبر ۵۲ ۱۷ء) میں صوبہ اودھ کی وزارت کا خلعت لے کر دلی سے روانہ ہوا اور اسی سال ذی الحجہ [illegible] (مطابق ۵ اکتوبر ۵۴ ۱۷ء) کو اُس نے وفات پائی۔ انتظام الدولہ نواب قمر الدین خاں کا بیٹا تھا یہ مارچ ۵۳ ۱۷ء میں عہدہ وزارت پر متمکن ہوا اور مئی ۵۴ ۱۷ء تک [illegible] عماد الملک نے اُسے قتل کرا دیا تھا۔ (خزانۂ عامرہ ۱۶)

اُن کا انجام ہے۔ خوش سلیقگی اور طلاقتِ لسانی میں زبان زدِ عوام ہیں۔ محمد علی روہیلہ کی مہم (سر کرنے میں) اُنھیں کا ہاتھ تھا، اُنھوں نے ہی بادشاہ کو اُس پر چڑھا کر اُسے قید کیا تھا۔ آخر کار اپنے ایک ملازم کے ہاتھ سے دیوانِ خاص کے دروازے پر مارے گئے) (اُن کی حویلی میں منتقل ہوکر) میں "بلطائف الحیل" بسر کرتا رہا۔

عماد الملک نے تھوڑی ہی مدت میں زور فراہم کر لیا اور مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر صفدر جنگ کا ساتھ دینے کے جرم میں سورج مل پر چڑھائی کر دی جو ایک طاقتور زمین دار تھا۔ اور اُس کے قلعے کو مستقر بنا کر محاصرہ کر لیا اور اُسے پریشان کرنا شروع کیا۔ ملھار راؤ کا لڑکا اِسی جنگ میں مارا گیا۔ زمیندار مذکور (سورج مل) کی وزیر (صفدر جنگ) سے (خفیہ) خط و کتابت تھی یہی بات اِن دونوں کے نفاق کا سبب بنی۔ بادشاہ (بھی شہر سے) نکلا اور دریائے جمنا سے بیس میل اُدھر سکندر آباد کے قریب ڈیرے ڈالے۔ ایک دن شام کو خبر ملی کہ سردارانِ دکن اور عماد الملک نے سورج مل سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور اب وہ بادشاہی لشکر کو لوٹنے کے لیے لیس ہوکر چل پڑے ہیں بس پہنچا ہی چاہتے ہیں! بادشاہ نے صمصام الدولہ میر آتش اور چند دوسرے نمک حراموں کے کہنے میں آکر جو بخشی گری کے عہدے سے سازش کر چکے تھے، ناموس (بیگماتِ شاہی اور خواتین) کو بھی وہیں چھوڑا اور مضطرو سراسیمہ ہوکر بھاگ کھڑا ہوا، وہاں صبح ہوتے تک دکنی فوج آگئی اور لشکر کو بالکل لوٹ لیا۔ پھر اُن کے تعاقب میں آئے اور دریا (جمنا) کے اُس طرف خیمے نصب کیے۔

عالمگیر ثانی
شعبان ۱۱۶۷ھ

اب حکم ہوا کہ مردانِ بادشاہی میں سے کوئی قلعے میں نہ رہے، اگرچہ وہ نمک حرام تو پہلے ہی یہاں سے نکل بھاگے تھے۔ اس بندوبست کے بعد عماد الملک آیا اور اُس نے قلمدانِ وزارت سنبھال لیا۔ بدھو

وزیر (انتظام الدّولہ) مارے بزدلی کے کسی کونے میں جا دبکا۔ اور بادشاہ حواس باختہ ہوکر باغ کی طرف نکل گیا۔ کچھ دیر بعد غدّار ساتھیوں نے اُسے دھوکا دے کر پکڑ لیا اور اُس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر بہادر شاہ کے پوتے کو عالمگیر ثانی[1] کے نام سے تخت پر بٹھا دیا۔ بے حیثیت لوگ برسرِ اقتدار آگئے۔ جو کچھ ہوا بے جا ہوا ــــ صمصام الدّولہ جو عقل سے بالکل کورا تھا امیر الامرا بن بیٹھا۔ میں اس سفرِ وحشت اثر میں احمد شاہ کے ساتھ تھا۔ واپس آکر گوشہ نشین ہوگیا۔

ماموں کا سفر لکھنؤ
محرم ۱۱۶۸ھ

اُس زمانے میں کہ صفدر جنگ نے وفات[2] پائی اور صوبے (اودھ) کی ریاست اُس کے بیٹے شجاع الدّولہ کو ملی میرے ماموں (خانِ آرزو) لالچ کے مارے نکل پڑے یعنی شجاع الدّولہ کے لشکر میں اس توقع پر گئے کہ اسحاق خاں شہید کے بھائی وہاں ہیں وہ حقوقِ سابق کا خیال کرکے کچھ رعایت کریں گے۔ مگر کچھ اُن کے ہاتھ نہ آیا۔ قسمت کے دھکّے کھائے، وہیں مر گئے[3]۔ اُن کی نعش وہاں سے لاکر اُنھیں کی حویلی میں سپردِ خاک کی گئی۔

راجا جگل کشور
۱۱۶۹ھ

دو تین مہینے کے بعد راجا جگل کشور[4] جو محمد شاہ کے وقت میں وکیلِ بنگالہ تھے، اور بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے، مجھے گھر

---

[1] احمد شاہ کو ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء میں اندھا کرکے تخت سے اُتارا گیا۔ اور اُس کی جگہ عالمگیر ثانی کو ۵۵ سال کی عمر میں تخت نشین کیا۔ (۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ روز یکشنبہ) وہ جب سے فرخ سیر برسر اقتدار آیا تھا (۱۷۱۳ء) بہت غریبی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اُس نے مذہبی کتابوں اور تصوّف و تاریخ کا اچھا مطالعہ کیا تھا اور اورنگ زیب کی طرح نظم حکومت کرنا چاہتا تھا، مگر اُس کی ناتجربہ کاری اور اُس کے درباری امرا کی نااہلی نے اُسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر اُسے عماد الملک نے دھوکے سے قتل کرا دیا جس کا حال میرؔ نے آگے لکھا ہے۔

[2] ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ خزانۂ عامرہ ۹۶۔

[3] ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۷۵۶ء سہ شنبہ۔ (خزانۂ عامرہ/ ۱۱۹) "بعد چندگاہ" اُن کا بقیہ جسد دہلی لاکر اُن کی حویلی میں دفن کیا گیا تھا۔ اور بقول صاحب خزانۃ الغرائب "استخوانش بحضرت دہلی رسانیدند" قلمی نسخہ کتب خانہ حبیب گنج ورق ۵۱ الف۔ [4] "در نکتہ دانی و لطیفہ گوئی و خوش معاشی و یار باشی معروف بود" ... عہد محمد شاہ میں دربار دہلی (باقی بر صفحۂ آیندہ)

سے مُلا کر لے گئے اور اپنے اشعار پر اصلاح کرنے کو کہا۔ میں نے اصلاح کی قابلیت نہ دیکھی اور اُن کی اکثر تصنیفات پر خط کھینچ دیا۔

راجا ناگرمل ۱۱۷۰ھ

اُس زمانے میں راجا ناگرمل جو فردوس آرام گاہ کے عہد میں دیوانی خالصہ و تن پر فائز تھے[۱] نیابتِ وزارت پر سرفراز ہوئے۔ مہاراجگی اور عمدۃ الملکی کا خطاب پایا۔ چوں کہ وہ شہر کے مظلوموں کو اپنے گھر پناہ دیتے اور اُن کی فریاد سُنتے تھے، بہت سے لوگ اُن کے دشمن ہو گئے۔ اگر وہ دربار میں جاتے تو خود بھی بڑی احتیاط اور پورے طمطراق کے ساتھ (مسلّح ہو کر)، اُن کی فوج بھی چوکنّی رہتی۔ اِس طرح بدخواہوں کا فریب نہ کھاتے اور بڑے ٹھٹے سے بسر کرتے تھے۔ اِسی زمانے میں صمصام الدّولہ یعنی موجودہ میر بخشی سِل کے مرض میں (مبتلا ہو کر) مر گئے۔ اور اُن کا لڑکا جو محض بے حقیقت ہے اُن کے عہدے پر مقرّر ہوا۔

ابدالی کے حملے

اسی اثنا میں شاہ دُرّانی[۲] جو سرہند سے شکست کھا کر واپس ہو گیا تھا، اور ہندستان کا خیال برابر اُس کے سر میں سمایا

میں ناظم بنگالہ کا وکیل تھا۔ بادشاہ کے مزاج میں دخل تمام حاصل کر لیا تھا۔ اپنے بیٹے کی شادی بڑی دھوم سے کی تھی۔ خرابیِ دہلی کے بعد لکھنؤ گیا اور نواب شجاع الدّولہ کی ملازمت اختیار کی۔ وہاں سے پھر فرخ آباد چلا گیا۔ اُسے ایک موقع پر ہاتھی نے ہلاک کر ڈالا۔ [۱] محمد تقی میرؔ از مدّتے بسبب افراط و تفریطِ روزگار ... ہمراہِ ناگرمل کہ دیوان تن و دخیلِ پادشاہی بود در قلعۂ ڈیگ شنیدہ می شود۔۔ از غزلیاتِ تازۂ اُو ست کہ باین راقم الحروف نوشتہ ..." (قدرت اللہ شوق: تذکرہ طبقات الشعراء قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن۔ ورق ۸۶ ب تا ۹۲۔ الف۔ مشمولہ تین تذکرے مرتبہ نثار احمد فاروقی ص۱۱۳ اس تذکرے کا زمانۂ تصنیف ۱۱۹۶ھ ہے۔) [۲] احمد شاہ ابدالی دسمبر ۱۷۴۹ء میں پھر دریائے چناب پار کر کے ہندستان پر حملہ کرنے کی نیّت سے آ پہنچا تھا اُس نے معین الملک کو چہار محل (گجرات۔ اورنگ آباد۔ پسرور سیالکوٹ) کے خراج کے لیے لکھا جو محمد شاہ نے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کو دیے تھے معین الملک نے ابدالی کا یہ خط دہلی بھیج دیا جہاں سے اندرونی سازشوں کے شکار عیش پرست بادشاہ نے خراج ادا کرنے کا وعدہ لکھ بھیجا۔ معین الملک نے شاہی خط دکھا کر احمد شاہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہوا تھا بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ لاہور آیا۔ وہاں کے وضیع و شریف نے کون سا ستم تھا جو نہ جھیلا، اور کون سی جفا تھی جو نہ سہی۔ کوئی روکنے والا تو تھا نہیں، یعنی معین الملک پہلے ہی مغلوب ہو چکا تھا کچھ دنوں بعد گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

وہاں سے ابدالی نے شہر (دلی) کا قصد کیا اُس کی آمد آمد سُن کر یاروں کے اوسان خطا ہو گئے۔ بادشاہ اور وزیر سے کچھ نہ بن پڑا، آخر اس کی رسم پذیرائی کے لیے گئے اور قید ہو گئے۔ راجا ناگرمل، سعد الدین خاں خان ساماں وغیرہ جیسے بعض رئیسوں کے ساتھ اپنی حفاظت کے لیے سورج مل کے قلعوں میں چلا گیا۔ تقریباً ایک مہینے تک شہر میں رسد کی تنگی رہی۔ پھر شاہ (ابدالی) نے عالمگیر (ثانی) کو سلطنت سپرد کر کے وزیر (عماد الملک) کو اپنے ساتھ لیا اور آگرے کا رخ کیا۔ اُس کی فوجوں نے لوٹ مار شروع کر دی متھرا میں ...

کو ٹال دیا۔

لیکن ابدالی کو اندازہ تھا کہ موجودہ وقت میں یہ خراج ادا نہیں ہو سکے گا [illegible] جب معاملہ گڑبڑ ہو گیا اور وزیر نہ پہنچے تو احمد شاہ نے پہلے اپنے سفیر بھیجے [illegible] [illegible] کی ذمہ داری میں [illegible] ادا کر دیا [illegible] فوجوں سے [illegible] پورا کروں گا۔ ابدالی نے [illegible] منظور کر لیا۔ [illegible] معین الملک بھی پچاس ہزار فوج لے کر [illegible] کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن ابدالی دوسرے راستے سے لاہور کی طرف چل کھڑا ہوا۔ معین الملک جلدی سے لاہور واپس آیا۔ ابدالی نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور یہ چار مہینے تک جاری رہا۔ رسد کی پریشانی سے عاجز آ کر معین الملک نے ہتھیار ڈال دیے۔ [illegible] مارچ ۱۷۵۲ء۔ لیکن ابدالی معین الملک کی جرأت، شجاعت اور [illegible] سے اتنا خوش ہوا کہ لاہور کی گورنری اپنی طرف سے اُسے عطا کی۔ ابدالی نے [illegible] کشمیر فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی اور وہاں کے گورنر ابوالقاسم خاں کو شکست دے کر سکھ جیون لال کو اپنی طرف سے گورنر مقرر کر دیا۔

لاہور پر اس کے بعد معین الملک تقریباً ڈیڑھ سال تک اطمینان سے حکومت کرتا رہا۔ ۳ر نومبر ۱۷۵۳ء کو اچانک اُس کا انتقال ہو گیا۔

شہر (آگرہ) سے اٹھارہ کوس اِدھر بڑا بارونق اور آباد شہر تھا، قتلِ عام ہوا[۱]۔ جب ہوا متعفن ہوگئی تو شاہ (ابدالی) نے طاعون کے خوف سے سورج مل کے معاملے کو ملتوی کر کے دفعتاً کوچ کر دیا۔ اور محمد شاہ کی بیٹی سے اپنا عقد کر کے بالا بالا

[۱] جب معین الملک کا انتقال ہوگیا (۳ر نومبر ۱۷۵۳ء۔ محرم ۱۱۶۷ھ) تو اُس کی بیوی مغلانی بیگم نے صوبے کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مگر عماد الملک نے اُسے معزول کر کے آدینہ بیگ خاں کو حاکم مقرر کر دیا (مارچ ۱۷۵۶ء) مغلانی بیگم نے ابدالی کو بلا بھیجا۔

ابدالی قندھار سے چل کر ۲۰ر دسمبر (۱۷۵۶ء) کو لاہور پہنچا، اور ۱۰ر جنوری (۱۷۵۷ء) کو ستلج عبور کر کے بغیر کسی روک ٹوک کے ۲۸ر جنوری کو دلّی میں داخل ہوگیا۔ یہاں اُس کی فوجوں نے ایسی لوٹ مار کی اور دستِ ظلم و تعدّی دراز کیا کہ میرؔ نے اِس کتاب میں اُس کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں لکھا ہے۔

عماد الملک سے ابدالی نے زر و جواہر پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ اُس نے اپنے افلاس کا رونا رویا تو ابدالی نے اُسے اور اُس کے ملازموں کو ایذائیں دیں پھر انتظام الدّولہ طلب کیا گیا جو نواب قمرالدین خاں کا لڑکا تھا اور اُس سے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا اُس نے بھی لیت و لعل کی تو اُسے "چوبہائے قینچی" سے ایذا دینے کی دھمکی دی گئی جو ابدالی کے سامنے فرش پر لگی ہوئی تھیں۔ تب اُس نے کہا کہ شولا پوری بیگم کو خزانے کا علم ہوگا۔ یہ بیگم ایک وزیر (انتظام الدّولہ) کی ماں دوسرے (قمرالدین خاں) کی بیوی اور تیسرے وزیر (محمد امین خاں) کی بہو، اُسی وقت بلائی گئی اور اُسے دھمکایا گیا کہ ناخنوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی ورنہ قمرالدین خاں کے دفینے کا پتا بتاؤ! شولا پوری بیگم نے نشان بتایا تو سَو آدمیوں نے چھ گھنٹے لگاتار محنت کر کے قمرالدین خاں کا مکان کھود پھینکا اور ۱۶ لاکھ روپے نقد نیز بے شمار سونے چاندی کے ظروف نکال لیے (۴ر فروری ۱۷۵۷ء)۔

ہزاروں بے گناہ عورتوں کی عصمتیں اور ہزاروں امیروں کی دولت و عزت لوٹنے کے بعد احمد شاہ نے جنوب کی طرف کوچ کیا۔ ۳ر مارچ (۱۷۵۷ء) کو بلبھ گڑھ کا قلعہ فتح کیا۔ یہاں قتل و غارت کا وہ بازار گرم ہوا کہ سپاہی مقتولوں کے سروں کو نوٹوں کی طرح جمع کرتے اور صبح ہی اُن سروں کی گٹھریاں لے کر وزیر کے خیمے پر آجاتے تھے جہاں اُنھیں ایک سر پر پانچ رُپے انعام ملتے تھے۔ اور شرفا کی بہو بیٹیوں کی ایسی بے توقیری ہوئی کہ جن مُغویہ عورتوں سے ابدالی کے سپاہی زنا کرتے تھے اُن کی فریاد و فغاں سے راتوں کو کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔

اُدھر ابدالی نے نجیب خاں اور جہاں خاں کو فوجیں دے کر متھرا فتح کرنے بھیج دیا۔ وہاں بھی بے شمار ہندوؤں اور مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا، سارے بازار لوٹ لیے گئے۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

نکل گیا۔ عماد الملک آگرے کے نواح میں رہ گیا۔ نجیب الدولہ، جو صفدر جنگ کی لڑائی (کے زمانے) میں وزیر کا ملازم ہوا تھا، نمایاں ترقی کر کے میر بخشی اور مختارِ سلطنت بن گیا۔

نجیب الدولہ سے جھڑپ

اِدھر راجا ناگرمل دکن کے سردار (مرہٹوں) سے مل گیا۔ وزیر (عماد الملک) اور احمد خاں اور اُن (مرہٹوں) کو نجیب الدولہ پر چڑھا کر لے گیا۔ وہ (نجیب الدولہ) شہر بند ہو گیا۔ توپ خانے کی جنگ ہوئی۔ بعض سردار جو خود رائے تھے، ذرا سا غلبہ پا کر شہر کی لوٹ کا قصد کرتے تھے۔ راجا مذکور جس کا منشا وزیر کی نیک نامی

تمام مکان جلا دیے اور ہفتوں تک سڑکوں پر لاشیں سڑتی رہیں، اتنا خون بہایا گیا تھا کہ جمنا کا پانی سُرخ ہو گیا تھا۔

۱۲ مارچ کو جہاں خاں نے آگرے پر قبضہ کر کے بیس ہزار سے زائد انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

قتل و غارت کی زیادتی کا معمولی سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ فضا اس قدر متعفن اور پانی ایسا خراب ہو گیا کہ ابدالی کی فوج میں ہیضہ پھیل گیا اور اوسطاً ڈیڑھ سو سپاہی روز مرنے لگے۔ مجبوراً ۲۸ مارچ کو ابدالی نے پڑاؤ اٹھا دیے اور ہندستان سے چلے جانے کا قصد [illegible] احمد شاہ نے اپنے لڑکے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی ۱۶ سالہ لڑکی سے [illegible] میں اُس نے محمد شاہ کی لڑکی حضرت بیگم سے زبردستی اپنا نکاح پڑھوا لیا [illegible] سے ابدالی کا قافلہ قندھار کی طرف چلا تو مالِ غنیمت ۲۸ ہزار اونٹوں [illegible] بیل گاڑیوں پر لدا ہوا تھا۔ ساری فوج پیدل چل رہی تھی کیوں کہ اُن کی سواری [illegible] تھا۔ دلّی میں جانور عنقا کا حکم رکھتے تھے کیوں کہ ابدالی نے چلتے وقت دلّی میں [illegible]

اُس نے سرہند کے علاقے کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور عبد الصمد خاں کو [illegible] مقرر کیا۔ نجیب الدولہ کو اپنا مختار بنا کر دہلی میں چھوڑ [illegible] شاہ کو [illegible] اور جہاں خاں کو اُس کا نائب بنا کر قندھار واپس ہوا۔

یہاں میرؔ نے ابدالی کے تیسرے اور چوتھے حملے کو مخلوط کر دیا ہے۔

کے سوا کچھ نہ تھا، انھیں لُوٹ مار سے باز رکھتا اور کہتا تھا کہ تمھارا شہر کو لُوٹنا نامناسب اور بیہودہ ہے۔ دکنی فوج ایک جہان کی ناموس خاک میں ملا دے گی۔ تم تو ناتجربہ کار ہو، ایسا نہ ہو کہ شہر غارت ہو جائے اور بدنامی سر تھپ جائے! بہتر یہ ہے کہ ہم روہیلوں کو صلح کر کے (محاصرہ سے) نکال لیں اور شہر کو محفوظ رہنے دیں۔ پایانِ کار اُس نے نجیب الدّولہ سے صلح کر لی اور اُسے شہر سے نکال لائے وہ سہارن پور چلا گیا۔ جو اُس کی فوج داری میں تھا۔ وزیر اور اُس کے دوسرے ساتھی شہر میں داخل ہوئے دکنی فوج کو رخصت کر دیا۔ توپ خانے کی داروغگی راجا کے لڑکے (بہادر سنگھ) کو تفویض ہوئی اور احمد خاں میر بخشی ہو گیا۔

راجا جُگل کشور

ایک دن میں نے راجا جگل کشور کے سامنے روزگار کی شکایت کی، وہ عزیز شرم سے پیلا پڑ گیا، کہنے لگا: "میں خود مفلس ہوں اگر کچھ بھی ہوتا تو ہرگز دریغ نہ کرتا۔" ایک دن سوار ہو کر راجا ناگرمل کے ہاں گیا اور میرا تعارف کرا کے ملوا کے بھیجا۔ مل گیا اور اُس کے وسیلے سے ملاقات کی، بہت لُطف و عنایت سے پیش آیا، کہنے لگا: "دعوتِ شیراز حاضر ہے، یعنی تمھارا حصّہ بھی تمھیں پہنچتا رہے گا۔" بارے مجھے کچھ تسلّی ہو گئی اور اُٹھ کر آ گیا۔ دوسرے دن جب شعر خوانی کا اتّفاق ہوا تو کہنے لگا: "میر کا ہر شعر موتیوں کی مالا ہے، مجھے اِس جوان کا طرز بہت اچھا لگتا ہے۔" ایسے ہی میں کچھ دن جاتا رہا، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ چونکہ پانی تو بڈّی تک پہنچ گیا تھا (یعنی فقر و فاقہ کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی) اضطراب بہت بڑھ گیا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد اُس کے دروازے پر گیا۔ چوبداروں کا میردہ جے سنگھ نامی میرے سامنے آیا اور کہنے لگا: "یہ دربار کا کون سا وقت ہے؟" میں نے کہا: "اضطرار کا عالم ہے!" بولا "لوگ تمھیں درویش کہتے ہیں، تم نے شاید یہ نہیں سُنا کہ لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہ (ایک ذرّہ بھی خدا کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا)

یہاں اپنی ریاست کے آگے کسی کی پروا نہیں ہے! صابر و شاکر رہنا چاہیئے۔ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، یہاں تو تمھاری رسائی مشکل ہے، البتہ اُن کے بڑے لڑکے سے مل سکتے ہو۔" میں نہایت شرمندہ ہوکر واپس آگیا۔

ایک رات کو اُس (دربان) کے کہنے کے مطابق (راجا کے) لڑکے سے ملنے گیا دربان نے روک دیا۔ بولا: "اس وقت اُن سے ملاقات کرنا ممکن نہیں۔" مجبوراً واپس آگیا۔ پھر عشا کی نماز کے بعد دوبارہ گیا، دیکھا تو ڈیوڑھی پر دربان نہیں ہے، میں نے پوچھا: "دربان کہاں گیا؟" لوگوں نے کہا: "آج اُس کے سر میں ایسا شدید درد تھا کہ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔" میں نے سوچا تائیدِ الٰہی شاملِ حال ہے۔ دیوان خانے میں داخل ہوا اور ملاقات کی۔ شعر خوانی کا بھی اتفاق ہوا۔ خواجہ غالب نے جو جوانِ زورمند (بااثر) تھے اور مجھ سے شناسائی رکھتے تھے میرا احوال مفصّل سنا کر کچھ مقرر کرا دیا جو میں ایک سال تک پاتا رہا۔ ایک رات راجا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے مجھے ایک سال کی تنخواہ دے کر فرمایا: "مجھ سے اکثر ملتے رہا کیجیے۔" اُس دن سے عشا کی نماز کے بعد ملازموں کے طریقے سے اُن کے پائیں باغ میں جاتا اور دو پہر رات گئے تک رہتا تھا۔ اِس خدمت کا پھل یہ تھا کہ چین سکھ سے گزر اوقات ہوتی تھی۔

اب میرا زبان دراز قلم بات کا رُخ بدل کر دوسری طرف چلتا ہے:

(سانحہ) دکن کے سردار مُلک کو اپنا سمجھتے تھے اور شاہ [illegible]
جنگ کے منصوبے کا منتظر رہتے تھے، جب انھوں نے سُنا کہ [illegible]
شاہ اور سردار [illegible] جہاں خاں تھوڑے سے آدمیوں کے [illegible]
یا لشکر [illegible] کی پروا نہ کرتے ہوئے لاہور پر [illegible]
ہوکر [illegible] الگ کر بھاگ گئی اور یہ لوگ [illegible]

قابض ہو گئے۔ صاحبا نامی سردار کو وہاں کے انتظام پر چھوڑا اور اپنے ملک یعنی دکن چلے گئے۔

چند اور سانحے

چوں کہ میں اِن سانحات کو مختصر کر کے لکھنا چاہتا تھا اس لیے بہت سی باتیں، مثلاً: عماد الملک کا شجاع الدّولہ پر آنکھ کڑی کرنا اور راجا کا صلح کرا دینا، بدخشیوں کی بدتمیزی کا ہنگامہ اور وزیر، راجا اور نجیب خاں کی جرأت سے اُن کا مغلوب ہونا، اور وزیر (عماد الملک) کا اپنے خسر معین الملک کی املاک ضبط کرنے کے لیے لاہور جانا اور صوبہ دار مذکور (معین الملک) کی بیوی کو اُس شہر سے نکال[1] دینا؛ اور عاقبت محمود کشمیری کو مار ڈالنا، اور ستار قلی خاں کشمیری کا مارا جانا، شہر دہلی کی بربادی اور چند بے حقیقت لوگوں کے ظلم سے (دہلی والوں کے) گھر بار تباہ ہونا، جو نئے نئے برسرِ اقتدار آئے تھے۔ اور اُن احمقوں کا خدا کی لاٹھی سے غافل ہونا اور عالی گہر (شاہ عالم) کا، جس پر اب بادشاہ ہونے کی تہمت ہے، مگر فرنگیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے، سردارانِ دکن میں سے ایک کے ساتھ جانا اور کچھ مدت بعد اُس کا شہر (دہلی) آنا اور اپنے باپ کی خدمت میں پہنچنا، اور اُس کی پذیرائی کے لیے راجا کا جانا، یاروں کا اُسے فریب دینا، اور اُس کا زخمی ہو کر پورب کی طرف بھاگنا، وہاں سختیاں اُٹھانا، (پھر) بادشاہ ہونا، اور انتظام الدّولہ خان خاناں کو قید کرنا اور کچھ نا اہلوں کے کہنے سے سلاطین کو قلعے سے نکال دینا، پھر اُن کا ناگفتہ بہ رسوائی کے ساتھ واپس آنا۔ (یہ سب باتیں) میرے قلم نے تفصیل سے نہیں لکھیں، کیوں کہ اِس مختصر (کتاب) میں اِن تمام تفصیلات کی گنجایش نہیں تھی۔

---

[1] ۲۸ مارچ ۱۷۵۶ء۔ اِس کا مفصّل تذکرہ ہم نے گزشتہ صفحات کے حاشیے میں لکھ دیا ہے۔

مرہٹوں کا فتنہ

ابھی یہ ساری بلائیں پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھیں کہ چرخِ فتنہ انگیز کی گردش نے ایک نیا ہنگامہ برپا کردیا عجب اُفراتفری پھیل گئی، یعنی جنکو نامی سردار بھاری فوج لے کر دکن سے آیا اور اُس کے لشکر کا شہر (دلّی) کے اطراف میں گذر ہوا۔ بہتوں کے دل دہل گئے، ایک ہُلڑ مچ گیا۔ رئیسوں کا رنگ فق ہوگیا شاہ اور وزیر نے اُس سے صلح کرلی۔ اُس نے دتّا نامی سردار کو جو اس بہادر اور کڑیل جوان (جنکو) کا مدارالمہام تھا، اپنے ساتھ ملا کر نجیب الدّولہ پر چڑھائی کردی، جو گنگا کے کنارے وسطی علاقے میں اپنے قدم جمائے بیٹھا تھا۔ وہاں گھمسان کی جنگ ہوئی۔

یہاں سب نے وزیر کے گھر جمع ہوکر مشورہ کیا کہ اگر یہ بھاری سپاہ واپسی میں ہم پر ٹوٹ پڑی تو ایسی تباہی مچائے گی کہ عالم تہ و بالا کردے گی اور سارا شہر غارت ہو جائے گا۔ اگر بن پڑے تو ہم شریک ہوکر نجیب الدّولہ کا کام تمام کردیں ورنہ درمیان میں پڑ کر صلح کرادیں۔

عالمگیر ثانی اور انتظام الدولہ کا قتل ۱۱۷۳ھ

جب یہ طے ہوگیا تو وزیر نکلا اور اُس نے دریا (جمنا) کے اُس پار خیمے گاڑ دیے پھر بادشاہ کو (شریک ہونے کی) دعوت دی۔ اُس نے بیماری کا بہانہ کرکے صاف جواب دے دیا۔ چوں کہ لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے اطمینان نہیں تھا، اُنھوں نے مشورہ کیا کہ شہر جاکر بادشاہ کو ختم کردیں اور انتظام الدّولہ کو بھی جیتا نہ چھوڑیں۔ راجا (ناگرمل) اُسی رات کو دریا کے پار چلا گیا، صبح ہوتے تک یہ سیاہ باطن، لشکر سے نکل کر شہر میں آئے اور بادشاہ کے سامنے قسمیں کھائیں کہ ہم وزیر سے خوش نہیں ہیں لیکن زمانہ سازی کر رہے ہیں۔ اگر حضور فائدہ اُٹھائیں تو ایک نادر موقع ہاتھ آیا ہے، وہ

سادہ لوح (بادشاہ) ان نابکاروں سے جُل کھا گیا، پوچھا: "کیا ہے؟" انھوں نے کہا: "ایک صاحبِ کمال تارک الدنیا فقیر دو تین روز سے فیروز شاہ کے کوٹلے میں وارد ہے، کل چلا جائے گا، اگر آپ شام کو اُس سے مل لیں تو بہت ممکن ہے کہ اِس بزرگ کی دعا سے ہم اِس بلا سے چھٹکارا پالیں اور وزیر پر غالب آجائیں۔" بادشاہ اِن عزیزانِ زمانہ کی منافقت سے بے خبر تھا۔ وعدہ کرلیا کہ "ہم ضرور ملیں گے۔" آخر شام کے قریب اُسے سوار کر کے لے گئے، جب کوٹلے میں پہنچا تو اُس بے گناہ کو چاقو مار مار کر ہلاک کر دیا[۱] اور اُس کی نعش دیوار کے نیچے پھینک دی۔ شام کے بعد وہاں سے نپٹ کر نماز پڑھنے کی حالت میں خان[۲] خاناں کے گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر کھینچا اور اُسے بڑی بے رحمی سے ہلاک کر کے اُس کے مُردے کو سب کی نگاہوں سے بچا کر لے گئے اور دریا میں ڈال دیا۔ بادشاہ کی نعش تمام دن بڑی رسوائی کے ساتھ زمین پر پڑی رہی، جو دیکھتا تھا وہ اِس وحشیانہ فعل کے مرتکبوں پر لعنت کرتا تھا۔ آخر اُس کے وارثوں نے کلیجے پر پتھّر رکھ کے اُس کی میّت راتوں رات دفنا دی، اور اُن ظالموں کے خوف سے ماتم بھی نہیں کیا۔ دوسرے[۳] دن صبح کو

---

[۱] عزیز الدین شاہ عالمگیر ثانی ابن جہاں دار شاہ ۱۶۸۸ء میں پیدا ہوا، ۲ر جون ۱۷۵۴ء (۱۰ر شعبان ۱۱۶۷ھ) کو تخت نشین ہوا۔ اور ۲۹ر نومبر ۱۷۵۹ء (۸ر ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ) کو عماد الملک نمک حرام کی غدّاری اور مہدی علی خاں کی سازش سے قتل ہوا۔ ہمایوں کے مقبرے میں مدفون ہے۔ وقائع عالم شاہی میں ہشتم ربیع الثانی ۱۱۷۱ھ درج ہے۔ [۲] انتظام الدّولہ خان خاناں، نواب قمر الدین خاں کا دوسرا بیٹا تھا، ۱۷۴۸ء/۱۱۶۱ھ میں بزمانہ احمد شاہ بخشی دوم ہوا اور ۱۷۵۳ء/۱۱۶۵ھ میں صفدر جنگ کی معزولی کے بعد وزیر بنا۔ ۳۰ر نومبر (۱۷۵۹ء) کو بادشاہ کے قتل سے اگلے دن عماد الملک کے آدمیوں نے اُسے بھی مار ڈالا۔ [۳] لیکن فراقی کا بیان ہے: "ہماں روز شاہ جہاں ثانی را بر اورنگِ خلافت نشانید۔ چناں چہ او یازدہ ماہ کامرانی کرد و بیست و نہم شہر صفر سال ہزار و یک صد و ہفتاد و دو (۱۱۷۲ھ) مقیّد شد" (وقائعِ عالم شاہی/۵)۔

وہ جفاکار قلعے میں آئے، اور شاہ جہاں نامی ایک جوان کو تخت پر بٹھا کر نذریں پیش کیں۔ عالمگیر ثانی کی سلطنت کی مدّت سات سال تھی۔

جب ان چند ظالموں نے بادشاہ اور انتظام الدولہ کے قتل سے فراغت پائی تو وزیر کو لے کر کوچ کیا اور بھاگم بھاگ راستہ طے کرکے مرہٹوں کی فوج سے مل کر جنگ میں اُن کے شریک بن گئے۔ ابھی اس پر ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ خبر آئی شاہی فوج (ابدالیوں) نے اٹک پار کرکے صاحبا کو شکست دے دی۔ مرہٹے سردار نجیب الدولہ کی جنگ کو یوں ہی چھوڑ کر (ابدالی کی فوج کو) روکنے کے لیے سراسیمہ ہوکر بھاگے۔ اور پانی پت کے قریب دریائے جون عبور کرکے اُترے۔ اثنائے راہ میں (اُن کے ہاتھوں) ایک عالم نے سختیاں اُٹھائیں، پھر وہ اینٹ سے اینٹ بجاتے ہوئے کرنال کے اُس طرف خیمہ زن ہوئے جو ایک مشہور قصبہ ہے اور وہاں (حضرت) شاہ شرف بُو علی قلندر کا آستانہ ہے۔ شام کو سُنا گیا کہ شاہی فوج دریا کی طرف جمع ہو رہی ہے، انھوں نے بھی اپنی فوج کو تیار کیا دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے تقریباً آٹھ ہزار جیالے اور کارگذار سوار اور اپنے میں سے ایک سردار کو جدا کرکے اُن کی طرف بھیجا جب وہ گئے اور اس فوج کے مقابل ہوئے تو ایک ہی ٹکاری میں بہتوں کے پانو اکھڑ گئے۔ ان سخت دل کوہ پیکر سورماؤں نے ایذا دہی شروع کی اور شیخی خوروں کے منہ توڑ دیے۔ مگر اُدھر کے خوں خوار بھی ایسے گتھ گئے کہ آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ اِدھر کی فوج کے چھکے چھوٹ گئے اور جوانوں کے دل دہل گئے۔ اگر خدا نخواستہ وہ دستہ دائرہ لشکر پر ٹوٹ پڑتا تو ایک عالم کا کام تمام ہو جاتا اور ہم لوگوں میں سے ایک بھی شہر تک زندہ نہ پہنچتا۔ یہ لوگ تو پشیمان ہوکر واپس آگئے اور وہ (دُرانی، مالِ غنیمت) سے لدپھند کر دریا پار کر گئے۔

جب بادشاہ نے دوآبے میں ڈیرے ڈالے اور نجیب الدّولہ (اُن سے آکر) مل گیا تو دکھنیوں نے لشکر اور شہر کی محافظت کے لیے وزیر کو دستوری دیدی اور خود دریا کے کنارے کنارے آئے اور چھ کوس اُدھر خیمے گاڑ دیے۔ یہاں وزیر نے شہر کو محکم کر کے ملچار باندھ دیے اور داراشکوہ کی حویلی جو دریا کے کنارے واقع ہے، راجا کو سونپ کر، نئے بادشاہ یعنی شاہ جہاں (ثانی) سے آملا۔

چار روز کے بعد شاہ (ابدالی) اور نجیب الدّولہ کی فوجیں ایک ساتھ کوچ پر کوچ کرتی ہوئی دریا تک پہنچ گئیں۔ جیالے سردار اور جنگ جو سوار (مرہٹوں کی) گوش مالی کرنے پر آمادہ ہوئے۔ روہیلوں کے پیادوں نے پیش قدمی کر کے جنگ شروع کردی، نہایت جاں فشانی سے کٹ کٹ کر لڑے۔ اِدھر سے دتّا جو دکن کی فوج کا سردار تھا اپنے کارگذاروں کی مدد کو آپہنچا اور بڑی ثابت قدمی سے اس فوجِ سنگین کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ پہلی ہی تفنگ جو اِدھر سے سر ہوئی اس کا ایک تیر دتّا کے لگا اور پہلو میں ترازو ہوگیا۔ مرہٹوں کے ہاتھ پانو پھول گئے، اُس کے مُردے کو اُٹھا کر دریا کے کنارے رکھا، تو اُنھوں نے دریا کے اس طرف آکر مار دھاڑ شروع کی یہ (مرہٹے) ہار کر بھاگ گئے وزیر اپنے سرداروں کو ملچاروں پر چھوڑ کر دکن کی فوج سے مل گیا۔ زمانۂ غدّار نے بڑی تباہی مچائی دُرّانیوں نے (مرہٹوں کی) بھگوڑی فوج کا تعاقب کیا اور اُن میں سے اکثر کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا وہاں سے واپس آکر شہر لوٹنے میں لگ گئے۔

دلّی میں لُوٹ

شام کو راجا شہر سے نکلا اور سورج مل کے قلعوں میں جانے کا قصد کیا اور صحیح سلامت پہنچ گیا۔ بندہ (میر) اپنے ناموس (حرم) کی حفاظت کے لیے شہر ہی میں رہا۔ شام کے بعد منادی ہوئی کہ "شاہ (ابدالی) نے امان دے دی ہے رعایا کو چاہیئے کہ پریشان دل نہ ہو۔" مگر جب

گھڑی بھر رات گذری تو غارت گروں نے مظالم شروع کیے، شہر کو آگ لگادی، گھروں کو جلا دیا اور (سارا ساز و سامان) لے گئے۔ صبح کو جو (گویا) صبح قیامت تھی تمام شاہی (درّانی) فوج اور روہیلے ٹوٹ پڑے اور قتل و غارت میں لگ گئے۔ (شہر کے) دروازوں کو توڑ ڈالا اور لوگوں کو قید کر لیا بہتوں کو جلا دیا اور سر کاٹ لیے۔ ایک عالم کو خاک و خون میں لٹایا اور تین دن رات تک ظلم سے ہاتھ نہ کھینچا۔ کھانے اور پہننے کی چیزوں میں سے کچھ نہ چھوڑا چھتیں توڑ دیں، دیواریں ڈھادیں سینے زخمی اور کلیجے چھلنی کر دیے! وہ بدطینت ہر در و بام پر (چڑھے ہوئے تھے) اور شرفا کی مٹی پلید ہو رہی تھی۔ شہر کے عمائد خستہ حال تھے، بڑے بڑے لوگ ایک گھونٹ پانی کے محتاج تھے، گوشہ نشین بے گھر اور نوّاب گداگر بن گئے۔ وضیع و شریف ننگے پھرتے تھے، گھر والے بکھرے ہوگئے تھے اکثر بلائیں گرفتار اور رسوائے کوچہ و بازار تھے۔ کتنے ہی مصیبت میں مبتلا تھے، اور اُن کے زن و فرزند اسیر۔ شہر پر (غارت گروں کا) ہجوم تھا اور قتل و غارت علی العموم ہو رہی تھی۔ لوگوں کا حال ابتر ہو گیا۔ بہتوں کی جان لبوں تک آگئی (یہ غارت گر) زخم بھی لگاتے، اور گالیاں بھی بکتے، روپیہ بھی چھین لیتے اور سیدھیاں بھی سُناتے۔ جو سامنے پڑتا اُس کا پاجامہ تک چھین لیتے۔ ایک عالم تکلیفیں جھیل کر مر گیا۔ ایک جہان کی ناموس برباد ہوگئی۔ نیا شہر ڈھے کر خاک سے برابر ہو گیا۔ تیسرے دن نسق مقرر ہوا۔ انزلاخاں نامی نسقچی باشی آیا تو لوگوں کی ٹوپیاں اور نیمہ تن اُس نے اُتروا لیے۔ بارے قدغنچیوں نے ان غارت گروں کو شہر سے نکال کر احتیاطی تدابیر شروع کیں۔ (اب وہ بے رحم لوگ پرانے شہر پر ٹوٹ پڑے اور ایک جہان کو ہلاک کر دیا سات آٹھ دن تک یہ ہنگامہ گرم رہا۔ ایک وقت کا کھانا اور پہننے کا سامان بھی کسی کے گھر میں

نہ رہا، مَردوں کے سر ننگے تھے، عورتوں کے پاس اوڑھنی تک نہ تھی۔ چوں کہ راستے بند تھے بہت سے لوگ زخم کھا کھا کر گذر گئے، کچھ سردی کی شدت سے اینٹھ کر مر گئے۔ (اس فوج نے) بڑی بے حیائی سے حملہ کیا اور (شہریوں کو) بے آبرو کیا، غلّہ زبردستی چھینتے اور مفلسوں کے ہاتھ دھونس سے فروخت کرتے، اِن غارت زدوں (کی فریاد) کا شور و ہنگامہ ساتویں آسمان تک پہنچ رہا تھا، مگر بادشاہ جو خود کو فقیر سمجھتا تھا، استغراق کے باعث سُنتا نہیں تھا۔ ہزاروں خانہ خراب عین اِس بھڑکتی آگ میں دل پر داغ لیے ترکِ وطن کر کے جنگل کی طرف چل دیے۔ مگر راستے ہی میں چراغِ صبح گاہی کی طرح مر گئے۔ بہت سے مجبوروں کو وہ ظالم اپنے رکاب میں ڈال کے دائرۂ لشکر میں قیدیوں کی طرح لے گئے۔ ان جفا کاروں کا دَور دورہ تھا۔ دست درازی کرتے، لوٹتے کھسوٹتے، خوب دولت بٹورتے، عورتوں پر ہاتھ صاف کرتے، اپنی تلواریں لیے مال پر قبضہ کرتے پھرتے۔ شہریوں سے کچھ نہ بن پڑتا تھا کیوں کہ اُن کے جی چھوٹ گئے تھے۔ کوئی مضطرب ہوتا تھا، کوئی حیران تھا۔ ہر گھر میں ایک بد باطن، ہر کوچے میں قتل گاہ۔ آزار و گیر و دار عام تھی، ہر طرف خوں ریزی، ہر سمت سزا دہی۔ چٹکیاں لیتے تھے، طمانچے مارتے تھے۔ غریب لوگ خوف سے سہمے جاتے تھے اور یہ لُٹیرے مَلندریاں مارتے پھرتے تھے۔ گھر جل گئے، محلّے ویران ہو گئے۔ سینکڑوں چوب کاری (ایک طرح کی سزا) کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ کسی کی فریاد سُننے والا کوئی نہ تھا۔ ایک عالم اُن کے ستم سے ہلاک ہو گیا، مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ پُرانے شہر کا علاقہ جسے (رونق و شادابی کے باعث) "جہانِ تازہ" کہتے تھے۔ کسی گری ہوئی منقّش دیوار کے مانند تھا یعنی جہاں تک نظر جاتی تھی، مقتولوں کے سر، ہاتھ، پانو اور سینے ہی نظر آتے تھے۔ ان مظلوموں کے گھر ایسے جل رہے تھے کہ آتش کدے کی یاد تازہ ہو رہی یعنی جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی

تھی، سیاہی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جو مظلوم مرگیا (وہ گویا) آرام پاگیا، (اور) جو اُن کی زد میں آگیا وہ بچ کے نہ جاسکا۔ میں کہ (پہلے ہی) فقیر تھا، اب اور زیادہ مفلس ہوگیا۔ افلاس اور تہی دستی سے میرا حال بہت ابتر ہوگیا۔ سڑک کے کنارے جو میرا تکیہ (مکان) تھا وہ بھی ڈھے کر برابر ہوگیا۔ غرض کہ وہ بے مروت سارے شہر کو [illegible] کر لے گئے اور شہر کے لوگ ذلت (و رسوائی) اُٹھا کر جان سے گذر گئے۔

مرہٹے پھر آ پہنچے

ابھی انہوں نے لوٹ مار بند نہ کی تھی تو مشہور ہوا کہ مرہٹوں کی فوج جو ہار کر بھاگی تھی دوسرے لشکر کے ساتھ جو میوات میں تھا، مل گئی ہے اور اب اُس کے ارادے ناپاک ہیں۔[1] شاہ ابدالی نے یہ خبر سن کر اُن کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ شاہ جہاں (ثانی) کو جو [illegible] کی

---

[1] اس پُرآشوب زمانے میں سلطنت مغلیہ کے چپے چپے پر [illegible] ہر [illegible] ایک معمولی سردار بھی ہندوستان پر بادشاہت کرنے کے خواب دیکھا [illegible] بادشاہ کو کٹھ پتلی بنا رکھا تھا اور آئے دن انھوں نے جہاد [illegible] پنجاب [illegible] کی طاقت آہستہ آہستہ اُبھرنے لگی تھی، بھرت پور اور اس کے آس [illegible] اُدھر میں روہیلے اپنی مضبوط ریاست بنا چکے تھے مگر ان [illegible] طاقت [illegible] کرلی تھی جو اُس وقت برار سے سندھ تک پھیلے ہوئے تھے۔ عماد الملک اپنے اقتدار [illegible] لیے مرہٹوں کا دست نگر تھا اور اس نے سلطنت دلی کے کاموں [illegible] کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ نجیب الدولہ کے استیصال کی [illegible] ابدالی [illegible] قلعہ دلی میں چھوڑ گیا تھا چنانچہ اس نے ستمبر ۱۷۵۰ء میں [illegible] دلی [illegible] دتا جی سیندھیا کو سوا لاکھ فوج کے ساتھ اُس پر حملہ کرنے [illegible] بھیج دیا۔ نجیب [illegible] تو شجاع الدولہ، حافظ رحمت خاں اور احمد خاں بنگش وغیرہ [illegible] کو محفوظ کرسکے اور دوسری طرف ابدالی کو لاہور بھیجی [illegible] سلطنت [illegible] تُلے ہوئے ہیں اس وقت آپ کی مدد کی شدید ضرورت [illegible] مرہٹوں نے ایک ہی دن میں ایک ہزار تین سو گاؤں جلا کر خاکستر کر دیئے۔ [illegible]

سلطنت کا گنہ گار تھا، قدیم دستور کے مطابق سلاطین میں بھیج دیا، (یعنی قلعہ

دہلی سے عالمگیر ثانی نے بھی ابدالی کو خط لکھا تھا کہ عماد الملک میرے خاندان کو اور مجھے قتل کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔ مگر ابدالی اُن دنوں خود اپنی سلطنت کی اندرونی شورشوں کے فرو کرنے میں لگا ہوا تھا اس نے یہی جواب دیا کہ میں یہاں کے کچھ سرکشوں کو کیفر کردار تک پہنچا دوں پھر آپ کی مدد کے لیے بھی آتا ہوں۔ آخر وہ اکتوبر ۱۷۵۹ء میں لاہور پہنچ گیا اور مرہٹوں کو وہاں سے بھگا کر اپنے وزیر شاہ ولی خاں کے بھانجے کریم داد خاں کو گورنر مقرر کیا۔ ۲۷ر نومبر (۱۷۵۹ء) کو سرہند اور وہاں سے سیدھا دلّی آیا۔ عماد الملک کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اُس نے عالمگیر ثانی کو (۲۹ر نومبر) اور انتظام الدولہ کو (۳۰ر نومبر) کو قتل کرا دیا اور پھر سورج مل کے قلعوں میں جا بیٹھا۔

ادھر دتا سیندھیا نجیب الدولہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اُس نے ۲۰ر دسمبر کو جمنا عبور کی، لیکن جب ابدالی انبالے میں تھا، وہ قریب آیا تو تاراوڑی کے مقام پر دونوں فوجوں میں شدید مقابلہ ہوا (۲۴ر دسمبر) اور چار سو مرہٹے مارے گئے۔ دتا بھاگ گیا۔ ابدالی کی فوج جمنا پار کر کے نجیب الدولہ سے آملی، حافظ رحمت خاں، عنایت خاں، دوندے خاں، سعد اللہ خاں وغیرہ سرداران مشرق بھی ابدالی فوج کے شریک ہوئے اور ۹ر جنوری (۱۷۶۰ء) کو جمنا پار کر کے براری گھاٹ کے قریب مرہٹوں کو پھر گھیر لیا۔ اس میں دتا سیندھیا مارا گیا اور اس کا بھانجا جھنکوجی سخت زخمی ہوا۔ اُدھر ملھار راؤ ہلکر کچھ اور فوج لے کر آ گیا اور دتا کی بھاگی ہوئی فوج راجپوتانے میں جا کر اُس سے مل گئی اور بالا ہی بالا روہیل کھنڈ کی طرف حملہ آور ہوئی۔ ۲۶ر جنوری (۱۷۶۰ء) کو یہ فوجیں جمنا کے پار اُتریں اور چاہتی تھیں کہ نجیب الدولہ کا دس لاکھ روپیہ جو آ رہا تھا راستے ہی میں لوٹ لیں، مگر جہان خاں نے بروقت مدد کی اور مرہٹوں کو سکندرہ کے قریب شکست دے کر خزانہ بچا لیا (۴ر مارچ) سخت گرمی اور برسات کے باعث ابدالی علی گڑھ کے قریب ٹھہر گیا اور نجیب الدولہ کو اپنی جانب سے شجاع الدولہ پر چڑھا کر بھیج دیا۔ شجاع الدولہ ۳۰ ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ فوج لے کر ابدالی سے آملا۔ دتا اور ملھار کی شکست سے پیشوا ناامید نہیں ہوا، اب کی بار اس نے اپنے بیٹے اور جانشین وشواس راؤ کی سرکردگی میں بھاری سپاہ بھیجی جس میں توپ خانے کا نگراں ابراہیم خاں گردی تھا جو مشہور ماہر جنگ بوسی BUSSY کا تربیت یافتہ تھا۔ سداشیو بھاؤ بھی فوج کا سربراہ تھا۔ ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو ہندستان کی وہ عظیم جنگ ہوئی جسے تاریخ میں "تیسری جنگ پانی پت" کہا جاتا ہے۔ اور جو مہا بھارت یُدھ کے بعد سب سے بڑی اور فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس کا حال میر نے خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں تیس ہزار سے زائد مرہٹے ہلاک ہوئے۔ ۲۲ ہزار کے قریب گرفتار کیے گئے۔ اور بے شمار زخمی ہو گئے۔ دو لاکھ مویشی ہاتھ لگے، جن میں پانچ سو ہاتھی تھے۔ (باقی آگے)

سلیم گڑھ میں قید کر دیا) اور عالی گوہر[1] کے لڑکے جواں بخت کو اُس کا ولی عہد مقرر کر کے شہر سے کوچ کیا۔ عماد الملک مرہٹہ سرداروں کے ہمراہیوں کو چھوڑ کر سورج مل کے قلعوں میں آ کر بیٹھ گیا۔ جب شاہ (ابدالی) میوات کے نواح میں پہنچا اور مرہٹوں نے دیکھا کہ ہمارا حملہ کارگر نہیں ہوتا اور فوج سہم گئی ہے، تو وہ اپنے قدیم معمول کے مطابق گوریلا جنگ کرتے ہوئے شاہ جہاں آباد (دلّی) تک آئے اور دریا عبور کر گئے۔ شاہ بھی تعاقب میں پہنچ گیا اور رات شہر کے سواد میں بسر کر کے (صبح کو) پایاب راستے سے پار اُتر گیا۔ جب دریا کے اُس پار اپنا لشکر جما لیا تو (اس کی) فوج کا سردار جہاں خاں آگے بڑھا اور سکندر آباد کے قریب ملہار کی فوجوں سے، جس کا حال آگے لکھا جا چکا ہے، بھڑ گیا۔ شاہ (ابدالی) بھی یہاں سے تین ہزار لشکریوں کے ساتھ سوار ہو کر دو گھڑی میں اُس سے جا ملا۔ اُدھر کا سردار (ملہار) مقابلے کی تاب نہ لا کر مرہٹہ سرداروں میں سے ایک کو اپنا قائم مقام بنا کر چپکے سے کھسک گیا۔ اُس (مرہٹہ) سردار نے بہادری کے جوہر دکھائے اور (لڑتے لڑتے) مارا گیا۔ دوسرے لوگ زچ ہو کر فوج شاہی کے بہادروں کے آگے سے اکھڑ گئے اور بھاگ کر تتر بتر ہو گئے۔ شاہ (ابدالی) کول تک جو ایک مشہور قصبہ ہے، اُن کے تعاقب میں گیا۔ ان بھگوڑوں نے سورج مل کے قلعوں میں پناہ لی اور دو تین دن کے بعد آگے روانہ ہو گئے۔ شاہی فوج اُس کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر جو دریائے جون کے اِس طرف تھا، دھرنا دے بیٹھی، اور محاصرہ کر کے لوگوں کا

زر و جواہر کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۹ جنوری (۱۷۶۱ء) کو احمد شاہ دلّی آ گیا اور ممتاز محل میں مقیم ہوا۔ ابدالی فوجوں نے دلّی کو پھر لوٹ کر برابر کر دیا۔ ۲۲ مارچ (۱۷۶۱ء) کو ابدالی مع افواج کے افغانستان [illegible]۔ ہندستان پر ابدالی کا [illegible] چوتھا [illegible] تھا۔

[1] شاہ عالم کا لقب عالی گوہر تھا۔ مقدمہ [illegible] شاہی) یا تو [illegible] سے سہو ہوا ورنہ بخوبی ممکن ہے متن کے مرتب (مولوی عبد الحق) سے یہ تسامح ہوا ہو۔

ناک میں دم کردیا۔ زمین دار مذکور (سُورج مل) نے اُن کی امداد اپنی بساط سے باہر دیکھ کر تغافل اختیار کرلیا۔ ناچار محصورین موقع پاتے ہی رات کو بھاگ نکلے اور اپنا سفیر بھیج کر اُن سے صلح کرلی۔

(سانحہ) ابھی فوج دوآب کے بیچ میں تھی جو یہ خبر پھیلی کہ (مرہٹوں کی) ایک بڑی بھاری فوج جنگ کے ارادے سے نواحِ اکبر آباد تک آگئی ہے، اور یہاں تک آیا ہی چاہتی ہے۔ نجیب الدولہ پورب کے سرداروں، مثلاً شجاع الدولہ احمد خاں (بنگش) و حافظ رحمت (خاں روہیلہ) وغیرہ کو (شاہ کی) ملازمت میں لایا اور ہر ایک کو مُلک دینے کے وعدے سے خوش کر کے (شاہ سے) خلعت دلائی اور (مرہٹوں سے) جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرلیا۔

اس عرصے میں بھاؤ جو مرہٹوں کا سب سے بڑا سردار تھا اپنے بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ سورج مل کے علاقے سے گزرا۔ اور اُس نے وزیر (عماد الملک) اور وہاں کے راجا (سُورج مل) کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کرلیا اور شہر پر قابض ہوگیا۔ یعقوب علی خاں، جو شاہ دُرّانی کے وزیر شاولی خاں سے قرابت رکھتا تھا شاہی قلعہ میں اِس توقع پر کہ شاہ (ابدالی) کی فوج دریا کے اُس طرف موجود ہے، اور مدد میں دریغ نہ کرے گی، گھمنڈ میں آکر (مرہٹوں سے) جنگ میں گتھ گیا۔ دکنی فوج نے (قلعے کا) محاصرہ کر کے توپوں پر قبضہ کرلیا۔ اکثر مکاناتِ شاہی جو خوبصورتی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، خاک سے یکساں کردیے۔ چوں کہ دریا برسات کے باعث پار کرنا مشکل تھا، اور شاہ (ابدالی) اس سے گذر نہیں سکتا تھا۔ خان مذکور (یعقوب علی خاں) راہ راست صلح کر کے قلعے سے باہر نکل آیا۔ عہد و پیمان کی وجہ سے کوئی اُس کے احوال سے مزاحم نہ ہوا۔

دلّی سے میرا کوچ اُن دنوں میں راجا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض

کی کہ زمانے کے ہاتھوں بہت پریشان ہوں چاہتا ہوں کہ اس شہر سے نکل جاؤں اور جہاں سینگ سمائیں چلا جاؤں، ممکن ہے اِسی طرح کچھ آسودگی نصیب ہو جائے۔ اُنھوں نے (میرے ساتھ) رعایت کی اور مجھے رخصت کر دیا۔ میں بال بچوں کو لے کر (پیادہ پا) نکلا، کوئی منزل تو مدِ نظر تھی نہیں، خدا پر بھروسا کر کے راستہ طے کرنا شروع کر دیا۔ دن بھر میں بڑی مشکل سے ۸۔۹ کوس منزل سر ہو سکی۔ رات ایک سرائے میں درخت کے نیچے گذاری۔ اگلی صبح کو راجا جگل کشور کی (جس کی حال لکھا جا چکا) بی بی اُدھر سے گذریں اور ہم مجبوروں کی دستگیری کی۔ اپنے ساتھ برسانہ تک جو ہندوؤں کا تیرتھ اور سورج مل کے قلعوں سے آٹھ کوس اِدھر ایک قصبہ ہے لے آئیں اور طرح طرح کے سلوک کر کے دل جوئی کی۔

برسانہ

ذی الحج کی آخری تاریخ کو وہ کاماں گئیں جو اُس جگہ (برسانہ) سے تین کوس پر ایک شہر راجا جے سنگھ (والیٔ جے پور) کی [illegible] بندہ (میرؔ) اپنے اہل و عیال کے ساتھ عشرہ (محرم) میں وہیں[1] مقیم [illegible] سے اگلے دن (۱۱ محرم) وہاں سے نکل کر کُمھیر پہنچا۔ [۱۱ اگست ۱۷۶۱ء]

کُمھیر

یہاں بہادر سنگھ نامی، لالہ رادھا کشن کا بیٹا [illegible] خزانچی گری رکھتا تھا اور ان دنوں راجا کے ساتھ تھا ایک شام کو آیا اور میری دستگیری کر کے آدمیت کا سلوک کیا میں اُس کا احسان مند ہوں [illegible] واقفیت کے میرا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ یوں کچھ دن سکھ چین سے [illegible]

(حکایت) میں ایک دن کھانے پینے کا سامان نہ ہونے [illegible] بیٹھا تھا۔ جی میں آئی کہ اعظم خاں کلاں جو فدوی آرام [illegible] شش ہزاری امیر اور نہایت کریم النفس انسان تھا اس کے [illegible]

[1] وہیں سے میرؔ کی مراد برسانہ ہے۔ مولوی عبدالحق نے یہاں غلط عنوان قائم کیا ہے

سے اگر ملا جائے تو شاید (وہ امداد کرے اور) کچھ دن سُکھ سے گذر جائیں۔ (چناں چہ) گیا اور سورج مل کے طویلے میں اُس سے ملا جو دہلی کے خانہ خرابوں کی نئی جائے پناہ بنا ہوا تھا۔ اُس عزیز نے، خدا بخشے، میری خیر و عافیت معلوم کی۔ میں نے اپنا دُکھڑا سُنایا (تو) سُننے والوں کے ہوش اُڑ گئے۔ جب قہوہ اور حقّہ لایا گیا، تو یہ شعر برجستہ (میری) زبان پر آیا ؎

امروز کہ چشم من و عُرفی بہم اُفتاد
باہم نگرستیم و گرستیم و گذشتیم[1]

ایسے ہی چند شعر میں نے پڑھے، اور دو تین آنسو پلکوں سے گرائے۔ چند لمحوں کے بعد دیکھا کہ خان فکر مند ہے، میں نے کہا "آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟" بولا: "کچھ نہیں" میں نے کہا: "کچھ تو ہے!" کہنے لگا: "جب تم شہر (دہلی) میں آتے تھے تو ہم طرح طرح کی مٹھائیاں اور قسم قسم کے حلوے منگاتے اور دونوں کھاتے تھے۔ آج کیسا اتفاق ہے کہ کچّی کھانڈ بھی مَیسّر نہیں جو تمھارے لیے ایک پیالہ شربت بنا سکوں۔" میں نے کہا: "میں اِن سب چیزوں کا ندیدہ نہیں ہوں، وہ بات بھی تفریحاً ہو جاتی تھی آپ تو جانتے ہیں کہ میں حریص اور لالچی نہیں۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے وہ شربت و شیرنی کا وقت تھا یہ تلخیاں جھیلنے کا موسم ہے۔"

یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ ایک عورت سر پر خوان رکھے دروازے سے داخل ہوئی اور بولی: "سعدالدین خان[2] سامان کی بہن نے (آپ کو)

---

[1] (ترجمہ) آج جب میرا اور عُرفی کا سامنا ہوا (تو) ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا، روئے اور چل دیے!

[2] اس سے پچھلے صفحات میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ راجا ناگر مل اور سعدالدین خاں خان ساماں وغیرہ اپنی حفاظت کے خیال سے سورج مل کے قلعوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خان ساماں مع اپنے خاندان کے منتقل ہوا تھا۔ یہ سعدالدین خاں ثانی ہے جس کا نام حفیظ الدین تھا۔ (باقی بر صفحہ آیندہ)

دعا کہی ہے کچھ 'حلوای نزاکت' اور شنبہ کی شیرینی بھیجی ہے۔" خان نے خوان پوش اُٹھایا اور حلوے پر نظر پڑی تو باغ باغ ہوگیا کہنے لگا: 'یہ رُوسیاہ تو اپنی قدر خوب جانتا ہے ایک عمر سے فاقہ کشی پر مدار ہے، حلوے اور شیرینی کا تو ذکر کیا، کبھی کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا یا پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں آیا۔ تم میرے عزیز مہمان ہو، یہ سب تمھارا ہے۔ میرا حصّہ مجھے دے کر باقی سب اپنے گھر بھیج دو۔" میں نے کہا: "یہ تو بہت ہے میں اتنے سارے کا کیا کروں گا۔" کہنے لگا: "تمھارے بیٹے میر فیض علی کے کام آجائے گا۔" غرض کے اُس بھلے مانس نے اصرار کر کے حلوے کی قاب اور مٹھائی کا خوان میرے گھر بھجوا دیا اور مجھے ہنسی خوشی رخصت کیا۔ دو دن تک اُسی مٹھائی پر گذر ہوئی۔ تیسرے دن راجا کے چھوٹے لڑکے (بِشن سنگھ) نے مجھے بُلایا اور حالات دریافت کرنے کے بعد کہا کہ "راجا صاحب کے آنے تک تم میرے پاس رہو۔" میں نے کہا: "اَسبابِ معیشت مفقود ہے۔"[۵] تو بولا: "مطمئن رہو یہاں سب مل جائے گا۔" باغِ کرم کا وہ گُلِ نو (د میدہ) خدا اُسے شاداب اور خوش رکھے، میری ضروریات کا سارا سامان ہنسی خوشی بھجواتا رہا۔

جنگ پانی پت
۱۱۷۴ھ – ۱۷۶۱ء

(سانحہ) یہاں یہ سُننے میں آیا [illegible] دلّی میں [illegible] (پھیلی ہوئی) ہے کہ [illegible] کا [illegible] بہت سے زمینداروں اور بھاری فوج کے ساتھ آرہا ہے اور شاہی لشکر [illegible] ارادہ رکھتا ہے۔ دکھنی فوج کا سردار بھاؤ بڑا بیخوف [illegible] تھا [illegible] کو نہ گردانتا تھا۔ (اُس نے [illegible] سامان چھوڑ کر اپنے [illegible]

[illegible] کا انتقال دلّی میں ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۷۰ھ [illegible]
[illegible] (۲) عمدۃ خانساماں کی تفصیل [illegible] [۵] [illegible]
وقت ملازمت کرنے کو گھوڑا، ہتھیار وغیرہ اپنے پاس سے فراہم کرنا ہوتے تھے [illegible]

اُدھر بڑھنا شروع کیا، اُس کے دل میں یہ تھی کہ وزیر کے پاس بہت سا زر و جواہر ہے، اور سُورج مل بڑا زمیندار ہے، اگر زمانہ مُہلت دے تو وہ اُن سے کچھ نہ کچھ اینٹھ لے گا۔ راجا ناگر مل کو اُس کے سرداروں سے ملاقات کرنے کے سبب یہ بات معلوم ہو چکی تھی۔ ایک دن اُس نے راجا کو پیغام بھیجا کہ میں ممالکِ محروسہ کا بندوبست تمھارے اختیار میں چھوڑتا ہوں۔ اُس عزیز نے اِس بات پر غور کر کے جواب دیا کہ میں مدّت سے وزیر کے ساتھ ہوں یہ مناسب نہیں کہ وہ ناکام رہے اور میں اپنا اُلّو سیدھا کر لوں۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اُسے بھرت پور کی دستوری مرحمت ہو جائے۔ میں اور سورج مل بطورِ مُشایعت جائیں اور اُسے چھوڑ کر آپ کے کہنے کے موافق عمل کریں۔ غرض اُس نے چکنی چپڑی باتیں بنا کر اور روغنِ قاز مل کر (اُسے ہموار کر لیا) دکھنیوں کے کوچ کے دن وہ خود اور سورج مل مذکور بہانے سے بھیرا و چُنّہ کے ساتھ اُن کے لشکر سے دلیرانہ نکلے اور تلم گڑھ میں جو شہر سے بارہ کوس پر ایک مضبوط قلعہ ہے، آکر بیٹھ گئے۔ وزیر کو مع خیمہ و اسباب کے آگے بڑھا دیا۔ دکھنی فوج کے وکیلوں نے ہر چند خوشامد کی، لیکن انھوں نے ایک نہ سُنی اور بادشاہ سے جا کر مل گئے۔ دکھن کا سردار جو واقعی بڑا جیالا تھا اور اپنے بھاری لاؤ لشکر اور زبردست ساز و سامان اور ہتھیاروں کے سامنے اُن کی جمعیت کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اُس نے جب یہ سُنا تو تاؤ میں آگیا اور کہنے لگا: "یہ کیا چیز ہیں؟ اِن کی حکومت کا چراغ ایک پھونک کا ہے۔ میں اِن کے بھروسے پر دکھن سے نہیں آیا ہوں۔ انھیں تو چٹکیوں میں مسل دُوں گا۔" اِس حرکت کے تدارک کو تو اُس نے پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھا اور جا کر نجابت خاں روہیلہ کے قلعہ پر قبضہ کر کے کھڑے کھڑے صمد خاں کو مار ڈالا اور اُس انبوہ کو تتر بتر کر دیا۔ اِس فوج کے بارہ باٹ ہو جانے سے مرہٹوں کی ہمّت بندھ گئی اور اُنھوں نے وہاں

سے پلٹ کر پانی پت کے قریب مورچے بنا لیے اور بادشاہ کی فوج سے کھلی جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ جب جون ندی کا پانی ذرا اُتر گیا تو شاہ (ابدالی) بڑے جوش و خروش سے پورب کے سرداروں کے ساتھ دریا کے پار اُترا اور اُن پر حملہ آور ہوا۔ باقاعدہ جنگ چھڑنے سے چند روز پہلے خبر ملی کہ گوبند پنڈت بھاری سپاہ کے ساتھ آرہا ہے اور مرہٹوں کی فوج سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (ابدالی) کی فوج کے ایک سردار نے شاہی لشکر سے جُدا ہوکر اُسے چُپکے سے جا گھیرا اور ہلاک کر دیا۔ اُس کا سارا سامان لوٹ لیا اور لشکر تتر بتر ہوگیا۔

اُسی زمانے میں راجا (ناگرمل) کُمھیر میں جو سورج مل کا قلعہ ہے، دوبارہ تشریف لائے۔ قسمت کی بات کہ میں اُن دنوں وہیں تھا۔ (اُن کی خدمت میں) گیا اور التماس کیا کہ "میں آپ کی تشریف آوری کا منتظر تھا اب مجھے اجازت دیجیے کہ کہیں نکل جاؤں کیونکہ ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی ہے"۔ (راجا نے) از راہِ عنایت جو وہ میرے حال پر فرماتے تھے کہا: "معلوم ہوتا ہے میاں ان مرگ ہونے کا ارادہ ہے مگر میں جانے دوں جب نا!" اُسی دن خرچ کے واسطے کچھ بھیجا اور میرا وظیفہ بدستورِ سابق دستخط کرکے عنایت کیا۔

اُس بزرگوار (راجا) نے یہیں سکونت اختیار کرلی کیونکہ اب شاہجہان آباد ایک ویرانے سے زیادہ نہیں ہے اور لوگ سال میں دو بار اجڑ رہے ہیں۔ [illegible] کوئی کب تک خانہ بدوش رہے۔ یہ علاقہ ایک طرح سے [illegible] یہاں کا رئیس بھی خوش حال ہے [illegible] ورنہ دربار نہیں ہے [illegible] سایۂ دربار میں اپنا ٹھکانا کرلیا اور وہیں پڑ گئے۔

[illegible] لشکروں کی حقیقت [illegible] مطابق [illegible] آئے تو عین ممکن تھا کہ [illegible] آجائے [illegible]

کر کے بیٹھ گئے اور شاہی فوج نے یہ فکر رکھی کہ اُن کی رسد نہ آنے پائے۔ جب (رسد نہ آنے سے) پریشانی بہت بڑھ گئی تو مرہٹہ سردار جنگ پر آمادہ ہوا اور اُس کے (ساتھی) سردار حصار اور مورچوں سے باہر آ کر ڈٹ گئے۔ (ابدالی فوج کے) جگردار بھی اُن کے درپئے آزاد ہو کر جی توڑ کوشش کرنے لگے۔ بہادروں نے پیچھے ہٹ کر تنظیم کے ساتھ ہلّہ بولا اور دلیروں نے متحد ہو کر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آزمودہ کاروں نے بندوقیں سنبھال لیں اور مقابلہ پر جم گئے۔ مقابل دستے والے تلواریں سُونت کر ٹوٹ پڑے۔ معرکۂ کشت و خون کے زبردست پہلوان لڑنے مرنے کو مہیا ہو گئے۔ 'پیش جنگوں' نے پیادہ ہو کر لڑنا شروع کیا اور لڑائی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جوانوں کے کاری زخم لگے اور (بہت سے) ہلاک ہو گئے۔ جیالے جنگ آور دونوں طرف سے پل پڑے اور تفنگ لے کر (ایک دوسرے پر) حملہ کرنے لگے۔ دکھن کا سردار پامردی کے ساتھ میدان میں آیا اور اُس نے شاہی فوج کے بہت سے دستوں کو مار بھگایا۔ لیکن فتح تو شاہ کے لیے (مقدر ہو چکی) تھی اِن کی کوششوں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ بہتیری بندوقیں چلاتے تھے مگر اُدھر کے ایک آدمی پر بھی اثر نہ کرتی تھی۔ (اُن کی) فوج کے بہت سے کارآمد سپاہی اِدھر کے معمولی تفنگ اندازوں کے ہاتھ سے زخمی ہو گئے۔ چنانچہ تیروں کے پہلے ہی ہلّے میں ایک تفنگ وِسواس راؤ کے لگا جو (مرہٹہ) ریاست کا ولی عہد تھا اور وہ خاک و خون میں لوٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ بھاؤ بڑا غیور جوان تھا اور دادِ مردانگی دے رہا تھا۔ جب اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ سانحہ دیکھا تو کہنے لگا کہ اب دکھن جانے کا مُنہ نہیں رہا۔ جان سے ہاتھ دھو کر بڑی دلیری کے ساتھ (ابدالی) فوج کے قلب پر جا پڑا یعنی جان بوجھ کر اپنے تئیں موت کے مُنہ میں ڈھکیل دیا۔ ملھار جو 'گرگِ باران دیدہ' تھا وہاں سے دو تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر بھاگا باقی تمام لشکر غارت ہو گیا۔ جو سردار زندہ بچے وہ بھکاریوں کے سے حال میں ننگ دھڑنگ پھر رہے تھے۔

ہزار ہزار بھگوڑے سپاہیوں کے ہتھیار اور گھوڑے اطرافِ شہر (پانی پت) کے دس دس زمینداروں نے مل کر چھین لیے کیا لکھوں کہ کیسا روزِ بد اِس قوم کو دیکھنا پڑا۔ ہزاروں ننگے (سپاہی) روتے ہوئے جس راستے سے گذرتے تھے (لوگوں کے لیے) عبرت کا سامان نظر آتے تھے۔ گانو کے لوگ بُھنے ہوئے چنے سب کو ایک ایک مُٹھی تقسیم کرتے تھے اور اُن کی تباہ حالی کا اپنے حال سے موازنہ کر کے (خدا کا) شکر ادا کرتے تھے۔ ایسی (عبرت انجام) شکست کسی کو کم ہی ہوئی ہوگی۔ بہت سے بُھوک سے مر گئے، اور بہتوں نے ٹھنڈی ہَوا سے اکڑ کر جان دے دی، جو فوج یہ قلعہ میں چھوڑ آئے تھے شاہی فوج کی لوٹ مار کے خوف سے رات کے وقت بھاگ گئی۔ کروڑوں روپے کا سامان شاہ (ابدالی) کے اور پورب کے سرداروں کے ہاتھ لگا جسے انھوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ نقد و جنس کے علاوہ توپ خانہ اور دوسرا جنگی سامان، ہاتھی، بیل، گھوڑے اور اونٹ شجاع الدولہ وغیرہ نے اپنے حصے میں لے لیے۔ دُرّانی (سپاہی) جو فقیرِ محض تھے مالا مال ہو گئے۔ ہر دِہ باشی، کو سَو اونٹوں کا بار ملا اور ہر نفر کو دو خروار۔ بڑی دولت ہاتھ لگ گئی۔ ہر شخص پھُولا نہ سماتا تھا۔ شاہ ابدالی اس شاندار فتح کے بعد جو شاہانِ سَلَف میں سے بھی کسی کو میسر نہ آئی ہوگی، بڑے کرّ و فرّ کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور اطراف کے سرداروں کے نام فرمان بھیجے کہ آئیں اور نوکری کریں۔

ناگرمل کی نیابتِ وزارت

ایک تحریر راجا ناگرمل کے پاس بھی پہنچی۔ وہ یہ سوچ کر کہ شاہ ابدالی ہندستان کا ... ہو گیا ہے اور اب اِس زرخیز ملک سے واپس نہ جائے گا اور یہیں ... ہی ہے، چلا گیا۔ نجیب الدولہ پیشوائی کے لیے آ رہے گیا۔ شاہ کی ملازمت اس نے ... شاہ ولی خاں کے ذریعے حاصل کی۔ یہ ملاقات خوشگوار رہی۔ شاہ نے اپنی ... اور نیابت وزارت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ چنانچہ وہ اُمراے عظام کی بہبودی کا ...

شجاع الدولہ سے صفائی اور میرا سفر

وزیر (شاولی خان) نے ایک بار کہا کہ شجاع الدولہ کے باپ تم سے بہت اخلاص رکھتے تھے اور یہ ابھی بچہ ہے، سوائے گھمنڈ اور خود نمائی کے کچھ نہیں جانتا۔ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ (ابدالی) بادشاہ ہے اور ذرا سی شوخی میں ایک عالم تہ و بالا کر دیتا ہے محتاط رہنا چاہیئے۔ اِس قسم کی ہیکڑی سے اُسے نہایت چڑ ہے، رفاقت کا خیال کر کے کچھ نہیں کہتا مگر اس پر بھُولنا نہیں چاہیئے:

پادشاہان و نکویان دو گروہے عجب اند
کہ نبودند و نباشند بفرمانِ کسے

(بادشاہ اور نیکو کار یعنی درویش یہ دو عجیب گروہ ہیں کہ نہ یہ کسی کے تابعِ فرمان کبھی ہوئے ہیں نہ ہوں۔)

بہتر یہ ہے کہ تم اور نجیب الدولہ جاکر اُسے سمجھا دو ورنہ کل کلاں کو کچھ بات ہوئی تو ہم ذمہ دار نہیں۔ چنانچہ دونوں گئے اور اُسے معذرت خواہی کے لیے آمادہ کر کے لائے اور وزیر سے اجازت حاصل کی۔ بارے یہ ملاقات خوشگوار رہی اور کدورت صفائی میں بدل گئی۔ میں اِس سفر میں اُن (راجا ناگرمل) کے ساتھ تھا۔

دلّی پھر لُٹی

(حکایت) ایک دن میں ٹہلنے نکلا اور شہر کے تازہ ویرانوں سے گذرا۔ ہر قدم پر روتا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھا حیرت بڑھتی گئی۔ مکانوں کو شناخت نہ کر سکا، کسی گھر کا پتا تھا نہ کسی عمارت کے آثار۔ نہ اُن کے مکینوں کی خبر۔

از ہر کہ سخن کردم گفتند: کہ این جا نیست
از ہر کہ نشاں جُستم گفتند: کہ پیدا نیست

(جس کے بارے میں بھی معلوم کیا یہی جواب ملا کہ یہاں نہیں ہے، اور جس کا پتا نشان

پوچھا، (لوگوں نے) یہی کہا "کچھ خبر نہیں۔")
گھر کے گھر مسمار تھے اور دیواریں شکستہ۔ خانقاہیں صوفیوں سے خالی۔ خرابات رندوں سے۔ یہاں سے وہاں تک ایک ویرانہ تھا لق دق۔

ہر کجا اُفتادہ دیدم خشت در ویرانہ ای
بود فردِ دفترِ احوالِ صاحب خانہ ای

(میں نے کسی کھنڈر میں جو اینٹ پڑی دیکھی وہ کسی صاحبِ خانہ کے احوال کا ایک ورق معلوم ہوتی تھی۔)

نہ وہ بازار (تھے) جن کا بیان کروں۔ نہ بازار کے وہ حسین لڑکے۔ وہ حُسن کہاں جس کی پرستش کیا کرتا تھا، وہ یارانِ عاشق مزاج کدھر گئے؟ جوانانِ رعنا گذر گئے۔ پیرانِ پارسا چلے گئے۔ (بڑے بڑے عالی شان) محل خراب (ہوگئے) گلیاں معدوم ہوگئیں اور ہر طرف وحشت برس رہی تھی۔ اُنس ناپید (تھا)۔ ایک اُستاد کی رُباعی مجھے یاد آگئی۔

اُفتاد گذارم چو بویرانۂ طوس　　دیدم چُغدے نشستہ بر جائے خروس
گفتم چہ خبر داری ازین ویرانہ؟　　گفتا: "خبر اینست کہ افسوس افسوس"

(میرا گذر شہر طوس کے ویرانے سے ہوا۔ میں نے دیکھا کہ مرغ کی جگہ ایک اُلو بیٹھا ہوا ہے اُس سے میں نے کہا کہ اِس ویرانے کا کچھ حال بتا۔ کہنے لگا بس یہی معلوم ہے کہ "افسوس افسوس"۔)

ناگاہ اُس محلّہ میں آنکلا جہاں میں رہتا تھا، جلسے کرتا تھا، شعر پڑھتا تھا، زندگی گذارتا تھا، راتوں کو روتا تھا، خوش قدوں سے عشق لڑاتا تھا، اُن کے حُسن کی تعریفیں کرتا تھا، اور لمبی لمبی زُلفوں والے (معشوقوں) کے ساتھ رہتا تھا۔ حسینوں کی پرستش کیا کرتا تھا اگر پل بھر کو بھی اُن سے جدائی ہوتی تو بے قرار ہوجاتا تھا،

محفل سجاتا تھا۔ حسینوں کو بُلاتا تھا، اُن کی مہمان داری کرتا تھا (ایسی رنگین) زندگی گذارتا تھا۔ اب کوئی ایسا مانوس چہرہ نظر نہ آیا جس سے دو باتیں کرکے دل خوش کرلیتا۔ کوئی معقول انسان نہ ملا جس کے پاس جا بیٹھتا۔ پھر اُس وحشت گاہ سے نکل کر ایک کنارے پر آکھڑا ہوا اور حیرت سے (تباہی کے چھوڑے ہوئے نشانات) دیکھتا رہا۔ بہت صدمہ اُٹھایا اور عہد کیا کہ اب اِدھر نہ آؤں گا اور جب تک یہاں رہوں گا شہر کا رُخ نہ کروں گا۔

ابدالی کی واپسی

(سانحہ) جب یہ طے پایا کہ شاہ ولی خان راجا کے ساتھ جاکر ملک گیری کرے گا تو شاہ ابدالی کی فوج جو مالِ غنیمت سے مالا مال ہوچکی تھی، قلعے کے دروازے پر جمع ہوکر ہنگامہ کرنے لگی اور کہا کہ ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں بادشاہ (ابدالی) یہاں رہنا چاہتا ہے تو رہے۔ ہم تو ایک مدت سے اِسی مُہم میں لگے ہوئے ہیں بیوی بچوں تک کی بھی خیر خبر نہیں۔ شاہ نے سوچا کہ پردیس میں فوج کے بغیر رہنا ممکن نہیں مجبوراً اپنی راجدھانی قندھار کو جانے کا تہیا کرلیا۔ وزیر نے اپنے خیمے جو وہ آگے بھجوا چکا تھا، واپس منگوا لیے، اور یہاں کے سرداروں سے اُسے شرمندہ الگ ہونا پڑا۔ (اپنی روانگی) سے دو روز پہلے راجا (ناگرمل) اور شجاع الدولہ کو رخصت کیا، شہزادہ جواں بخت کو شاہ عالم کا ولی عہد بنایا، اور شہر کا انتظام نجیب الدولہ کے سپرد کرکے دلّی سے نکلے۔ راستے میں زین خاں[1] نامی افغان کو جو اُنھیں کے قوم و قبیلے کا تھا، سرہند کا فوجدار بنایا اور لاہور پہنچ گئے۔ چونکہ اِس قوم کا غُرور حد سے تجاوز کرچکا تھا، غیرتِ خداوندی نے اُنھیں سکھوں کے ہاتھوں ذلیل کیا جو (پنجاب کے نواح میں) بے اَصلوں، جولاہوں، ندافوں، بزازوں، دلالوں، بقالوں، نجاروں، قزاقوں، کسانوں، کم مایہ لوگوں، سفلوں، جنگلیوں، بازاریوں،

---

[1] زین خاں کا قتل جنوری ۱۷۶۴ء میں ہوا۔

کمینوں، اور تہی دستوں کی ٹولی تھی تقریباً چالیس یا پچاس ہزار سکھوں نے جمع ہو کر
اِس لشکرِ جرّار کا مقابلہ کیا۔ کبھی تو ایسے مقابل آتے کہ زخم پر زخم کھاتے مگر پیٹھ نہ دکھاتے
اور کبھی اِدھر اُدھر منتشر ہو کر سَو دو سَو (ابدالی) سپاہیوں کو گھیر کر لے جاتے اور سب
کو تہِ تیغ کر دیتے۔ ہر صبح کو فتنہ اُٹھاتے ہر شام کو چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے، غرض
اُنھوں نے ابدالی کے) لشکریوں کو ایسا بوکھلا دیا تھا کہ وہ ہزار جتن سے جان بچا کر
بھاگتے تھے، کبھی ظاہر ہوتے اور لشکر پر ٹوٹ پڑتے کبھی سامنے آکر بڑ بولتے اور جم کر
لڑتے، کبھی شہر پر چڑھائی کرتے اور اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ پریشاں بالوں
اور بندھے ہوئے جُٹّلوں کے ساتھ فوج میں آتے تھے رات بھر شور و شر رہتا اور سارا
دن فریاد و فغان (کی ہولناک آوازیں آتیں)۔ اُن کے پیادے سواروں کے تلوار
لگاتے، اور اُن کے گھوڑوں کی زین کو خون میں لت پت کر دیتے۔ اُن کا معمولی سا
نوکر (ابدالی کے) تیر اندازوں کو پکڑ کر لے جاتا اور ایذائیں دیتا غرض اِن بے حقیقت
کنگالوں نے اُن بے مایہ لوگوں کو ایسا ذلیل و رُسوا کیا کہ اطراف کے سرداروں نے
یہ ماجرا سُنا تو اُنھیں نظروں سے گرا دیا۔ (ابدالی فوج میں) مقاومت کی سکت ہی
نہ رہی جان بچا کر نکل بھاگنے کو غنیمت جانا اور اس شہر (سرہند) کی نظامت کا
خلعت ایک ہندو کو دے کر اپنا رستہ لیا۔ (سکھوں کی فوج کا) یہ انبوہ اُن کے تعاقب
میں لوٹ کھسوٹ کرتا ہوا اور دُون کی لیتا ہوا دریائے اٹک تک اُن کی گوشمالی کرتے
گیا۔ پھر اُس صوبے پر قبضہ کر لیا جس کی آمدنی دو کروڑ (سالانہ) تھی۔ کچھ دنوں بعد
شامت کے مارے ہندو کو جو شہر (لاہور) میں مُقیم تھا قتل کر کے بالکل [illegible]
ہو گئے۔ اب چونکہ ملک کا کوئی دعویدار درمیان میں نہ تھا ان سب عوام کالانعام
نے ملک کو آپس میں بانٹ لیا اور رعایا پر فیاضیاں شروع کر دیں یعنی حکومت کے
طور طریق سے واقف تھے نہیں، کاشتکاروں نے جو کچھ دست برداشتہ دے دیا وہ انھوں نے

مُفت جان کر قبول کر لیا۔

سُورج مل کی بغاوت

(سانحہ) اِس سال سُورج مل، جو بڑا طاقت ور زمیندار ہے اور اُس کے آباؤ اَجداد اُولوالعزم (مُغلیہ) پادشاہوں کی نوازشوں کے ہمیشہ مَورِد رہے ہیں۔ جب وہ (اِس حقیقت سے) واقف تھا تو آگرہ اور دلّی کے درمیان کی راہداری اُسی سے متعلّق تھی۔ مگر ان دنوں مسلمان اُمرا کی سستی سے (فائدہ اُٹھا کر) اُس نے بغاوت کی اور اکثر محالات پر قابض ہو گیا۔ سیہ روزگار قلعہ دار[1] کی نمک حرامی سے آگرے کا مضبوط قلعہ بھی ہتیا لیا۔ شاہ عالم نے شُجاع الدّولہ کی تحریک پر جو اب اُس کا وزیر ہے، بھاری لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور (یہ خبر) زبان زدِ خلق ہو گئی کہ بادشاہ سُورج مل کو نکالنے کے لیے آ رہا ہے۔ زمیندار مذکور شہر (آگرہ) اور قلعہ کی حفاظت کے لیے اپنے قلعوں سے نکل آیا اور جنگ کرنے کو آمادہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے راجا (ناگرمل) کو لکھا کہ تمھارا آنا زیادہ مناسب ہے۔ وہ تو دوستی پیدا کرنے میں ماہر تھے اُنھوں نے سفیر بھیج کر (صُلح کر لی) اور اُس فوج کو واپس لوٹا دیا۔

میرا آگرے جانا (جولائی ۶۲ء۱۷)

میں اِس تقریب سے تیس[3] سال کے بعد[2] اکبر آباد گیا اور اپنے والد اور چچا کے مزاروں کی زیارت کی۔ وہاں کے اکثر شعرا مجھے اِس فن کا امام سمجھ کر ملنے کو آئے۔

---

[1] اس قلعہ دار کا نام فاضل خاں تھا اور اس نے ۱۲ر جون ۱۷۶۱ء کو قلعہ آگرہ پر قبضہ کیا تھا۔ ملاحظہ ہو سرکار: زوالِ سلطنتِ مغلیہ ۲/۲۷۸ نیز ۲/۳۱۸ مفتاح التواریخ ۵۱۹۔ [2] میر نے تیس (۳۰) سال کے بعد اپنا دوبارہ آگرے جانا لکھا ہے لیکن واقعات کی روشنی میں یہ غلط ہے۔ عباراتِ ماسبق سے اتنا واضح ہو چکا ہے کہ میر نادر شاہی حملے (۱۷۳۹ء) کے بعد (دوبارہ) دِلّی آئے تھے اور وہ زمانہ اگر ۱۷۴۰ء بھی مانا جائے تو سورج مل کی بغاوت جولائی ۱۷۶۲ء کا واقعہ ہے جس کی رو سے میر ۲۲-۲۳ برس کے بعد تیسری بار آگرہ گئے ہیں نہ کہ تیس[3] برس میں۔

صاحب سُنّی نِکلے!

(حکایت) میں نے ایک عالم کی شہرت سُنی۔ گیا اور ملاقات کی، مگر کور مغز نکلا۔ یعنی بات کا مفہوم بھی نہ سمجھتا تھا۔ میں نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ اُس نے احمقانہ باتیں شروع کر دیں کہ اِس زمانے کے اکثر جوان رافضی ہوتے ہیں اور از راہِ بہتان تراشی[1] بزرگوں کے حق میں جانے کیا کیا بکتے ہیں۔ تمھاری یہ خاکِ امام کی تسبیح جو ہم وَسنا پیشہ لوگوں کے لیے سببِ غبارِ خاطر ہے اِس کی دلیل ہے کہ تمھارا مَیلان رفض کی طرف ہے۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کہا: "مجھے خود یہی تردّد تھا کہ آپ رافضی ہیں یا نہیں، خدا کا شکر ہے کہ صاحب سُنّی نکلے۔" وہ مُوذھو اس کِنائے کو نہ سمجھا اور بہت خوش ہوا۔ جب مجھے (اپنا) ہمنوا پایا تو اور بھی پوچ بکنا شروع کیا۔ میں نہایت بے مزہ ہوا اور اُٹھ کر چلا آیا۔

آہ اے وطن! (جولائی تا اکتوبر ۱۷۶۲ء)

(حکایت) میں [illegible] شاہ [illegible] کے [illegible] گیا [illegible] آکر [illegible] جاتا تھا۔ اُس کا محلِ وُقوع بہت اچھا ہے یعنی اس طرف [illegible] اور [illegible] قلعہ اور امرا کی حویلیاں۔ گویا بہشت کی نہر ہے۔ میری معنی آفرینی [illegible] [illegible] تھی [illegible] سیاہ پلکوں والے، اچھی سج دھج والے، جامہ زیب، پاکیزہ طینت [illegible] اور [illegible] مجھے نہیں چھوڑتے تھے اور میری بہت عزت کرتے تھے۔ دو تین بار [illegible] شہر میں [illegible] وہاں کے عالموں فقیہوں اور شاعروں سے ملا، مگر کوئی ایسا بات کرنے کا اہل [illegible]

---

[1] یہاں میر نے فارسی محاورہ "سقیفہ سازی" کا استعمال کیا ہے۔ [illegible] نے یہاں اپنے تشیع کے اظہار یا محاورۂ ایران کی نقل کے شوق میں [illegible] عالم کی زبان سے کہلوائے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ مکالمہ ابھی ہوا ہو [illegible] کا کچھ سیاق ہے نہ کوئی اہم نکتہ اس کے درج کرنے کا محرک ہو سکتا ہے جب کہ [illegible] بہت سی اہم [illegible] لکھنے کی ہو سکتی تھیں میر نے اُن کی طرف التفات نہیں کیا ہے۔

جس سے دلِ بیتاب تسلّی ہوتا۔ میں نے سوچا کہ سُبحان اللہ یہ وہی شہر ہے جس کی گلی گلی میں عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی، دانشمند، فقیہ، متکلم، حکیم، صوفی، مُحدّث، مدرّس، درویش، متوکل، شیخ، مُلّا، حافظ، قاری، اِمام، مؤذّن، مدرسہ، مسجد، خانقاہ، تکیہ، مہمان سرا، مکان اور باغ تھے، اور آج کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں بیٹھ کر دل خوش کر لوں! ایسا آدمی نہیں ملتا جس سے کچھ دیر گپ کر سکوں۔ بس ایک وحشت ناک خرابہ تھا (جسے دیکھ کر بہت) رنج اُٹھایا اور واپس آگیا۔ اِس طرح چار مہینے لطف و ... میں گذارے، رخصت ہوتے وقت حسرت سے آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور جب ... رنج دل کے قلعہ ... میں آگیا۔

میر قاسم کی معزولی (اگست ۱۷۶۳ء)

(سانحہ) یہاں آکر سنا کہ قاسم علی خاں، ناظم بنگالہ اور اُن تجارت پیشہ نصرانیوں (یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی) میں جو وہاں ایک مدت سے سکونت رکھتے تھے جنگ چھڑ گئی ہے[۱]۔ وہاں (بنگال) کی رعایا اور زمیندار اُس کے بے اندازہ ظلموں سے عاجز آگئے تھے اِس لیے اُنھوں نے (قاسم علی خاں کا) ساتھ نہیں دیا۔ آخر کار وہ شکست کھا کر اپنی ہزیمت خوردہ فوج، زر و جواہر اور بے حساب مال و منال ساتھ لے کر عظیم آباد آگیا جو اُسی کا صوبہ تھا۔ فرنگی (تعاقب کرتے ہوئے) یہاں بھی آپہنچے۔ اُس نے چاہا کہ شہر بند ہو جائے اور پھر جنگ کرے، لیکن اُس کے لشکر نے پیٹھ دکھائی اور اُسے دوبارہ شکست ہوئی۔

---

[۱] میر قاسم علی خاں ستمبر ۱۷۶۰ء میں میر جعفر کی معزولی کے بعد بنگال کے گورنر ہوئے۔ انگریزوں سے اُن کا معاہدہ تھا لیکن انگریزوں نے اُس کی خلاف ورزی کی۔ اِس پر میر قاسم نے فوج کشی کر دی مگر شکست کا منھ دیکھنا پڑا (۱۷۶۴ء) اور شجاع الدولہ سے پناہ مانگی۔ انگریزوں نے اودھ پر دباؤ ڈال کر وہاں سے بھی نکلوا دیا۔ آخر کچھ دن روہیلکھنڈ پھر ریاست گوہد اور جودھپور میں گذار کر ۱۷۷۴ء میں شاہ عالم کے دربار میں پہنچے مگر یہاں بھی پناہ نہ ملی۔ آخری زمانہ موضع کوتوالی میں نہایت کس مپرسی کے عالم میں بسر کیا۔ — ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں انتقال ہوا، اور اُن کے ساتھ ہی بنگال کے صوبیداروں کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

وہ اپنا ساز و سامان لے کر نو دس ہزار فوج کے ساتھ شجاع الدولہ کی سرحد میں آگیا۔ انگریزوں نے بالفعل جنگ سے ہاتھ اُٹھالیا اور پیش قدمی نہ کی۔ جب وہ بنارس کے قریب پہنچا تو خیمے ڈال کر وزیر (شجاع الدولہ) کو لکھا کہ "میں تمھاری امداد کے بھروسے پر آیا ہوں اگر تم میری اعانت کرو اور نصرانیوں سے جو (ہمارے) مذہب کے مخالف ہیں، جنگ کرنے کو آجاؤ تو تمھاری فوج اور ملازموں کا خرچ میرے متصدی اٹھائیں گے۔" اُنھوں نے جواب دیا: "پہلے تم یہاں آؤ اور بادشاہ کی ملازمت حاصل کرو (بادشاہ کے) حضور میں جو کچھ طے ہوگا اُس کے موافق عملدرآمد کیا جائے گا۔" وہ شامت کا مارا اور سازش سے بے خبر، مع اسباب و آلات اور پانسو ہاتھیوں کے کچھ لالچیوں کے اعتماد دلانے پر جو بیچ میں پڑے ہوئے تھے، اُس دریا (گنگا) سے جو شہرِ مذکور (بنارس) کے نیچے واقع ہے پار اُتر کر لشکر میں داخل ہوگیا اور گھیرا ڈال دیا۔ اُدھر کے حریصوں کی نظر اُس کے شاہانہ اسباب پر پڑی تو اُن کی نیت ڈانوا ڈول ہوگئی اور کچھ پرانے گھاگ بھیج کر اُسے دھوکے دھڑی سے قید کرلیا۔ دو تین دن بعد سب زر و نقد، جواہر اور اجناس، گھوڑے، ہاتھی، بیل، اونٹ، خیمے، فرش، جو کچھ بھی تھا وزیر نے ناعاقبت اندیشوں کے کہنے میں آکر (چھین لیا اور) اُس کے پاس کچھ نہیں چھوڑا۔ جو بدعہد بیچ کے بچولیے بنے ہوئے تھے اُنھوں نے معاہدے کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور اپنے قول سے پھر گئے۔ (وہ بیچارہ یہ سوچ کر) آیا تھا کہ کوئی اُس کی مدد کرے گا مگر یہاں اور بھی بے اعتبار ہوگیا۔ جب اُس نے پناہ کا طالب ہوکر وزیر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو بیگم، یعنی مادرِ شجاع الدولہ کی سرکار سے (کچھ) یومیہ (وظیفہ) مقرر ہوگیا۔

باقی داستان یہیں چھوڑتا ہوں کیونکہ ابھی مجھے ایک اور کہانی سنانی ہے۔

لہ ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء

سُورج مل کی جھڑپ[1]

جمادی الثانیہ ۱۱۷۷ھ - دسمبر ۱۷۶۳ء

(سانحہ) سورج مل، جو بڑا جیالا سردار ہے، اُس کا بڑا لڑکا جواہر سنگھ، مدّت سے ریاست کا خیال سر میں رکھتا ہے۔ چنانچہ اب سے پہلے اپنے باپ سے جنگ کرکے بہتوں کا خون بہا چکا ہے، خود بھی دو تین کاری زخم کھائے تھے۔ اِن دنوں وہ فرّخ نگر گیا جو شاہجہاں آباد سے مغرب کی طرف تین منزل کے فاصلے پر ایک شہر ہے اور جس کی سرحد اُس کے باپ کے ملک کی سرحد سے ملتی ہے۔ وہاں کے زمیندار سے جا بھڑا جس کا باپ نواحِ دلی کی فوجداری پر مامور تھا۔ اِس آویزش کو طُول دیا اور وہ (زمیندار) بھی مونچھ نیچی کرنے پر آمادہ نہ ہوا، اور جی جان سے (لڑائی میں) کُود پڑا۔ جب اِسی طرح دو مہینے گذر گئے تو سورج مل نے بڑی بھاری سپاہ لے کر اُدھر کا رخ کیا اور راجا (ناگر مل) کے ہاں رخصت ہونے کو آیا، اُنھوں نے مشورہ دیا کہ تم ہر گز مت جاؤ، ایسا نہ ہو کہ (کسی بڑے) فتنہ و ہنگامہ کا سبب بن جاؤ کیونکہ نجیب الدّولہ وہاں سے نزدیک ہے اگر اُس نے اِسلام کی رعایت کی تو جنگ چھڑ جائے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ فریقِ ثانی کے پاس قلعہ ہے، فوج ہے، اگر جم کر لڑا اور دیر تک جنگ رہی، تو تمھارے بڑے پن کو بھی بٹّا لگے گا۔ آدابِ ریاست میں یہ لکھا ہے کہ جب تک کام نوکر سے نکل سکتا ہو، سردار کو چاہیئے کہ اپنے بیٹے سے نہ کہے۔ اور جب تک بیٹے (کو بھیجنے) سے کام بنتا ہو خود (مُہم پر) نہ جائے۔" لیکن خاصّہ یہ ہے کہ جب موت منڈلانے لگتی ہے تو انسان معقول بات نہیں سُنتا، اُس نے بھی (راجا ناگر مل کے اِس) مشورے کو اِس کان سُن کر اُس کان سے اُڑا دیا۔ چنانچہ گیا اور وہاں (فرّخ نگر) کے رئیس کو قید کرلیا۔ اُس کی سپاہ نے دستِ ظلم دراز کیا، اور وہاں کے شرفاء کے مکانوں میں

---

[1] فارسی متن "ذکرِ میر" کے مرتب مولوی عبدالحق نے اِس موقع پر عنوان "جواہر سنگھ کی دست درازی اور نجیب الدّولہ کی گوشمالی" غلط قائم کیا ہے۔ نجیب الدّولہ کی جھڑپ سُورج مل سے ہوئی تھی نہ کہ جواہر سنگھ سے۔ میر نے اِسی جنگ کے بیان میں آگے چل کر نام بھی لکھ دیا ہے" اما کسی نہ دانست کہ این سورج مل است"۔

جھاڑو پھیر دی۔ (رئیسِ فرّخ نگر کے) بھائیوں نے جو نجیب الدّولہ کے ساتھ تھے بہت واویلا کی اور نجیب الدّولہ سے اپنی بے طاقتی کا اظہار کیا اُس نے اُن کی خاطر (سورج مل) سے التجا کی کہ وہ لوگ اپنی سزا کو پہنچ گئے اب اُنھیں معاف کر دو۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور بڑی دلیری سے شاہجہاں آباد کی طرف بڑھا۔ (نجیب الدّولہ نے) جنگ سے تغافل کرتے ہوئے شہر کے دروازے بند کرا دیے اور بالکل سونٹھ ہوگیا۔ یہ گھمنڈی اِتراتا ہوا دریا کے پار اُترا اور اُس سے اُلجھ کر درہی کا باعث ہوا۔ اُس (نجیب الدّولہ) کی انسانیت میں شبہ نہیں (اُس نے) سَو بار کہلا بھیجا کہ "میں تم سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اِس لیے اپنی فوج کو نہیں نکال رہا ہوں۔ شہر کے غریب لوگ (خواہ مخواہ) تکلیف اُٹھا رہے ہیں، تمھارا یہاں محاصرہ کرنا مناسب نہیں ہے۔" لیکن (سورج مل) نے ایک جواب بھی انسانیت کا نہیں دیا بلکہ چھچھورپن سے یہ کہلا بھیجا کہ "میں تو نواب کی فوج کو دیکھ کر ہی واپس جاؤں گا اگر جلدی شہر سے باہر نکل آئیں تو احسان ہوگا کیونکہ مجھے اور بھی کام درپیش ہیں۔ نہیں تو یہ فوج جو میرے اختیار میں نہیں ہے، صبح و شام میں شہر پر دھاوا بولا ہی چاہتی ہے۔" اُس سردار (نجیب الدّولہ) نے کہا کہ "اچھا تو ہم کل صبح ضرور باہر نکلیں گے اور اپنی فوج کے دَم خم تمھیں دکھا دیں گے۔"

(نقل) ایک شخص نے جو اُن دونوں کے درمیان (سفارت کے فرائض انجام دے رہا) تھا، مجھ سے بیان کیا کہ آدھی رات کو نجیب الدّولہ نے اپنی فوج کو دریا پار کرنے کا حکم دیا اور خود لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک عجیب واقعہ (خواب میں) دیکھا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اُس نے کہا: "ایک درخت پر ایک بڑا کوا بیٹھا ہے، اور بہت سے کوّے اُس کے چاروں طرف جمع ہو کر شور مچا رہے ہیں۔ میں اُدھر سے گذرا ہوں اور ایک ہی

تیریں اُس (کوّے کو) ڈھیر کر دیا ہے۔ باقی سب کوّے اُسے مرا ہوا دیکھ کر یک بارگی اُڑ گئے ہیں، غالب ہے کہ مجھے فتح نصیب ہوگی۔ اِن شاءَ اللہ صبح کو سوار ہو کر اُس سیاہ باطن کو ٹھکانے لگاؤں گا۔"

جب صبح ہوئی، آسمان نے تیغِ حادثہ کھینچی، جنگ کا نقارہ بجا، اور (نجیب الدولہ) ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے پار اُترا اور نہایت استقلال کے ساتھ مقابلے پر جم گیا۔ حریف نے بڑے گھمنڈ اور طمطراق کے ساتھ اپنی فوج کے دستوں کو آگے بڑھایا۔ تفنگ انداز تفنگ چلانے میں (مصروف ہوئے) اور آزمودہ کار جنگ کے طور طریقے بھانپنے میں یہ سردار (نجیب الدولہ) تو پہلے ہی ٹھٹکا ہوا تھا، حسبِ معمول نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔ اُدھر کا رئیس (سورج مل) بھی کمر کس کر میدان میں ڈٹ گیا تھا اور چھیڑخانی سے باز نہ آتا تھا۔

جب روہیلوں نے دو تیغہ بازی شروع کی تو اُس (سورج مل) نے اپنے تئیں فوج میں چھپا دیا اور اس سے غافل ہو کر کہ ظالم موت اُس کی تاک میں ہے، بالا بالا نکل کر اُس فوج پر ٹوٹ پڑا جو شہر کی جانب تھی۔ (اِس پر) ایک شور برپا ہوا۔ (نجیب الدولہ کی) فوج کے قلب سے کچھ رُودار دستے اُن کی امداد کو لپکے اور اِس بلا کو دُور کر دیا۔ اِس گرد و غبار میں اُس اجل رسیدہ کے ایسا زخم لگا کہ گھوڑے سے زمین پر گرا اور مر گیا لیکن کسی نے نہ جانا کہ یہ سُورج مل ہے۔ (لوگ) آپس میں کہہ رہے تھے کہ جب اُس کا گھوڑا سامنے آئے گا تو اُس کے جِلو میں قیامت ہوگی یہ کیا جانتے تھے کہ وہ پیش جنگی کر کے خود کو لقمۂ اجل بنوا چکا ہے۔ اُس وقت سے شام تک پھر جنگ نہ ہوئی۔ وہاں تو اُس کا کام تمام ہو چکا تھا اور یہاں (نجیب الدولہ کے سپاہی) یہ ڈر رہے تھے کہ رات ہوتی جا رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ شب خون مارے اور ہمیں ہلاک کر ڈالے۔ شام کے بعد (جاٹوں کی) فوج منتشر ہو کر

چلی گئی۔ ادھر یہ آدھی رات تک جنگ کے ارادے سے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار کھڑے رہے لیکن سب کو یہی فکر تھی کہ آخر کیا بلا ہے کہ اُدھر سے جھنکار تک نہیں آتی، ایسا نہ ہو کہ حریف کی فوج غفلت میں ہم پر حملہ کرے اور قیامت برپا کردے۔ اُن کے لشکر کے جاسوس نکل کر دو، دو، تین، تین کوس تک اِدھر اُدھر گھومے لیکن ایک (چڑیا کا بچہ بھی) نہ مِلا۔ آخرِ شب کے قریب جاسوسوں نے آکر بتایا کہ گانو والوں سے یہ سُنا گیا کہ ایک جماعت بدحواسی (کے عالم) میں کہتی جارہی تھی "افسوس ہے سورج مل جیسا سردار مارا جائے اور ہم بے مروّت اُس کی لاش کو میدان میں چھوڑ کر اپنی جان کے خوف سے یوں بھاگ آئیں"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سہ پہر کی جھڑپ میں جو محافظ فوج (چنداول) کے ساتھ ہوئی تھی، مارا گیا ہے، اور اُس کا لشکر بھاگ گیا۔

انھیں باتوں میں تھے کہ صبح ہوگئی اور ایک سوار ایک کٹا ہوا ہاتھ لایا اور کہنے لگا کہ یہ اُس کا وہی سُوکھا ہوا ہاتھ ہے جس میں ناسور تھا۔ دوسرے لوگوں نے بھی پہچان لیا اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ جب یقین ہوگیا تو بھاگی ہوئی فوج کا تعاقب شروع کیا اور اُن کا پیچھا لیا۔ اگر وہ لوگ [illegible] دریا پار اُتر جاتے تو ایک جہان کو تباہ کر ڈالتے۔ لیکن راجا (ناگرمل) نے کہا کہ نواب نے یہ دولت یعنی ایسی (شاندار) فتح مفت حاصل کر لی ہے اب [illegible] غنیمت جانیں اور باگیں موڑ لیں۔ یہاں بڑی جمعیت [illegible] نے ہمت سے مقابلہ کیا تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ [illegible] اور قلب سلیم رکھتا تھا، اُس نے راجا ناگرمل [illegible] تو واپس [illegible]

جواہر سنگھ جو یہ خبر سُن کر [illegible] جان [illegible] خود کو سنبھالے ہوئے تھا مسندِ ریاست پر [illegible] ہو کر دنیا [illegible] کرنے کی فکر میں لگ گیا [illegible]

شجاعت اور مروّت میں وہ اپنے باپ سے سَو گُنا بہتر ہے۔

دولت نہ دہد خدای کس را بہ غلط

لشکر بادشاہ و وزیر کی حقیقت

(سانحہ) ہوا یہ کہ شجاع الدولہ نے کچھ ناتجربہ کار دُوں اور نا اہلوں کے بہکائے میں آکر، جو اُس کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے، اِس لالچ میں کہ اگر صوبۂ عظیم آباد ذرا سی تگ و دَو سے ہاتھ آجائے تو مفت برابر ہے، شاہ عالم کو اپنے ساتھ لے کر اُس طرف لشکر کشی کردی۔ عیسائیوں کے کپتان یعنی فرنگیوں کے سردار نے شہر (کی حفاظت کے انتظامات) مُحکم کرکے انھیں لکھا کہ ہمیں جس سے پرخاش تھی اُسے ہم نے مار لیا اور اِس ملک سے نکال دیا۔ اب ہمیں نواب (شجاع الدّولہ) اور بادشاہ (شاہ عالم) سے کوئی سروکار نہیں، پھر اِس حرکت (فوج کشی) کا سبب نہ معلوم کیا ہے؟ اگر ہم سے اِطاعت (قبول کرانا) منظور ہے تو ہم (پہلے ہی سے) مُطیع و منقاد ہیں، بے فائدہ زحمت اُٹھانے کی حاجت کیا ہے؟ اور اگر کچھ بے سمجھ نو دولتوں کے اکسانے پر ہمارا اِستیصال مقصود ہے، تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔ بڑے لوگوں کا مزاج تُند سیلاب کی طرح ہوتا ہے، جدھر کو چل پڑا بس چل پڑا۔ ہم تو خس و خاشاک ہیں۔ ہمارے پاس کیا سر و سامان ہے جو اُس کے سدِ راہ ہوسکیں۔ سرداروں کی طبیعت کو آندھی سے تشبیہ دی جاتی ہے، ہم تو مشتِ خاک ہیں (ہمارے پاس) کیا ساز و برگ رکھا ہے جو اُس کا راستہ روک دیں۔"

لیکن حضورِ شاہ کے معاملہ نافہم لوگوں نے جو عقل و شعور سے بیگانے تھے اِس تحریر کو فرنگیوں کی بُزدلی اور نامردی پر محمول کیا اور باصرار کوچ کرنے کا مشورہ دیا۔ جب شہر (عظیم آباد) کے نواح میں دونوں فریقوں کی مُڈبھیڑ ہوئی تو فرنگی بندوقیں لے کر لڑائی پر تُل گئے، اور نمک حرام مغل آقا کے خزانوں پر جھپٹ پڑے۔

نصرانی (انگریز) بڑی جرأت سے آگے بڑھے۔ نواب کا ایک چیلا عیسٰی نامی دلیری سے (لڑتا ہوا) مارا گیا۔ بادشاہ (فقط) تماشائیوں کی طرح کھڑا (دیکھتا) رہا۔ (انجام کار) شکست ہوگئی۔ نواب نے جو (شہر کے) آس پاس کہیں لڑ رہا تھا، توقف میں مصلحت نہ دیکھی اور (باقی ماندہ) چند (لوگوں) کے ساتھ (اپنے) صوبہ کی راہ لی۔ (اتنی لمبی) مسافت (صرف) ڈیڑھ دن میں طے کرکے اپنے ٹھکانے پر آگیا۔ وہاں سے نقد و جنس اور ناموس بقدرِ ضرورت ساتھ لے کر فرخ آباد کو روانہ ہوا۔

کیا خوب سودا نقد ہے

اگرچہ یہ دنیا دار الجزا نہیں، لیکن کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے (کہ بدلہ ہاتھ کے ہاتھ مل جاتا ہے چنانچہ) اِس بھاری لشکر پر یہ شکست فاحش (اُس غداری کا) بدلہ تھی جو اُنھوں نے قاسم علی خاں سے کی تھی۔

شاہ عالم کا وظیفہ

اُدھر نصرانیوں نے خیموں اور آلاتِ جنگ وغیرہ پر قبضہ کرکے بادشاہ کو اپنے ساتھ لیا اور اطمینان سے اس طرف کو عازم ہوئے۔ سات آٹھ دن کے عرصے میں اودھ[1] پہنچے جو شجاع الدولہ کا مستقر ہے اور اِس فتح کے شکرانے میں جو اُن کے تصور سے بھی بڑھ چڑھ کر تھی کسی شخص کو آزار نہیں پہنچایا۔ ایک ہفتے کے بعد بادشاہ کا دو[2] لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کرکے اُسے الٰہ آباد کو رخصت کر دیا کہ حضرت بطور خود رہیں اب ہم جانیں اور ملک

(سانحہ) اسی دوران میں جواہر سنگھ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ملہار راؤ (ہولکر) کی اعانت سے، جس کا احوال پہلے لکھا جا چکا ہے، بھاری لشکر لے کر نجیب الدولہ پر حملہ آور ہوا اور دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ اناج کی مہنگائی سے مخلوق تنگ آگئی۔ جنگ و جدال اور کشت و خون کا سلسلہ تقریباً دو مہینے جاری رہا

---

[1] اودھ موجودہ فیض آباد کا قدیم نام ہے۔

عماد الملک جو اِس جنگ سے کنارہ کرنے کی فکر میں تھا، اپنی ناموس (زن و فرزند) کے ساتھ بھرت پور کے قلعہ سے نکلا اور فالتو لوگوں کو فرخ آباد بھیج کر خود جواہر سنگھ کا شریک ہوگیا۔

عماد الملک[1] نواب عماد الملک اِس سن وسال کے باوصف یگانۂ روزگار ہیں۔ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں چنانچہ پانچ چھ خط (خوشنویسی کے) بخوبی لکھتے ہیں۔ ریختہ اور فارسی دونوں میں بامزہ شعر کہتے ہیں اور فقیر (میر) کے حال پر بہت ہی عنایت فرماتے ہیں۔ جب کبھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، (کچھ نہ کچھ) حَظّ اُٹھایا ہے[2]۔

شجاع الدّولہ کی انگریزوں سے طلبِ امداد (سانحہ) شجاع الدولہ کا حال یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کی حمایت کے بھروسے پر فرخ آباد میں پڑا ہوا تھا اُن سے سوائے بے مروتی اور توتا چشمی کے کچھ نہ پایا تو ناچار ملہار کے ساتھ، جس کے حالات پہلے لکھے گئے ہیں، دوستی گانٹھ کر فوج جمع کی اور (انھیں) فرنگیوں سے جنگ کرنے کے لیے لے گیا۔ جب فریقین کا مقابلہ ہوا تو دونوں جانب سے گولوں کی باڑھ لگ گئی۔ دکھنی فوج کے دستوں نے اپنی بہادری دکھانے کے لیے توپ خانے کے منہ پر جا کر نیزہ بازی

---

[1] عماد الملک کے لیے رجوع کیجیے: خزانۂ عامرہ /۵۰۔ گلزارِ ابراہیم قلمی (نسخۂ پٹنہ) ورق ۲۹۷۔ ب تذکرۂ نشترِ عشق (قلمی رام پور) ۶۹۳۔ الف تا ۶۹۵۔ الف۔ گلشن سخن قلمی ۱۰۲۔ الف (مطبوعہ) تکملۃ الشعراء قلمی (نسخۂ رام پور) ۳۱۷۔ ب تذکرۃ الکاتبین (قلمی) ۲۸۔ الف۔ حدیقۃ العالم ۲/۲۲۳۔ عہد بنگش سرگذشتِ نجیب الدولہ /۵ زوالِ مغلیہ (سرکار) جلد ۳۔

[2] یہ سطور جس زمانے میں لکھی گئی ہیں عماد الملک جاٹوں کے علاقہ میں پناہ گزین تھا۔ فارسی متن کی عبارت یہ ہے: "سرگاہ بخدمت شریف اُو حاضر شدہ ام حَظّے برداشتہ"۔ قاضی عبدالودود صاحب نے میرے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ "حظّے برداشتہ" کا فاعل عماد الملک ہے۔ مگر مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ حظ سے میر کی مراد یہ ہے کہ اُن کے پاس جب بھی گیا ہوں کچھ نہ کچھ انعام وغیرہ ضرور ملا ہے۔ نسخۂ رام پور میں اِس موقع پر صریحاً "برداشتہ ام" لکھا ہے اِس سے بھی میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اور مار دھاڑ شروع کردی۔ (عیسائی فوج) دائرۂ لشکر سے چپکے سے نکل آئے اور گولہ باری کرتے ہوئے اچانک ایسے آپڑے کہ دکھنیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ساری شیخی کرکری ہوگئی۔ وہ بدحواس ہوکر ایسے بھاگے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ دو تین دن میں گوالیار پہنچ گئے جو آگرہ سے تین منزل (کی مسافت) پر ایک شہر ہے جہاں (مرہٹوں کا) حاکم رہتا ہے اور یہ (علاقہ) اُن کے قبضہ میں ہے۔ چند روز میں انھوں نے اپنے پراگندہ حال کو درست کیا اور جواہر سنگھ سے جنگ کرنے پر تُل گئے۔ اُدھر شجاع الدولہ کا دعوی نمٹ گیا۔ وہ اپنی موت سے بے پروا ہوکر تن تنہا فرنگیوں کے پاس چلا گیا۔ (فرنگیوں نے) اُس سے مُروّت کی، اور تمام چیزوں سے دست بردار ہوگئے (اور اس کے) صوبوں کو اُس پر چھوڑکر عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔

جب (بادشاہ اور وزیر کا) رفعِ حجاب ہوگیا تو (شجاع الدولہ نے) دوبارہ وزارت کا خلعت پہنا (۱۳۔ ربیع الاول ۱۱۷۹ھ مطابق ۳۰۔ اگست ۱۷۶۵ء)[۱] اور بخنت ہوکر اپنے مستقر یعنی اَودھ میں آکر بیٹھ گیا۔

جواہر سنگھ اور مرہٹوں کی جنگ

(سانحہ) اُدھر یہ تیرہ روزگار دکھنی (مرہٹے) بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ جواہر سنگھ کی سرحد تک آگئے اور اکثر دیہات کو لوٹ کھسوٹ لیا۔ جواہر سنگھ جو واقعی بڑا بہادر ہے (اپنے) قلعوں سے نکلا اور آٹھ نو ہزار سکھوں کو جو اُن دنوں اس ضلع میں آئے ہوئے تھے بھرتی کرکے لے گیا اور مقابلہ کیا۔ جب جنگ چھڑی تو اُن کم بختوں کے چھکے چھوٹ گئے اور یہ (سکھ) لوٹ مار اور پکڑ دھکڑ میں لگ گئے چنانچہ تقریباً پانسو آدمیوں کو مع ایک (مرہٹہ) سردار کے پکڑ لائے اور ان کی سپاہ گری کی آبرو خاک میں ملادی۔ ملہار چونکہ غیرت مند آدمی تھا جب اس نے شکست پر شکست

---

[۱] چہار گلزار شجاعی (قلمی) (عکس مملوکہ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نسخۂ ذاتی

کھائی تو فرطِ اندوہ و غم سے تین چار منزل آگے جاکر مر گیا۔

مرہٹوں نے صلح کر لی

اندریں اثنا، رگھنا تھ راؤ، جو دکھنیوں کا مانا ہوا سردار ہے، کثیر فوج کے ساتھ پہنچا اور جواہر سنگھ کی سرحد کے اس طرف کے زمینداروں میں سے ایک پر چڑھائی کرکے اُس کے ملک میں فتنہ کھڑا کر دیا۔ زمیندار مذکور جواہر سنگھ سے دوستی رکھتا تھا' اُس نے لکھا کہ اگر مرہٹے مجھے دبالیں گے تو یقینی ہے کہ تمھارے ملک پر بھی ہاتھ صاف (کرنے کی کوشش) کریں گے۔ تمھارا (اپنی) سرحد پر آنا ضروری ہے' میرا فائدہ بھی اسی میں ہے۔ یہ فراخ حوصلہ جوان (جواہر سنگھ) بے پایان لشکر کے ساتھ گیا اور چنبل ـــ جو ایک مشہور دریا ہے ـــ کے اُس طرف پڑاؤ ڈال دیے۔ مرہٹوں نے سراسیمہ ہوکر اور بھی جی توڑ کوشش شروع کر دی۔ (مگر) ابھی دونوں لشکر محاذوں پر ہی (تیاریوں میں مصروف) تھے کہ شاہ (ابدالی) کے آنے کا غلغلہ بلند ہوا۔ اُس کے نام (ہی) سے مرہٹہ سرداروں کا پیشاب خطا ہوتا تھا' چنانچہ سر پر پانو رکھ کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے اور اُن قیدیوں کی رہائی پر صلح کر لی جنھیں ملھار کی جنگ میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اُس عزیز (جواہر سنگھ) نے اِن نمک حراموں کی واجبی گوشمالی کی جو مرہٹوں سے ساز باز کرکے اینٹھ رہے تھے اور آگرہ واپس آگیا۔

میرا دوسرا سفرِ آگرہ

راجا (ناگر مل) اپنے قلعوں سے (نکل کر) اُس کی ملاقات کے لیے (آگرے) گیا۔ مجھے اِس بہانے اپنے باپ اور چچا کے ڈھیروں کی زیارت پھر میسّر آگئی۔ تقریباً پندرہ روز وہاں رہ کر اِس طرف کو واپسی ہوئی۔

ابدالی کا حملہ

اِس بار بھی شاہ درّانی مشہور دریائے ستلج کے اُس طرف تک آیا اور بے حقیقت سکھوں کے ہاتھوں نقصان اُٹھا کر لوٹ گیا۔

جواہر سنگھ اور مادھو سنگھ کی جھڑپ

(سانحہ) اسی زمانے[1] میں جواہر سنگھ اور مادھو سنگھ پسر جے سنگھ کے مابین ریاست کے معاملات میں سے کسی معاملے پر تلخی ہوگئی اور وہ رفتہ رفتہ جھگڑے کی شکل اختیار کر گئی۔ اس بہادر نوجوان نے اس کے ملک کا ستیاناس کرنے پر کمر باندھ لی اور بظاہر بخت سنگھ — جس کا احوال میرا سحر طراز قلم پہلے لکھ چکا ہے کے لڑکے راجا بجے سنگھ کی ملاقات کے بہانے سے پُشکر گیا[2] جو اس وقت کا ایک بڑا تالاب ہے اور ہندو وہاں اشنان کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ راستے میں اُس نے اکثر دیہات کو تہ و بالا کر دیا۔ بجے سنگھ اگرچہ جوان تھا مگر پختہ رائے رکھتا تھا وہ آکر اُس سے ملا اور بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی۔ باہم عہد و پیمان ہوگئے — رائے بہادر سنگھ راجا کا بڑا بیٹا جو ہمت و شجاعت والا جوان ہے اِس سفر میں جواہر سنگھ کے ساتھ اُس تالاب میں غسل کرنے گیا تھا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے۔[3] جواہر سنگھ کی واپسی پر راجا مادھو سنگھ کے سرداروں نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ چھیڑ دی دوپہر تک تیر و تفنگ کی لڑائی ہوتی رہی، آخر میں جہالت کیش راجپوتوں نے "اُتارا" کیا[4] اور تلواریں سونت کر پل پڑے۔ اکثر کے پانوُ اُکھڑ گئے۔ آخر ان دلیر جوانوں (جواہر سنگھ و رائے بہادر سنگھ) نے دادِ مردانگی دے کر اس بلائے سخت

---

[1] یہ جمادی الثانیہ ۱۱۸۰ھ مطابق نومبر ۱۷۶۶ء کا واقعہ ہے اور میر نے یہ سطریں اسی زمانے میں لکھی ہیں۔ (چہار گلزار شجاعی)

[2] فارسی متن ذکر میر (مطبوعہ) میں یہاں بھکر آیا ہے لیکن سیاق و سباق کا تقاضا ہے کہ پُشکر ہونا چاہیے جو اجمیر کے قریب مشہور تیرتھ استھان ہے۔ جادو ناتھ سرکار نے اس جھڑپ کی تاریخ ۶۔ نومبر ۱۷۶۶ء لکھی ہے (زوالِ سلطنت مغلیہ جلد ۲ ص ۲۰۴)

[3] قوسین کے درمیان کی عبارت "ذکر میر" کے مطبوعہ متن میں نسخہ رامپور کے حوالے سے حاشیے پر اضافہ کی گئی ہے ہم نے اس عبارت کو ترجمہ میں علیحدہ کر دیا ہے۔

[4] یہ میدان جنگ میں انتہائی شجاعت کا مظاہرہ ہوتا تھا کہ سواریاں چھوڑ کر دست بدست لڑائی شروع کر دیتے تھے

کوٹالا۔ شام ہونے تک دونوں لشکر بیدم ہو چکے تھے۔ کینے کی آگ (ابھی تک) دونوں طرف بھڑک رہی ہے اور (بے چاری) رعایا خس و خاشاک کی طرح اُس میں جل رہی ہے۔ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

سِکھ فوج کی بدعہدی

(سانحہ) جب جواہر سنگھ اپنے قلعوں میں آ کر بیٹھ گیا تو راجپوتوں کی فوج بڑی بیدردی سے آس پاس کے گانو لوٹنے لگی اور دکھنیوں کی پُشت پناہی سے آبادیوں کو اجاڑنا شروع کر دیا۔ اُن دنوں سکھوں کی ایک فوج دریاے جمن کے اِس پار موجود تھی ادھر کے رئیس (جواہر سنگھ) نے اُن سے ساز باز کر کے مقابلہ کیا۔ خوب کُشت و خون ہوا۔ عالم تباہ ہو گیا۔ آخر (جواہر سنگھ نے) حریف کی فوجوں کو اپنے ملک سے نکال کر سکھوں کے سرداروں کو اُن کے پیچھے لگا دیا اور اپنا جانا خلاف مصلحت سمجھا۔ اس غدار قوم نے اُن سے سازش کر لی اور اس سردار (جواہر سنگھ) کو دھوکا دیا۔ جب اس (جواہر سنگھ) نے ان کی بدعہدی دیکھی تو بہت بے مزہ ہوا۔ لیکن اُسی زمانے میں اس کے اقبال نے یاوری کی کہ راجا مادھو سنگھ اپنی پرانی بیماری کے سبب مر گیا اور اُس کی فوج کے سردار مجبوراً صلح کر کے واپس ہو گئے۔ اور یہ بے تہ سکھ بھی اُس راہ سے نکل گئے۔

جواہر سنگھ کا قتل

۱۷۶۸ء - ۱۱۸۲ھ

(ایک عظیم سانحہ) اور وہ یہ کہ اِس عرصے میں جواہر سنگھ اکبر آباد چلا گیا اور کسی بدبخت کے ہاتھوں تلوار کے ایک ہی وار میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب ریاست اُس کے بھائی راؤ رتن سنگھ کو ملی۔ یہ سیہ کار ہمیشہ شراب کے نشے میں دُھت رہتا تھا اور خلقِ خدا پر حد سے زیادہ ظلم کرتا تھا، چنانچہ دس مہینے کی مدت میں[1] اُس نے ہر کس و ناکس سے بدسلوکیاں

---

[1] ماہ صفر ۱۱۸۲ھ مطابق جون ۱۷۶۸ء سے ماہ ذی حجہ ۱۱۸۲ھ مطابق اپریل ۱۷۶۹ء تک۔

کیں۔ انجام کار کسی مُہوّس نے اُسے بھی چاقو سے ہلاک کر ڈالا[1]۔ اب سردار اُس کا (نابالغ) بیٹا کیسری سنگھ مقرر ہُوا[2]۔ اختیارات نوکروں کے ہاتھ میں چلے گئے (جس کے باعث) سارا کام ابتر ہوگیا۔

اب کارپردازوں نے سُورج مل کے چوتھے بیٹے نول سنگھ کو جو میدان میں نہیں تھا اُس (نابالغ) لڑکے[3] کا نائب بنا دیا ہے۔ اگر وہ سلیقے سے نبھالے جائے تو اچھا ہے ورنہ ڈھنگ تو بگڑے ہوئے (نظر آہی رہے) ہیں[4]

جب اس قوم کے نفاق نے طول پکڑا اور ملک کے انتظام کی نوبت کمینوں تک آپہنچی تو نول سنگھ اور اُس کا چھوٹا بھائی رنجیت سنگھ جس سے کُمّھیر کا قلعہ متعلق ہے، دونوں جنگ کے لیے کھڑے ہوگئے۔ تقریباً پندرہ دن تک توپ و تفنگ کے ساتھ لڑائی ہوتی رہی[5]۔ چونکہ قلعہ مضبوط تھا ناچار نول سنگھ نے صلح کر کے چھوڑ دیا۔ ہر چند دونوں بھائیوں میں بظاہر صلح وصفائی ہوگئی ہے، مگر کینۂ باطن کا کیا علاج[6]۔ جیارام، جو رنجیت سنگھ کی فوج کا سردار اور اُس کا مدار المہام تھا،

---

[1] راؤ رتن سنگھ اگست ۱۷۶۸ء میں مسندِ ریاست پر بیٹھا تھا اور ۸۔ اپریل ۱۷۶۹ء کو قتل کیا گیا۔ اُس کی مدت ریاست آٹھ ماہ کے قریب ہوتی ہے۔ اُسے ایک برہمن گوسائیں روپانند نے قتل کیا تھا۔ اُس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ کیمیا بنانا جانتا ہے۔ راجہ نے اُسے پارس کی پتھری ڈھونڈھنے پر مامور کیا۔ یہ کچھ زمانے تک اُسے بیوقوف بنا کر روپیہ اینٹھتا رہا اور جب دیکھا کہ مکر کا پردہ چاک ہونے والا ہے تو ایک دن رتن سنگھ کو ہلاک کر دیا۔ (زوالِ سلطنت مغلیہ ۳۔ ۳۔ ۴)

[2] ذکرِ میر میں اس کا نام "کیہری سنگھ" ملتا ہے مگر سرکار (زوال ۳/۴) نے کیسری لکھا ہے۔ یہ مسند نشینی کے وقت شیر خوار تھا۔ نول سنگھ کا سالا دان شاہ ریجنٹ مقرر ہوا تھا۔

[3] اس نابالغ لڑکے کا نام رنجیت سنگھ تھا (چمار گلزار)

[4] ان سطروں سے ظاہر ہے کہ یہ عبارت ۱۷۶۹ء۔ ۱۷۷۰ء کے مابین لکھی گئی ہے۔

[5] زمانہ تقریباً ۱۵۔ فروری ۱۷۷۰ء (زوال ۳۔ ۴)

[6] یہاں تک ذکرِ میر کی عبارت فروری ۱۷۷۰ء میں لکھی جا چکی تھی۔

دکھنیوں کے لشکر میں گیا۔ جو اُن دنوں وہاں سے چار پانچ منزل کے فاصلے پر منڈلا رہے تھے[1] اور (مرہٹہ) سرداروں کو لالچ دے کر اپنے ملک میں لے آیا۔[2] یہی (مرہٹے) جو آج دُون کی لے رہے ہیں (بہت) پھٹے حالوں میں اُس کے ساتھ آئے تھے اور قلعۂ کُمھیر کی دیواروں کے نیچے محاصرہ کرکے پڑ گئے تھے[3] اور اتنے ہراساں تھے کہ ایک ایک سے پوچھتے تھے "نول سنگھ کی فوج کتنی ہے؟ اور کیسے لڑتی ہے؟" اگر نول سنگھ اپنی جگہ سے نہ ٹلتا تو اُس کا اتنا نقصان نہ ہوتا اور مرہٹے بھی تھوڑا بہت (مال) بطور ضیافت لے کر چلے جاتے۔ چنانچہ اُنھوں نے متھرا کی جانب حرکت شروع کر بھی دی تھی[4] لیکن رات کے وقت نول سنگھ کی فوج کے ناتجربہ کاروں[5] نے گوردھن[6] کے قریب ـــ کہ وہ بھی ہندوؤں کا تیرتھ استھان ہے ـــ آ کر اُن پر قزاقانہ حملہ کر دیا[7] (اور ایسے کیا کہ) سَو یہاں ہیں، تو دو سَو وہاں۔ ہزار اِدھر تو پانسو اُدھر۔ اسی لیے جو جس جگہ تھا وہاں تنہا (ہی) رہا، کوئی کسی کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ (اِس کا نتیجہ لامحالہ یہ ہونا تھا کہ) نسیمِ فتح و ظفر دکھنیوں کے پھریروں

---

[1] مرہٹے اُس وقت جے پور میں تھے اور والیِ جے پور نے اُنھیں پچاس لاکھ روپیہ دینے کا لالچ دیا تھا بشرطیکہ وہ جاٹوں سے اُس کے مقبوضہ علاقے واپس دلا دیں۔

[2] مرہٹہ فوج کے سرداروں نے ۵۔ مارچ ۱۷۷۰ء کو کُمھیر کے قلعہ میں رنجیت سنگھ سے ملاقات کی تھی (زوال ۳/۶)

[3] تقریباً ایک ماہ کُمھیر میں پڑے رہے تھے۔ [4] تفصیل دیکھو زوال ۳/ ۶-۷

[5] یہاں میر کا اشارہ گوسائیں بالانند اور دان شاہ کی طرف ہے۔ سمرو Sombre اور میڈک نے یہ مشورہ دیا تھا کہ جنگ کرنا مناسب نہیں، مگر دان شاہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ناگوں کے سردار گوسائیں بالانند نے بھی اس کی تائید کی۔ (زوال ۳/۷)

[6] یہ بھرت پور سے نو میل جانبِ مشرق واقع ہے۔

[7] یہ حملہ ۶۔ اپریل ۱۷۷۰ء کو ہوا تھا۔ (زوال ۳/۶)

پر لہرائی۔ اِدھر کے گھوڑے ہاتھی اونٹ اور بہت سا سامان جنگ اُدھر کے قلعہ دار[۱] کے ہاتھ آیا۔ لیکن ایسی شکست دینے پر بھی اُن سے یہ نہ ہو سکا کہ نول سنگھ کے قلعوں پر دھرنا دے دیتے[۲] بس اِسی کو غنیمت سمجھ کر دریائے جون سے گذر گئے اور دوآبہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے۔ جب وہاں اُن کا پڑاؤ لمبا ہو گیا تو نجیب الدولہ نے، جو بہت دور اندیش تھا، دل میں سوچا کہ یہ مصیبت یُوں بالا بالا نہیں جائے گی مبادا شہر کو کچھ گزند پہنچائے۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے اور بھائی کو نیز جتنی فوج بھی ہمراہ تھی اُسے لے کر نظر بتوکل (مرہٹہ) سرداروں کے مقابل آیا اور جب تک جان میں جان رہی دکھنیوں کو اِتنی مہلت نہیں دی کہ وہ شہر کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکیں۔ مگر جب وہ اپنے پرانے مرض کی وجہ سے مر گیا[۳] تو اُس کے سرداروں نے کسی چھوٹی سی بات پر اُس کے بیٹے ضابطہ خان سے اختلاف پیدا کر لیا۔ آخر (ضابطہ خان) چھوڑ چھاڑ کر سکرتال چلا گیا اور اُنھوں (مرہٹوں) نے شہر کے قریب آ کر اپنے خیمے گاڑ دیے۔

کاماں میں

جب جاٹوں کی بد پردازی اور ناسازی حد سے سوا ہو گئی اور (شہر میں) رہنے سہنے کا مزہ بالکل جاتا رہا تو راجا ناگر مل نے (دہلی کے) بیس ہزار خاندانوں کو ساتھ لے کر جو اُسی کی وجہ سے آباد ہوئے تھے اور (اُن میں سے) اکثر اُسی کے دامنِ دولت سے وابستہ بھی تھے، یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا اور ادھر کے سرداروں سے (جانے کی) اجازت بھی طلب کی۔ لیکن وہ

---

[۱] اِس جنگ میں دو ہزار مارے گئے تھے۔ پانچ ہزار زخمی تھے۔ غنیم کو ۴۰ توپیں ہاتھ آگئیں صرف دو ہلکی توپیں سورج مل بچا کر لے بھاگنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ جاٹوں کے بارہ سو گھوڑے [illegible] بارہ بڑی توپیں مرہٹوں نے ہتھیالیں (زوال ۳/ ۷)

[۲] نول سنگھ نے شکست کے بعد گوردھن سے چار میل مشرق میں ایک قلعہ [illegible] میں پناہ لی ہوئی تھا۔ مرہٹوں نے یہاں تک اُس کا تعاقب کیا مگر یہاں سے اُن کا رخ منڈا کی طرف ہو گیا تھا۔ (زوال ۳/ ۹)

[۳] ۳۱۔ اکتوبر ۱۷۷۰ (زوال ۲/ ۲۹۰۔ نیز ۳/ ۱۶)۔

ظالم تومنوز ان لوگوں کو ستانے کی گھات میں (لگے ہوئے) ہیں انھوں نے راجا کو لیت ولعل میں رکھا اور یہ چاہا کہ اس سردار کا ارادہ فسخ کرادیں اور (پھر موقع پاکر) خاموشی سے دستِ ظلم دراز کریں۔ جب (راجا کو) یہ یقین ہوگیا کہ یہ لوگ جانے نہیں دیتے بلکہ سدِّ راہ ہورہے ہیں تو اُس نے خدا پر بھروسا کرکے وہ کیا جو سرداری کا لازمہ ہے (یعنی) بڑی جرأت کے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر سوار ہوا، اور قلعے سے باہر آکر غریبوں کی امداد میں اتنا مصروف ہوا کہ ایک شخص کی ناموس (زن وفرزند) کو بھی وہاں (خطرے میں) نہیں چھوڑا۔ خدائے بیچوں کے فضل اور اپنے حُسنِ نیت کی [illegible] سے دو تین دن میں اِس بھاری قافلے کے ساتھ شہر کاماں میں داخل ہوا جو [illegible] پور) کے راجا پرتھوی سنگھ پسر راجا مادھوسنگھ کی سرحد پر واقع ہے جسے حال ہی میں رئیس بنایا گیا ہے۔ ہم مصیبت کے مارے بھی اُس کی نوکری کے تعلق سے اُسی قافلے کے ساتھ اقامت گزیں ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آب و دانہ کچھ دن یہیں رکھتا ہے یا کہیں اور لے جاتا ہے[1]

میر دلی میں ورود

(سانحہ) ان دنوں یہ مشہور ہوا کہ شاہی اقبال کے جھنڈے فرخ آباد پر سایہ فگن ہوئے ہیں۔ راجا نے مجھے (سفیر بناکر) حُسام الدین[2] خان کے پاس بھیجا جو بادشاہ کے مزاج میں دخیل تھے[3] میں نے جاکر عہد و پیمان درست کیے[4] ادھر اُس کے چھوٹے بیٹے نے جو مجھ سے اِس لیے خوش

---

[1] یہاں تک ذکر میر کی عبارت کاماں (راجستھان) میں لکھی گئی ہے۔

[2] یہ حُسام الدین حیدر خاں دہی ہیں جن کے نام سے ایک حویلی آج بھی محلہ بلیماران دہلی میں موجود ہے اور جن کے بارے میں یہ روایت ہے کہ انھوں نے مرزا غالب کا ابتدائی کلام میرؔ کو لکھنؤ میں دکھایا تھا اور اُس کے بارے میں میرؔ نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔

[3] شاہ عالم جولائی ۱۷۷۱ء میں حُسام الدولہ کے ساتھ فرخ آباد پہنچے تھے تاکہ احمد خان بنگش کی جاگیر ضبط کریں۔ مگر چھ لاکھ سالانہ پر فیصلہ ہوگیا تھا۔ (زوال ۳۹۶/۲)

[4] میرؔ کا یہ دوسرا سفر فرخ آباد تھا۔ پہلے سفر کا حوالہ صفحہ ۱۲۲ پر گزر چکا ہے۔

نہیں تھا کہ میں اُس کے بڑے بھائیوں سے کچھ مراسم رکھتا ہوں (معاہدے کے علی الرّغم) اپنے باپ کو یہ مشورہ[1] دیا کہ دکھنیوں کے پاس جانا زیادہ اچھا ہے چنانچہ وہ بادشاہ کے لشکر میں نہیں گئے اور شہر (کی طرف) عازم ہوئے۔ مجبوراً میں بھی اپنے متعلقین سمیت بڑی بے آبروئی سے اُن کے ہمراہ ہولیا۔ جب شہر (دلّی) میں پہنچا تو بیوی بچوں کو عرب سرائے میں چھوڑ کر (اُن کے قافلے سے) علیحدہ ہوگیا (دو تین دن کے بعد رائے بہادر سنگھ[2] سے ملا اور اُسے اپنے احوال سے مطلع کیا۔ اُس بھلے مانس نے اپنے مقدور بھر میرے حالات کو سُدھارنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔)

ضابطہ خاں پر چڑھائی
۱۷۷۵ء - ۱۱۸۵ھ

اِسی زمانے میں سیندھیا — جو دکھنی سرداروں میں سے ایک بڑا سردار ہے — پیشوائی کے لیے جاکر بادشاہ کو اپنے ساتھ لایا اور شہر میں داخل ہوا۔[3] اِس (بات) کو ابھی کچھ (دن بھی) نہ گذرے تھے کہ (مرہٹہ) سرداروں نے باہم طے کیا کہ بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر نجیب الدولہ مرحوم کے لڑکے ضابطہ خاں پر چڑھائی کرنی چاہیے۔ بادشاہ نے ہر چند بیماری کا بہانہ کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔[4]

میرا سفر سکّرتال
۱۷۷۲ء - ۱۱۸۵ھ

اِس تقریب سے میں بھی شاہی لشکر[5] کے ہمراہ اُس طرف روانہ ہوا۔ اُن لوگوں نے (وہاں) جاکر (تو اب)

---

[1] یہاں حسام الدولہ کے بیٹوں کی طرف اشارہ ہے [illegible] لیے کہ شاہ عالم نے فرخ آباد کے معاملے میں مرہٹوں (مادھوجی سیندھیا) سے مدد طلب کی تھی [زوال مغلیہ ۲/ ۹۷-۳]

[2] یہ راجا ناگرمل کا چھوٹا بیٹا تھا۔ [3] یہ واقعہ ۱- [illegible] ۱۷۷۱ء کا ہے [زوال ۲/ ۲۲۱]

[4] رک: زوال سلطنت مغلیہ ۳، ۵۔۱۰۴، ۱۰۶

[5] اس سفر میں [illegible] شاہی لشکر کے [illegible] تھے اور لشکر کا [illegible] تھا۔ دلی [illegible] باغپت۔ غوث گڑھ۔ چاندپور [illegible] سے [illegible] ضابطہ خاں نے سکرتال میں مورچہ بنایا تھا۔ ضابطہ خاں کی [illegible] کے بعد شاہ عالم [illegible] تک [illegible] پہنچ [illegible] ملے۔

ضابطہ خاں[۵۱] کو بغیر جنگ کے ہی بھگا دیا۔ اُس کے اموال اور گھر بار اور زن و فرزند پر قبضہ کرلیا[۵۲]۔ بادشاہ کو بجز دو سو مریل گھوڑوں اور چند پھٹے پُرانے خیموں کے کچھ بھی نہ دیا۔ بادشاہ (مرہٹوں کی) اس حرکت سے بہت ہی بددل ہوا[۵۳]۔ مگر کر کیا سکتا تھا۔ مرہٹے (اپنی طاقت کے) گھمنڈ میں تھے اور یہاں نہ زور تھا نہ زر۔ جب اُنھیں روپیہ نہیں ملا تو شاہی کارندوں نے یہاں کے شرفاء کی جاگیریں دھڑا دھڑ ضبط کرنا شروع کردیں اور بہتوں کو ذلیل و خوار کیا۔

---

۵۱ یہ بقول سرکار ۲۳ فروری ۱۷۷۲ء کا واقعہ ہے (زوال ۳/۳۶) ضابطہ خاں امیرالامراء نجیب الدولہ کا فرزند تھا اور اپنے باپ کی وفات (۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء) کے بعد اس کی جگہ دربار شاہی میں منصب دار ہوا تھا لیکن اسے کچھ الزامات لگاکر نکال دیا گیا اور املاک ضبط کرلی گئیں۔ اُس نے سرکشی کی تو شاہ عالم نے مرہٹوں سے امداد لے کر سکرتال پر فوج کشی کی (۱۱۸۵ھ۔ فروری ۱۷۷۲ء) سہارنپور اور نجیب آباد کے علاقے اُس کے تحت تھے جادو ناتھ سرکار (زوال ۳/۱۰۹) کا بیان ہے کہ ۱۷۷۷ء میں ضابطہ خاں نے سکھ دھرم قبول کرلیا تھا اور اس کا نام بھی دھرم سنگھ رکھا گیا تھا۔ لیکن یہ بالکل بے اصل الزام ہے۔ ضابطہ خاں ۱۷۸۵ء میں انتقال کرچکا تھا۔ ۱۷۸۵ء ہی میں اُس کا بیٹا غلام قادر روہیلہ جانشین ہوا۔ اُس نے اپنے باپ کی ذلت کا انتقام لیا اور شاہ عالم کو نورِ بینائی سے محروم کردیا تھا۔ اِس کا حوالہ میر نے اِس کتاب کے آخر میں دیا ہے۔

۵۲ مرہٹہ سرداروں کے محفوظ رکارڈ سے سرکار (زوال ۳/۴۰) نے پتھر گڑھ کے قلعے کی لوٹ کے یہ اعداد و شمار دیے ہیں: "دس لاکھ کا زر و سیم۔ ۲۲۹۸ گھوڑے۔ اِن میں سے ۱۰۴۳ شاہ عالم کو دیے گئے۔ تین بڑی توپیں۔ سات زنبورکین۔ ۱۸۴۲ گولہ بار۔ سَو راکٹ۔ ۳۰ من بارود۔"

ضابطہ خاں کی ضبط شدہ جاگیر میں سے سہارنپور فخرالدین خاں پسر قمرالدین خاں کو اور کرنال و انوپ شہر سینرھیا کو بخش دیا تھا۔

واپسی میں شاہ عالم کا راستہ یہ تھا: "نجیب آباد۔ نہٹور۔ شیرکوٹ۔ سیوبارہ۔ سلیم پور۔ امروہہ۔ پوٹھ (گنگا)۔ بکسر۔ ہاپوڑ۔ لاکھن۔ دہلی۔" نجیب آباد سے آخر مئی ۱۷۷۲ء میں روانہ ہوئے تھے اور ۹ جولائی ۱۷۷۲ء کو دہلی میں وارد ہوئے تھے۔ واپسی میں مرہٹوں نے سارے روہیلکھنڈ کو بُری طرح لوٹا تھا۔ صرف امروہہ لٹنے سے بچ گیا تھا۔ یہاں کے سادات نے نجف خان کی وساطت سے ساٹھ ہزار روپیہ تاوان دینے کا پہلے ہی سے اقرار کرلیا تھا۔ عبرت نامہ میں یہ رقم اَسّی ہزار بتائی گئی ہے۔ [زوال ۳/۴۳]

۵۳ مالِ غنیمت کی تقسیم پر شاہ عالم اور مرہٹوں کے سفیر کے درمیان جھڑپ بھی ہوگئی تھی ۲ مئی ۱۷۷۲ء (زوال ۳/۴۰)

وجیہ الدولہ سے وظیفہ

یں گدائی کے لیے نکل پڑا اور لشکرِ شاہی کے ہر سردار کے در پر گیا۔ چونکہ شاعری کے سبب میری شہرت بہت تھی، لوگ گونہ عنایات میرے حال پر مبذول کرتے تھے بارے (ان کی تھوڑی بہت امداد سے) کٹتے بلّی کی سی زندگی گذارتا رہا اور حسام الدولہ کے چھوٹے بھائی وجیہ الدین خاں سے ملاقات کی تو اُس شخص نے میری شہرت اور اپنی اہلیت پر نظر کر کے کچھ (وظیفہ) مقرر کر دیا، مگر دلدہی بہت کی۔

شاہ عالم اور مرہٹوں کی جنگ

القصہ چونکہ بادشاہ دکھنی سرداروں کی سرکشی سے ناخوش تھا۔ اُن کی مرضی کے بغیر شہر (دہلی) کی طرف روانہ ہوا اور قلعے میں آ گیا۔ یہاں آ کر نجف خاں نے، جو خود کو لشکرِ شاہی میں بڑا سپاہی سمجھتا تھا، بادشاہ کو جانچے پرکھے بغیر اس پر آمادہ کر لیا کہ جاٹوں کے متعینہ محالات کو تھیا لیا جائے۔ آخر اُس نے حسام الدولہ سے جو دکھنی سرداروں سے گہرے تعلقات رکھتے تھے مشورہ کیے بغیر بڑے [illegible] سے اس عظیم مہم کی اجازت حاصل کر لی اور دس پندرہ ہزار[1] نئی آتش لوگ شہر اور مضافات سے جمع کیے، اور پہلے ہی ہلّے میں شہر سے ملے ہوئے دس بارہ محالات پر قبضہ کر لیا۔ اِس پر اینڈنے لگا۔ چونکہ نوعمر اور ناتجربہ کار تھا کچھ احمقوں اور عاقبت نااندیشوں کے پٹی پڑھانے سے بہک گیا اور دکھنیوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

مرہٹوں کا منصوبہ

اُنھوں (مرہٹوں) نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آج تو [illegible] فقیروں کی طرح بے ساز و سامان ہے مگر [illegible] زور و طاقت ہم سے لڑنے چلا ہے اگر اُسے واقعی طاقت حاصل ہو گئی تو ہمارا ناک میں دم

[1] میر نے تعداد زیادہ لکھی ہے۔ نجف خاں نے سات ہزار سپاہی بھرتی کیے تھے۔ سعادت یار خاں رنگین نے والد طہماسپ خاں مسکین جو سکہ [illegible] کی مہم میں بھی موجود تھے لکھتے ہیں کہ یہ فوجی خوبصورت و مضبوط تھے اور ہندی الاصل تھے مگر لڑائی میں اچھے ثابت نہ ہوئے۔ (زوال ص ۶۳، ۶۵)

کر دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم دوآبہ سے (نکل کر) شہر کی طرف کوچ کریں اور اُسے مہلت دیئے بغیر اُس کا کام ہی تمام کر دیں۔ اگر وہ جنگ میں کام آجائے تو خیر۔ ورنہ اُس کی فوج کو پراگندہ کرکے (بادشاہ کو قید کر لیں اور) اُسے فقیروں کے سے حال میں رکھیں کہ وہ نان و نمک کھاتا رہے اور ہمارا دست نگر بنا رہے۔ جب یہ مشورہ ہو گیا تو ضابطہ خاں (پسر نجیب الدولہ) کو بخشی گری (کا عہدہ دینے) اور سہارن پور کی جایداد (بحال کرنے) کا لالچ دے کر خوش کیا، جو اُس کے قبضے سے نکال کر بادشاہ کے علاقے میں شامل کر دی گئی تھی۔ (اس طرح اُسے بھی) اپنے ساتھ ملا لیا، اور جاٹ کی فوج کو بھی اسی طرح ڈھبایا۔ پھر ایسی ہڑبونگ مچاتے ہوئے کہ اُس کا نہ لکھنا ہی بہتر ہے، ایک ہفتہ میں فریدآباد کے پاس پہنچ گئے اور پایاب دریا کو پار کر لیا۔ دو تین دن تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر ایک دن (باقاعدہ) جنگ بھی چھڑ گئی۔ اِس طرف سے بھی نجف خاں (کے علاوہ) بلوچوں[1] نے اور موسیو مدک فرنگی[2] نے جو نجف خاں کے ورغلانے سے جاٹ کی نوکری چھوڑ کر اِس شامت زدہ فوج کے ساتھ آملے تھے۔ میدان جنگ میں بڑی بہادری دکھائی۔ نمک حرام "مغلیہ" (فوج) نے جب دکھنی فوج کا چھتّا اُوَ دیکھا تو (ڈر گئے اور) پیٹھ دکھا کر بھاگے اور رسوائی مول لی۔ کچھ اجل رسیدہ[3] لوگ جن کے بدن پر (ڈھنگ کی) وردی بھی نہ تھی مفت میں زخم کھا کھا کر ہلاک ہوئے۔

لہ ... دسمبر ۱۷۷۱ء کا واقعہ ہے۔ بلوچوں سے وہ فوج مراد ہے جو موسوی خاں کے بھائی سید محمد خاں بلوچ کی کمان میں تھی (زوال ۳ ص ۵۰) ذکر مطبوعہ میں طباعت کی غلطی سے "دبلوجان" چھپا ہے اور موسی مدک فرنگی کے ساتھ اس لفظ کے ذکر سے یہ التباس پیدا ہوتا ہے کہ "دبلوجان" بھی کوئی فرنگی نام ہوگا۔ موسی مدک یا موسیو مدک (RENE MADEC) پہلے جواہر سنگھ کی ملازمت میں تھا اُسے چھوڑ کر ۱۵۔ نومبر ۱۷۷۲ء کو دلی آیا۔ ۱۷ نومبر کو شاہ عالم کے دربار میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے اِسے "نواب شمس الدولہ بہادر قائم جنگ" خطاب کے علاوہ شش ہزاری ذات و سوار کا منصب دیا۔ (زوال ۳ ص ۴۶)

کلہ اِس کا نام RENE MADEC ہے موسیو فرانسیسی تعظیمی لقب MONSIEUR ہے موسیو مدک کے حالات میں (دیکھئے Le Nebob Rene Madec : E. BARBE سه دسمبر ۱۸۸۸ء (زوال ۳ ص ۴۲)

اِدھر کی فوج کا ایک دستہ میدان صاف دیکھ کر بے تکلّف شہر میں گُھس آیا، اور شاہی ہاتھی نیز بہت سا اسباب اُن بھگوڑوں کے سروں پر لاد کر لے گیا۔ کچھ حواس باختہ لوگ جو وہاں جمع ہوئے تھے چشم زدن میں صاف ہو گئے۔ ایک گھڑی رات گئے تک حُسام الدین خاں معدودے چند (سپاہیوں) کے ساتھ ریتی (پرانے قلعہ کے پیچھے جمنا کا مغربی کنارہ) میں ڈٹا رہا پھر (وہاں سے) اُٹھ کر بادشاہ کے پاس آیا۔ آدھی رات گئے نجف خاں بھی چند مظلوموں کو موت کے منہ میں چھوڑ کر اپنی حویلی میں داخل ہو گیا۔ پرانا شہر جس میں (پہلے ہی) کہیں کہیں آبادی تھی اِس حادثے میں از سرِ نو لُوٹا گیا۔ ہم غریبوں کو حافظِ حقیقی نے اپنی حفاظت میں رکھا۔ صبح کو اُدھر کے بہادروں میں مقاومت کی تاب نہ تھی جو میدان میں اُترتے۔ شہر پناہ کی دیوار کے ساتھ مورچال درست کر کے وہ دن تو بادلیج (توپ) کی جنگ میں گذارا۔ بادشاہی اِقبال نے کام کیا، ورنہ (دشمن) قلعۂ مبارک کو بھی اُڑا دیتے۔ (رہے اِدھر والے تو) اُن کا سلیقۂ جنگ اور استعداد (حرب) تو اُسی دن معلوم ہو گئی تھی جب فوجِ مرہٹہ کی آمد آمد سن کر بہتوں کے ہوش پرّاں ہو گئے تھے، اور توپخانے کے لوگوں نے جنگی سامان مثلاً توپ و رہکلہ، جزائر اُفتادہ، سرب و باروت و بان وغیرہ کی تیاری کے لیے حضورِ اقدس میں عرضی دی تھی۔ متصدّیوں نے میر آتش کو — جو برف سے بھی ٹھنڈا ہے [illegible] ادا کیے۔ اُس کی ہیبت اور مونچھیں اگر دیکھو تو یہ مغالطہ ہوگا کہ [illegible] ہیں مگر وہ بزدل ایسا کونے میں دبکا کہ جب تک لڑائی ہوتی رہی [illegible] نہیں دیکھا۔ آخر تیسرے دن حُسام الدولہ سوار ہو کر گئے اور اُن لوگوں کے [illegible] صلح کر کے (واپس) آئے۔ بارے نیا شہر لوٹ سے محفوظ رہا۔ اب دلّی [illegible] مختار (حُسام الدولہ) کے اشارے پر نجف خاں اور نمک حرام مغلیہ (سپاہ) کو نکالنے کی فکر میں ہیں۔ دیکھتا ہوں کہ کیا صورت ٹھہرتی ہے اور یہ اِدبار زدہ مغلیہ کس

طرح شہر سے نکلتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟

القصہ سیندھیا۔ جو دکھنیوں کا تیسرا سردار تھا۔ جے پور کی طرف چلا گیا۔ دوسرے سردار دریا (جمنا) کے اُس پار جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ غالب (خیال) ہے کہ وہ فرخ آباد کے راستے سے جھانسی جائیں اور وہاں سے شجاع الدولہ کے ملک کی خرابی کا سبب بنیں۔

نجف خاں کا اخراج
جنوری ۳ ۱۷۷۰ء

(سانحہ) چونکہ عام طور پر شہر کے لوگوں کی زبانوں پر تھا کہ نجف خاں وغیرہ سردار اور شورہ پشت مغلیہ (فوج) تنخواہ کا مطالبہ کرنے کی سوچ رہے ہیں اور جیسے ہی مرہٹے کوچ کر کے جائیں گے یہ جمّ غفیر بادشاہ کے دروازے پر دھرنا دے کر متصدیوں کو پریشان کرے گا اور اپنی تنخواہ مانگے گا۔ لہذا حسام الدولہ نے (جو مختار تھا) دکھنیوں سے کہا کہ یہ لوگ نمک حرام اور دنگئی ہیں جس طرح بھی ہو انہیں (یہاں سے) رگیدنے کی فکر کرو۔ (چنانچہ اب) اُن کے اشارے پر مرہٹہ سردار اِس قوم (مغلیہ) کو شہر بدر کرنے کی گھات میں ہیں۔ یہ قدغن کر دی گئی ہے کہ کوئی مغل شہر میں نہ رہے۔ جب اِس بات نے طول پکڑا اور شاہی متصدی قلعہ میں جا کر بیٹھ گئے، اور عوام کو بھی شہر بند کر دیا تو بظاہر اِس بے حقیقت گروہ نے لاہوری دروازے تک مورچے باندھ کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی اور بباطن اگرچہ مرہٹوں سے نپٹنے کی طاقت نہ تھی مگر اُن سے اُلجھ گئے۔ جب ہنگامہ آرائی سے کام نہ بنا اور دیکھا کہ ہم مقابلہ کرنے میں مارے جائیں گے تو ناچار (شہر سے) نکلنے پر آمادہ ہوئے اور مرہٹوں سے عہد و پیمان کر لیے۔ دو تین روز کے بعد[1] نجف خاں اور دوسرے مغل سردار اپنے سب ساتھیوں سمیت اُن کے

---

[1] میر نے یہ سطریں ۱۷۔ جنوری ۱۷۷۰ء کے آس پاس لکھی ہیں۔ اِس تاریخ کو مرہٹوں نے نجف خاں کی حویلی واقع موری گیٹ کا محاصرہ کیا تھا۔ اِس کے بعد ۲۰۔ جنوری کو باہم تصفیہ ہو گیا اور نجف خاں نے مع اپنی فوج کے تین ہزار روپیہ یومیہ پر مرہٹوں کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ (زوال ۲/۵۳)

لشکر میں چلے گئے۔ دکھنیوں نے — جو ظاہری سلوک اور مراعات کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کرتے — اِس نابکار گروہ کی آؤ بھگت میں کوتاہی نہیں کی، لیکن وہ عزّت جو بادشاہ کی نوکری میں تھی یہاں ملنا معلوم — کچھ دنوں میں یہ بے حقیقت جماعت پراگندہ ہو جائے گی اور ہر شخص کسی (نہ کسی) طرف چلا جائے گا۔ مشہور یہی ہے کہ مرہٹے بالفعل اِن سب لوگوں کو اکبر آباد تک اپنے ساتھ لے جائیں گے اور وہاں سے اجازت دے دیں گے کہ جو جہاں جانا چاہتا ہے چلا جائے[1]

حاصل یہ کہ شرارت پیشہ مُغل اور سراپا فساد مرہٹے، قریب ہے کہ چلے جائیں اور حضرت ظلِّ سُبحانی اپنی ذاتِ قُدسی صفات اور دو تین مُحرّروں کے ساتھ بغیر کسی تشویش کے قلعۂ مبارک میں تشریف رکھیں۔ اگر دن میں سَو بار بھی قلعہ کے ایک ایک کنگرہ پر سیر کرنے کو آئیں تو کون ہے جس کا حجاب مانع ہو؟ اور اگر بازار میں پیدل نکل آئیں تو حاجب کہاں ہیں جو "دُور باش" کہیں۔ ڈھنگ یہ نظر آتے ہیں کہ اہلِ حرفہ سر بصحرا نکل جائیں گے اور سپاہی پیشہ (لوگ) بھیک کے لیے ہاتھ پھیلاتے پھریں گے۔ ہر شخص اپنا راستہ لے گا۔ شہر بڑا بارونق ہو جائے گا![2]

حُسام الدّین خاں کا حشر

[illegible]

[illegible] سانحہ تازہ یہ ہوا کہ جب دکھنیوں نے نجف خاں کو ساتھ لے کر دریا کے اُس پار جانے کا قصد کیا تو نصرانیوں کی پُشت پناہی سے وزیرِ حال (شجاع الدّولہ) یلغار کرتا ہوا اپنے صوبہ (اودھ) سے فرخ آباد تک پہنچ گیا اور مرہٹوں کے مقابل ہوا[3]۔ چونکہ دکھنی فوج کے سرداروں نے خود کو اس موقف میں نہیں پایا کہ اُن کا مقابلہ کریں [illegible] تین مہینے جدال و قتال میں گذار کر آخر صلح کے خواہاں ہوئے۔ چونکہ وزیر بھی [illegible] ہوا

۱؎ دہلیر - زوال ۳ ص [illegible]

۲؎ اس [illegible] میں [illegible] اُس سے اُن سیاسی حالات میں [illegible] طرح سمجھا [illegible]

۳؎ [illegible] زوال [illegible] ص [illegible] (۳۵-۳۴)

شورما تھا (اُس نے صلح کی پیشکش کو) غنیمت جانا اور قبول کرلیا۔ آخر نجف خاں کو حضورِ (شاہ) میں (اپنا) مُختارِ کار بنا کر اپنے صُوبے کو روانہ ہوگیا۔ دکھنی اور پُوربی بھی اپنے معاملات اُسے سونپ کر اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں کی طرف چلے گئے۔ جب نجف خاں شہر میں داخل ہوا تو حسام الدّولہ کا رنگ فق ہوگیا۔[1] دو تین روز گھر میں (دبکا) بیٹھا رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے قلعہ میں بلا کر اپنے چند سالہ حساب کے کاغذات طلب کیے اور اُسے وہیں حراست میں رکھ لیا۔ مجدالدّولہ عبدالاحد خاں پسرِ عبدالمجید خاں مغفور نے جو خاص شاہی کارپردازوں میں سے تھا، راجا ناگرمل کی تبدیلی کے بعد دیوانی خالصہ کا خلعت پہنا اور شاہی مختارِ کار ہوگیا۔[2] آخر کار بادشاہ نے حُسام الدین خاں کو، جو مختار الملک تھا، قید کرکے[3] زرِ شاہی اور مغلوں کی تنخواہ کے سلسلے میں آٹھ لاکھ روپیے کے عوض فتح خاں درّانی وغیرہ کے حوالے کردیا۔[4] وہ اُسے قلعہ سے اپنے گھر لے گیا۔ اب مغل مختار ہیں، چاہیں مار ڈالیں، چاہیں (زندہ) چھوڑیں۔ ع:

"این شامتِ اعمال قیامت بسر آورد۔"

---

[1] یہ صلح ۲۱۔ اپریل ۱۷۷۳ء کو ہوئی تھی اور نجف خاں ۲۰۔ مئی ۱۷۷۳ء کو شہر میں داخل ہوا تھا۔ (زوال ۳/۵۵۔ ۳/۶۰)

[2] اس کا خطاب "مجدالدّولہ بہرام جنگ" تھا۔ اور یہ ۲۲۔ مئی ۱۷۷۳ء کو مختار بنا تھا۔ (زوال ۳ ۶۱)

[3] یہ ۵۔ جون ۱۷۷۳ء کو قید کیا گیا (زوال ۳/ ۶۲) نجف خاں نے پانچ دن کے بعد اِسے آزاد کرا دیا تھا۔ مگر ۱۴۔ جون کو مہدی قلی خاں گرفتار کرلیا گیا جس نے عماد الملک کے زمانۂ وزارت میں دہلی والوں پر بہت مظالم کیے تھے۔ اسے ۱۲۔ جولائی ۱۷۷۳ء کو ہاتھی کے پیروں تلے رَوندوا دیا گیا تھا۔ میر نے یہ سطریں جون ۱۷۷۳ء میں لکھی ہیں جب حسام الدّین خاں مُغلوں کی قید میں تھا۔

[4] (زوال ۳/ ۶۱۔ ۶۳) متن "ذکرِ میر" میں "ہشت صد لک روپیہ" ملتا ہے اور یہی نسخۂ رامپور میں بھی ہے۔ بظاہر ہشت لک ہونا چاہیئے۔

[بظاہر تو حسام الدین خاں کو مُراہی سمجھو، کیونکہ وہ جانی دشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا ہے جو تا بمقدور اُسے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ آگے خدا کو اختیار ہے کیونکہ وہ تو ہر شئے پر قادر ہے[1]]

تین سال سے فقیر کا حال یہ ہے کہ کوئی قدر دان تو درمیان میں ہے نہیں، اور زمانہ سخت تنگ ہو چکا ہے۔ خدائے کریم پر توکّل کر کے — جو رزق دینے والا اور قوّت و اقتدار والا ہے — گھر میں پڑا ہوا ہوں۔ ظاہری اسباب یہ ہیں کہ چند عزیزوں سے مثلاً ابوالقاسم خاں، برادرِ خرد عبدالاحد خاں مجد الدّولہ، نیز وجیہ الدّین خاں برادرِ حسام الدّین خاں، اور بہرام خانِ کلاں کے بیٹے بیرم خاں — جو آدمیت میں یکتائے روزگار ہیں — اور قطب الدّین خاں پسرِ سعد الدّین خاں خانساماں — اگرچہ اِن کی عمر کم ہے مگر ذہین ہیں اور سعادت مندی سے خالی نہیں — نیز قاضی لُطفِ علی خاں جو بڑے سلیقے سے زندگی بسر کرتے ہیں، اِن سب سے کبھی کبھی ملتا رہتا ہوں خواہ اُن سے کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے۔ بس توکّل کا سرمایہ یہی لوگ ہیں۔ کبھی ایسا بھی اتّفاق ہو جاتا ہے کہ کوئی مجھے فقیر یا شاعر یا متوکّل جان کر کچھ بطریقِ نذر بھیج دیتا ہے۔ مقامِ شکر ہے۔ اکثر قرضدار رہتا ہوں اور نہایت عُسرت میں زندگی گذار رہا ہوں۔ القصّہ دنیا عجب حادثہ گاہ ہے[2]۔

جاٹوں سے جنگ

(سانحہ) عبدالاحد خاں جو دیوان خالصہ ہو گیا تھا اور بادشاہ کے مزاج میں دخیل تھا، مختار بن گیا۔ جو جی میں

[1] قوسین کی عبارت نسخۂ رامپور میں ملتی ہے۔ اور وہ نسخہ اسی عبارت پر تمام بھی ہو جاتا ہے۔ وہاں اِس کے بعد وہ عبارت ہے جو آگے آرہی ہے یعنی "تین سال سے فقیر کا حال یہ ہے ....." اِس کے بعد عبارت و خاتمہ ہے یعنی: "القصّہ دنیا عجب حادثہ گاہ ہے ...." اس کے زمانۂ تحریر وغیرہ کی بحث کے لیے دیکھو "مقدمہ"۔

[2] ذکرِ میر کا نسخۂ رامپور اس عبارت پر تمام ہو جاتا ہے۔

آتا تھا کرنا تھا، کسی کو چوں کرنے کی مجال نہ تھی۔ شاہی فوج کا حال پتلا اور بادشاہ قلاش تھا، بس شہر اور چند دیہات (اُس کے تصرف میں رہ گئے تھے اُن پر) گذارا کرنا کیسے ممکن تھا؟ جاٹ یعنی سورج مل کی اولاد درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تک قابض ہو چکے تھے، جو شہر سے تین چار کوس پرے۔ نجف خاں بادشاہ کے حضور میں عرض کرتا تھا کہ: "حضرت۔ زندگی یوں (گذارنا) تو ظاہر ہے (کہ بے مزہ ہے) ہاں اگر یہ علاقہ، جو جاٹوں نے ہتھیا لیا ہے، مل جائے تو خوش و ناخوش گذران ہو سکتی ہے۔" بادشاہ جواب دیتا تھا: "شاید تم خواب دیکھتے ہو۔ چھوٹے منھ سے بڑی بات کرنا کیا ضرور ہے؟" وہ کہتا: "اگر ایسا ہو جائے تو حضور مجھے کیا دیں گے؟" بادشاہ نے کہا: "مُلکِ (مفتوحہ) میں سے ایک تہائی میرا باقی سب تمہارا۔" چونکہ اِس (جاٹ) قوم کی شامت منڈلا رہی تھی، ایک دن اُن کی فوج گڑھی[۱] کے میدان میں آگئی جو درگاہ خواجہ مسطور علیہ الرّحمۃ کے قریب ہی ہے، اور وہاں دھما چوکڑی مچانے لگی۔ نجف خاں (اپنے) لوگوں کو، جن کے پاس (ڈھنگ کا) سامان بھی نہ تھا، لے کر حالتِ اضطرار میں اُن پر دوڑ پڑا۔ وہ (جاٹ) تو مغرور تھے ہی۔ انھیں خاطر میں نہ لائے۔ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مگر جب باقاعدہ جنگ چھڑی تو (ایسا پانسا پلٹا کہ) جو تصور میں بھی نہ تھا وہ ہو گیا۔ یعنی شام تک (نجف خاں کی فوج نے) میدان مار لیا۔ شاہی فوج کے آدمی رات کو تو کچا اناج چبا چبا کر وہیں پڑے رہے اور خوشی کے شادیانے بجاتے رہے۔ اگلی صبح کو آگے بڑھے اور بلّم گڑھ کا محاصرہ[۲] جا کیا جو شہر (دہلی) سے بارہ کوس کے

---

[۱] سورج مل نے گڑھی کے میدان میں ایک قلعہ بھی تعمیر کر لیا تھا۔ یہ دہلی سے ۱۲ میل اور قطب صاحب سے پونے دو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ (زوال ۳ : ۶۶)

[۲] یہ قلعہ دہلی سے ۲۵ میل جنوب میں واقع ہے۔ نجف خاں نے یہ محاصرہ اکتوبر ۱۷۷۳ء میں کیا تھا۔ (زوال ۳ : ۶۷)

فاصلے پر (جاٹوں کا ایک) مضبوط قلعہ تھا۔ چند دن تک توپ و رہکلے کی جنگ ہوتی رہی۔ وہاں کے سردار نے[1] کہا کہ (صرف) قلعہ پر قبضہ کر لینے سے جاٹوں کی جنگ کا خاتمہ نہیں ہوگا آگے جاؤ اور (بڑے) سرداروں سے جو جنگ (درپیش) ہے اُسے جیتو۔ یہ قلعہ تو میں بغیر جنگ کے خالی کر کے (تمہیں) دے سکتا ہوں — نجف خاں اِس کم سنی کے باوجود بات کی تہ کو پہنچنے والا سردار تھا۔ اُس قلعے سے ہاتھ اُٹھا کر اور اُسی سردار کو وہاں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا جب ہوڈل[2] کے قریب پہنچا، جو جاٹوں کا مقبوضہ قصبہ تھا، تو (ایک اور) مشکل پیش آئی یعنی اُدھر سے بھاری فوج آکر مقابلے پر ڈٹ گئی۔ اب یہ ایک اور بڑی مہم سر پر آپڑی۔ جاٹوں کا سردار جس کا نام نول سنگھ تھا بھاری لاؤ لشکر اور بڑے توپ خانے کے ساتھ آکر مقابل ہوا۔ جنگ کا ہنگامہ ہوا، اور آسمان نے بہتوں کو خاک و خون میں لٹا دیا، رفتہ رفتہ زمین تنگ ہونے لگی اور جنگ کا انجام سامان (رسد) کی کوتاہی پر ہوا۔ شاہی فوجیوں نے فاقوں کی کثرت اور تباہی کے باعث زندگی سے ہاتھ دھو کر مقابلہ کیا مگر منھ کی کھائی اور مارے گئے۔ چونکہ اِس قوم (جاٹ) کی شامت سے اُن کی فتح ہونی تھی اُدھر کے سرداروں نے "اُتارا" کیا (پیادہ ہو کر لڑنا شروع کیا) اور میدان مار لیا اور وہ بھاری لاؤ لشکر شکست کھا کر واپس ہوگیا۔[3]

---

[1] یہ سردار اجیت اور ہیرا سنگھ نامی تھے جو نول سنگھ کے خلاف نجف خاں سے مل گئے تھے۔

[2] بادنی کھیڑا جو پلول سے چھ میل جنوب میں ہے، اس سے نو میل جنوب کی سمت نول سنگھ تھا نجف خاں نے سیکری، فتح پور، بلوچ میں پڑاؤ ڈالا تھا یہ مقام بلم گڑھ سے د میل جنوب میں اور پلول سے نو میل شمال میں ہے۔ (۳۱/۶۷)

[3] یہ جنگ ۳۰۔ اکتوبر ۱۷۷۳ء کو لڑی گئی۔ اس میں نجف خاں کے ۲۳۰۰ سپاہی کام آئے تھے اور نول سنگھ کے دو ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ (تفصیل: زوال ۳/ ۶۹۔۱۰، ج ۳ ۹۱۔۹۳)

نجف خاں جیت گیا
۱۱۹۲ھ - ۱۱۸۹ھ

سمرو نام کا فرنگی[۵۱] جو اُدھر کے توپ اور رہکلے لے کر بڑی جرأت کے ساتھ دیر تک جما رہا تھا، دن کے آخری حصّے میں وہ بھی بھاگ گیا۔ نجف خاں جس کی سرکردگی میں یہ عظیم کام انجام پایا تھا بہت اترایا۔ اور بھی جس نے یہ ماجرا سنا بھونچکّا رہ گیا۔ جاٹوں کا سردار (نول سنگھ) اپنے قلعے میں جاکر بیمار پڑگیا۔ یہاں نجف خاں کے گرد بہت سے لوگ جمع ہوگئے اور وہ بڑا رئیس بن گیا۔ اگرچہ پاس پلّے کچھ نہیں تھا زبانی جمع خرچ سے دَم دلاسے دیتا رہا۔ جو آتا تھا نوکر ہوجاتا تھا۔ چند روز میں دریاے بیکراں کی طرح وسیع لشکر جمع ہوگیا۔ یہ اگرچہ مُفلس تھا، مگر چرب زبانی سے اپنا کام نکال رہا تھا۔ جب دیکھا کہ ان طفل تسلّیوں سے فوج نہیں رہتی، تو ہمّت کرکے (اپنے) سرداروں کو جاٹوں کے محالات کی طرف بھیجنا شروع کردیا۔ بارے یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ خود اُس نے ڈیگ کے قلعے کا گھراؤ کرلیا، جو[۵۲] وہاں سے بارہ کوس پر تھا۔ اتفاق سے وہاں کا سردار (نول سنگھ، جو (پہلے سے) بیمار تھا، مرگیا۔ اُنھوں (جاٹوں) نے سُورج مل کے چھوٹے بیٹے رنجیت سنگھ کو (گدّی نشین کرکے) جنگ کرنا شروع کیا۔ اِس قلعہ کے داروغۂ توپخانہ نے ادھر کے سرداروں سے سازش کرلی اور قلعہ میں گھُسنے کا راستہ بتادیا۔ یہ لوگ یُورش کرکے اندر گھُس گئے اور شہر کی لوٹ مار کرکے (بھی) بہت فائدہ اُٹھایا۔ ہر بے حیثیت کو دو دو گٹھری سامان ہاتھ آیا۔ بہت سا سامان اور بے شمار توپخانہ نجف خاں کو بھی ملا[۵۳]۔ اِس فوج کے قلیچی مالدار ہوگئے۔ سات آٹھ دن کی لوٹ مار کے بعد وہ قلعہ

---

۵۱ والٹر رینہارڈ سومبرے (Walter Reinhard Sombre) جسے عام طور پر سمرو کہا جاتا ہے۔ اُس کی بیگم بھی تاریخی شخصیت ہے جس کی کوٹھی دہلی میں آج بھی "بیگم والی" مشہور ہے۔

۵۲ نجف خاں نے ڈیگ کا محاصرہ جنوری ۱۷۷۶ء میں کیا تھا، اور اس سے پہلے ۱۱۔ اگست ۱۷۷۵ء کو نول سنگھ مرگیا تھا۔ (زوال ۳/۸۳-۳/۱۵۹)

۵۳ ۲۹۔ اپریل ۱۷۷۶ء (زوال ۳/۸۶)

اُس نے سردار کے حوالے کر کے آگے کوچ کیا۔ اب کُھمبر کا رُخ کیا، جو اُس کا دوسرا قلعہ تھا۔ رنجیت جو اِس قوم کا سردار ہو گیا تھا، اس قلعہ کو خالی کر کے اور آلاتِ جنگ ایک طرف پھینک کر، بھرت پور چلا گیا جو ایک مضبوط قلعہ ہے۔ یہ لوگ اس شہر پر بھی قابض ہو گئے اور بہت سا مال سپاہیوں کے ہاتھ آیا۔ مجبور ہو کر جاٹوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ کشوری جو رنجیت کی ماں ہے، اور شعور سے بہرہ رکھتی تھی، خود آئی اور صلح کی خواہش کی۔[1] نجف خاں، بھرت پور انھیں دے کر اور اِس مہم کو کچھ کسی وقت کے لیے ملتوی کر کے، آگرے چلا آیا۔ جو ایک مضبوط راجدھانی ہے اور جس پر جاٹ قابض تھے۔ یہاں آکر قلعہ کی جنگ میں جُٹ گیا۔ چونکہ اقبال یاور تھا تھوڑی سی مدت میں نقب لگا کر اُس پر قبضہ کر لیا۔ جو سردار جاٹوں کی طرف سے وہاں تعینات تھا، اُسے وعدے وعید کر کے نکال دیا۔ وہاں کے لوگوں سے (اچھا) سلوک کیا اور پورے صوبے پر قابض ہو گیا۔ جسے چاہتا تھا وہاں کے محالات تنخواہ میں دیتا تھا کچھ ہی دنوں میں اِس تمام مُلک کا مالک ہو گیا۔ اُدھر سے سب راجوں اور زمینداروں کے کان کھڑے ہو گئے۔ اب اگر جاٹ کوئی حرکتِ مذبوحی کرتے بھی تو ایسی منھ کی کھاتے کہ پھر (کبھول کر بھی) اُدھر کا رخ نہ کرتے۔

جب نجف خاں اِس تمام مُلک[2] کا مالک ہو گیا اور اُس کی کمان چڑھ گئی تو عبدالاحد خاں کے سامنے ڈُون کی لینے لگا۔ یعنی سلطنت کا مدار اب اُس کی ذات سے وابستہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اُس کے قول کے مطابق ملک کے تہائی حصے کا سوال کیا تو اُس نے حضور میں آکر عرض کیا کہ یہ ساری فوج جو میرے ساتھ ہے ...

[1] فروری ۱۷۷۶ء (زوال ۳: ۱۰۰-۱۱۳)

[2] جن علاقوں پر نجف خاں نے قبضہ کیا تھا وہ یہ تھے: ... کول (علی گڑھ)۔ جلیسر۔ کامان۔ ۱۲۔ جون ۱۷۷۴ء سے ۲۱۔ اپریل ۱۷۷۵ء تک نجف خاں ... میں تھا (زوال ۳: ۱۰۵)

بطورِ تنخواہ میں نے اس کے آدمیوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حضرت مجھ سے تیسرے حصّۂ ملک کی قیمت لے لیں۔ بادشاہ کو اُس کے جھوٹے وعدوں پر اطمینان نہ تھا کہنے لگا: "اتنا ملک ہی چھوڑ دینا چاہیئے"۔ عبدالاحد خاں کی زور آوری کے سامنے اُس کا یہ داؤں نہ چل سکا ناچار ملک کے تیسرے حصّے کے محالات بطورِ مختار الگ کر کے دیئے، اور اُسے میر بخشی گری کا خلعت عطا ہوا۔ امیر الامراء ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کے حضور سے اجازت لے کر اکبر آباد (آگرہ) چلا گیا۔

عبدالاحد خاں اور سکھ ۱۷۷۸ء

یہاں عبدالاحد خاں نے سکھوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اُن کو دے ڈالی۔ پھر اس بھاری فوج کے بھروسے پر شہزادہ فرخندہ[۱] اختر کو ساتھ لے کر راجا پٹیالہ پر چڑھائی کر دی۔ اُس کا ارادہ تو یہ تھا کہ جیسے ہی موقع ملے سکھوں کو نجف خاں سے بھڑا دے۔ (اب بھی اگرچہ) اُدھر (پٹیالے کی طرف) جا رہا تھا مگر خیال اِدھر (نجف خاں) ہی کا تھا[۲]۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بہت سے لوگ امیر الامراء (نجف خاں) کے لشکر سے علیحدہ ہو کر (عبدالاحد خاں) مختار کے نوکر ہو گئے[۳]۔ چونکہ یہ ملک دار نہ تھا، اور معاملاتِ ریاست سے نابلد تھا، ہر کام اَدھورا چھوڑ دیتا تھا۔ (یہاں بھی) کچھ دنوں تو جما رہا پھر سکھوں کے مشورہ سے راجا (پٹیالہ) سے صلح کر لی۔ جو کچھ جمع پونجی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اب بادشاہ سے روپیہ طلب کیا۔ بادشاہ اس مطالبہ سے بہت بددل ہوا اور لکھ بھیجا کہ جیسے بھی تم سے بن پڑے وہاں رہو، میرے پاس تو روپیہ ہے نہیں[۴]

---

[۱] یہ مرزا جہاں شاہ فرخندہ بخت پسر شاہ عالم کی طرف اشارہ ہے جسے ساتھ لے کر عبدالاحد خاں نے سرہند پر حملہ کیا تھا۔ دلی سے یہ لشکر ۳۔ جون ۱۷۷۹ء کو نکلا تھا اور اسی سال اکتوبر میں واپس ہوئی تھی۔ (۳ ۱۱۸-۱۲۰)
فرخندہ بخت نے ۶۔ مئی ۱۷۸۱ء کو انتقال کیا۔ (۳ ۱۵۴)

[۲] عبدالاحد خاں کا کیریکٹر دیکھو (زوال ۳ ۱۲۱) یہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہے۔

[۳] مئی ۱۷۷۹ء تک عبدالاحد خاں کی فوج ۳۰ ہزار ہو گئی تھی (۳/ ۱۲۰-۱۲۱)

[۴] شاہ عالم ثانی کی اقتصادی حالت کے لیے دیکھو (زوال ۳: ۱۳۴-۱۳۸)

حافظ رحمت خاں کی شہادت

۲۸ راپریل ۱۷۷۴ء - ۱۶ر صفر ۱۱۸۸ھ

(سانحہ) وزیر اعظم امیر معظم نواب شجاع الدولہ جو بہت زور آور تھا حافظ رحمت (خاں) روہیلہ سے، جو اُس کی ہمسری کا دعوی کرتا تھا، اور خصومت رکھتا تھا، جنگ کرنے نکلا۔ حریف (حافظ رحمت) نے از راہِ بداندیشی انگریزوں کو لکھا تھا کہ وزیر جو اتنی سپاہ اکٹھی کر رہا ہے تم سے اُلجھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ گورنر بہادر جو "صاحب" (کہلاتا) ہے۔ جنگ کے ارادے سے نکل کر آ گیا تھا۔ نواب وزیر جو اِس بالادست قوم (انگریز) کا زیادہ سے زیادہ پاس کرتا تھا، اُن کے یہاں اکیلا ہی پہنچ گیا اور کہا: "میں تمھارا تو لحاظ کرتا ہوں مگر اور کسی کے سامنے اپنی بات نیچی نہیں ہونے دوں گا اس میں چاہے کچھ ہو رہے۔ یا تو مجھے اپنے ساتھ ہی کلکتے لے جاؤ یا ریاست کو میری مرضی پر چھوڑ دو۔" انگریزوں نے وزیر کا سلوک دیکھ کر تمام چیزوں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ کڑا (مانک پور) اور الہ آباد (کے اضلاع) بھی اُسی کے حوالے کر دیے اور چلے گئے۔ اب آسمانِ شعبدہ گر نے ایک نیا ہی شگوفہ کھلایا اور زمانہ دگرگوں ہو گیا۔

جب وزیر وہاں سے پلٹا تو اُس کے لشکر ... سے فرنگی مقدمۃ الجیش تھے اور جنگ کا اہتمام اُنھوں نے اپنے اندازے پر کر رکھا تھا۔ جب روہیلوں نے یہ ٹھاٹیں مارتا ہوا لشکر دیکھا تو سہم گئے۔ ضابطہ خاں اور دوسرے چند سرداروں نے دس بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ آ کر اظہار اطاعت کیا کہ "ہم لوگ آپ کے دولت خواہ ہیں اور سرتابی نہیں کریں گے۔" وزیر اعظم نے خدا کا شکر ادا کر کے حکم دیا کہ اچھا (ہماری) فوج کے پیچھے صف آرا ہو جاؤ۔ اگرچہ ... داروں نے کہا بھی کہ یہ قوم غدار ہے اِس پر بھروسا نہ کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ عین جنگ کے موقع پر گڑبڑ کرے۔ مگر وزیر بھی واقعی بہادر تھا اُس نے کھلکھلا کر کہا "اِن کا زور مجھے معلوم ہے۔ چٹکیوں میں مسل دوں گا۔"

صاحبزادہ آصف الدّولہ بہادر جو اب وزیرِ اعظم ہیں، جنگ کے میدان میں بڑی سرگرمی سے لڑے۔ جدھر کا رُخ کرتے دھوئیں اُڑا دیتے تھے۔ توپخانے کے زنجیرے تلوار سے کاٹ ڈالتے تھے۔ جب جنگ اپنے شباب پر آئی تو حریف جو غرقِ آہن تھا موم سے بھی نرم پڑ گیا۔ (اِدھر سے) اتنے گولے برسائے گئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ جب زمین (حافظ پر) تنگ ہو گئی اور اُس نے دیکھا کہ نہ بھاگنے کا راستہ ہے نہ ٹکنے کی سکت، تو دل کڑا کر کے میدان میں ڈٹ گیا اور دنیا سے دل اُٹھا کر جان پر کھیل گیا۔ ایک ہی یورش میں اِس گروہ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ (بڑے بڑے) دلاوروں کے پتّے پانی ہو گئے۔ ایک گولا (حافظ رحمت خاں[1]) کے سینے پر لگا۔ (دشمن کے) درہم برہم ہو گئیں۔ دشمن کا سر گیند کی طرح (لُڑھکا کر) لے گئے جب اِس فاتح لشکر میں لا کر دکھایا تو روہیلوں نے تصدیق کر دی (اور کہا کہ) ہر عمل کی جزا اور ہر کرتُوت کی سزا (ضرور ملتی) ہے۔ جب یقین ہو گیا کہ (حافظ) مارا گیا تو وزیر اس فتح کے

---

[1] حافظ رحمت خاں روہیلہ ۱۳۔ اپریل ۱۷۷۴ء کو کڑا میران پور کے میدان میں شہید ہوئے وہ مغلوں کے دورِ زوال میں ایک جری، باہمت، دیانت دار، اور پاک باطن سردار تھے۔ اگر شجاع الدّولہ نے انگریزوں سے سازش کر کے اُن کے ساتھ غدّاری نہ کی ہوتی تو اُنھوں نے ہندستان کی تاریخ کو شاید دوسری طرح ہی لکھوایا ہوتا۔ مگر نوابانِ اودھ کا دامن محسن کُشی، طمع و آز اور بداعمالیوں کی سیاہیوں سے ہمیشہ داغ دار رہا ہے چنانچہ شجاع الدّولہ کی بدباطنی نے اپنے ہی نہیں اپنے باپ کے بھی اِس محسن کو پُوری طاقت سے کچل کر روہیلکھنڈ پر قبضہ کر لیا اور روہیلوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے شمالی ہند میں انگریزوں کو اپنے قدم مضبوطی سے جا لینے کا موقع فراہم کر دیا۔ باقی احوال کے لیے دیکھو۔ (۱) اخبار الصنادید۔ مؤلفہ نجم الغنی رامپوری مطبع نولکشور۔ جلد دوم۔ ۱۹۱۸ء۔ (۲) تاریخِ اودھ حصّہ دوم۔ مؤلفہ نجم الغنی مطبع نولکشور ۱۹۱۹ء۔ (۳) حیاتِ حافظ رحمت خاں۔ مؤلفہ الطاف علی بریلوی۔ نظامی پریس بدایوں۔ (۴) گلستانِ رحمت مصنفہ نواب مستجاب خاں بہادر خلفِ حافظ رحمت خاں۔ (انگریزی ترجمہ از چارلس ایلیٹ۔ لندن ۱۸۳۱ء) دید و دریافت۔ نثار احمد فاروقی۔ مضمون "مولوی مدن کی سی"۔ دہلی ۱۹۶۴ء۔

روہیلوں کی ایک تاریخ جو فارسی آمیز پشتو میں کاظم خاں شیدا نے حافظ رحمت کی فرمائش پر لکھی تھی اُس کا ایک قلمی نسخہ حال ہی میں (۱۹۷۲ء) نیشنل میوزیم نئی دہلی نے خریدا ہے۔ یہ حافظ رحمت کے ہم عصر مآخذ میں ایک اہم کتاب ہے۔

شکرانے میں سربسجدہ ہوا۔ (حریف کا) لشکر لٹ گیا، اور زن و فرزند قید کر لیے گئے اور سارا ملک وزیر کے قبضہ میں آگیا۔ نجف خاں جو آگرے سے آکر اس جنگ میں وزیر کے لشکر سے مل گیا تھا رخصت ہو کر پھر آگرے چلا گیا۔

میری خانہ نشینی
٦-١٧٧٢ء – ١١٨٨ھ

فقیر (میر) اِن دنوں خانہ نشین تھا۔ بادشاہ نے اکثر طلب کیا، نہیں گیا۔ عبدالاحد خاں مختار کا چچیرا بھائی اور ابوالبرکات خاں صوبہ دارِ کشمیر کا لڑکا ابوالقاسم خاں[۱] میرے ساتھ گونہ مراعات برتتا تھا۔ کبھی کبھی اُس سے ملاقات ہو جاتی تھی کبھی (کسی تقریب سے) بادشاہ بھی کچھ بھجوا دیتے تھے:

مصرعے گاہ گاہ میگویم کارِ دنیاے من ہمین قدر است

(کبھی کبھار کوئی مصرع کہہ لیتا ہوں۔ بس اب میری دنیا یہی رہ گئی ہے)

شجاع الدّولہ کی وفات
٢٥ جنوری ١٧٧٥ء – ٢٣ ذیقعدہ ١١٨٨ھ

اِس فتحِ عظیم کے بعد وزیر اعظم امیر معظم نواب شجاع الدّولہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے صوبے میں داخل ہوا۔ لیکن آسمان کی نظر تو اہلِ دنیا کی خرابی پر لگی رہتی ہے۔ اِس انبوہِ پُر شکوہ کو بھی نظر کھا گئی۔ یعنی اُس بہادر اور لائق وزیر کو آب و ہوا کی تبدیلی سے ایسا مرض لاحق ہوا جس کا تدارک مشکل ہو گیا۔ بہ چند طبیبوں اور فرنگی (ڈاکٹروں) نے معالجے[۲] میں کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ (وزیر نے) جب دیکھا کہ بیماری بڑھتی ہی جا رہی ہے تو از راہِ دانشمندی اپنے خلف الصدق آصف الدّولہ بہادر کو مسندِ وزارت پر بٹھا دیا جو نہایت شایستہ کار، جری، عالم مدار

---

[۱] ابوالقاسم خاں کا لقب اعظم الدولہ تھا۔ اسے عبدالاحد خاں نے اکتوبر ١٧٠٠ء میں سہارن پور کا فوجدار بنا کر دہلی سے روانہ کر دیا تھا۔ ۴ مارچ ١٧٧٦ء کو ضابطہ خاں کی فوجوں سے اس کی جھڑپ شروع ہوئی۔ مظفر نگر سے آٹھ میل شمال میں امیر نگر کے مقام پر ١١ مارچ ١٧٧٦ء کو مارا گیا۔ اُس کے دونوں پیروں میں لنگ تھا۔

[۲] چہار گلزار شجاعی میں فرنگی کا نام فراسیس ملتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ اودھ ٢/٢٩٤۔

اور فیض و احسان کا سرچشمہ ہیں۔ اور خود اِس دنیا سے کنارا کر گئے۔ اِس امیرِ بزرگ کے ماتم میں سارا عالم سیاہ پوش ہوگیا۔ یہ عجب حادثہ رونما ہوا۔ اگر آسمان ہزاروں سال گھومتا رہے تب کہیں ایسا ہمہ تن جرأت اور سراپا مروت سردار پیدا ہوتا ہے۔

مختار الدّولہ کی وفات

کچھ دنوں کے بعد مختار الدولہ کو بھی جس کے ہاتھوں میں صوبہ داری اور وزارت کی ذمہ داریاں تھیں زمانے نے مہلت نہ دی اور وہ بسنت نامی خواجہ سرا کے ہاتھ سے مارا گیا[۱] اور عدم کو سدھارا۔ اب نیابت کا عہدہ حسن رضا خاں سرفراز الدولہ بہادر کو ملا۔ یہ ایک سنجیدہ، متواضع، خلیق اور اوصافِ حمیدہ کا مالک سردار ہے۔ صفتِ کرم اُس کی تمام صفاتِ حمیدہ پر غالب ہے اور حسنِ سلوک سے وضیع و شریف کی دلجوئی کرتا رہتا ہے۔ اُس کی عنایات میرے ہی حال پر نہیں، بہتوں پر ہیں۔ خدا اُسے سلامت رکھے۔

(سانحہ) مختار (عبدالاحد خاں کشمیری) کے روپیہ طلب کرنے سے بادشاہ کُڑھا ہوا (تو بیٹھا ہی) تھا۔ اُس نے ذوالفقار الدولہ نجف خاں کو لکھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہاں پہنچو۔ وہ بادشاہ کی شہ پاکر دلیرانہ اور شیرانہ (آگرہ سے) شاہ کے حضور میں روانہ ہوا۔ عبدالاحد خاں یہ خبر پاتے ہی کہ امیر الامرا نجف خاں آرہا ہے نہایت بدحواسی میں شہزادہ اور سکھوں کی فوج کو ساتھ لے کر بھاگم بھاگ (دہلی) آیا اور نجف خاں مذکور کے (شہر میں داخل ہونے کے) دو دن پہلے قلعہ کا بندوبست سنبھال کر بیٹھ رہا۔

نجف خاں کا زمانہ

(جب یہ) شور ہوا کہ ذوالفقار الدولہ آگیا تو بادشاہ نے اُسی

---

[۱] دیکھو عماد السعادت ص ۱۲۹۔

مختار (عبدالاحد) کو پیشوائی کے لیے بھیجا[1]۔ یہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گیا اور ملاقات کی۔ سوار ہوتے وقت دونوں ایک ہی ہاتھی پر بیٹھے۔ نجف خاں نے عبدالاحد خاں کو منافق جان کر ظاہر داری کا برتاؤ کیا اور قلعے کے دروازے تک میٹھی باتوں میں لگا کر لے آیا۔ یہاں (آکر) اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا کہ میری توپ، رہکلہ اور فوجیں بے تحاشا قلعے کے اندر گھس جائیں اور جگہ جگہ (مورچہ بنا کر) کھڑی ہو جائیں۔ ہر چند ان دونوں کے درمیان صرف ایک چاقو کے پھل کا فاصلہ تھا اگر (نجف) چاہتا تو ایک ہی وار میں مختار کا کام تمام کر دیتا لیکن اُسے بادشاہ کی بندگی کا خیال رہا کہ آخر یہ بھی حضور کا ملازم ہے پہلے بادشاہ کی مرضی معلوم کر لینی چاہیے پھر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

جب اس ہنگامے کے ساتھ بادشاہ کے سامنے آیا اور باریاب ہوا تو دیکھا کہ آقا (بادشاہ) اُس سے بھرا بیٹھا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اُس کا کام تمام ہو جائے۔ یہ وہاں سے پلٹ کر بیچ بازار میں آن کھڑا ہوا[2] اور عرضی بھیج دی کہ میں نے حضور کا خیال کر کے دست اندازی نہیں کی تھی، اب جب تک عبدالاحد خاں کو اپنے ساتھ نہ لوں یہاں سے نہ ٹلوں گا۔ بادشاہ نے ظاہر میں تو صلح کی بات چیت کی لیکن خفیہ طور سے یہی کہا کہ جس طرح بن پڑے اسے یہاں سے لے جاؤ۔ چونکہ مختار کے سپاہی[3] مجبور ہو کر جا چکے تھے اور سکھ الگ تھلگ رہے۔ ناچار اُس نے قول و قسم کیے کہ نجف خاں میرے

---

[1] نجف خاں نے ۱۲ر نومبر ۱۷۷۹ء کو دلی کے جنوب میں کشن داس کے تالاب پر خیمہ لگایا تھا اور ... عبدالاحد خاں شہزادہ اکبر شاہ کو ساتھ لے کر اُس کی پیشوائی کے لیے ۱۴ر نومبر ۱۷۷۹ء کو گیا تھا ... دونوں قلعہ میں داخل ہوئے۔ نجف کی ایک ہزار سپاہ کو لے کر افراسیاب خاں نے ... (۳: ۱۲۶-۱۲۰)

[2] قلعہ سے نکل کر نجف خاں مسجد روشن الدولہ میں آ ر بیٹھ گیا تھا اور یہاں سے عبدالاحد کی ... مطالبے پر مشتمل عرضی بھجوائی تھی۔ (۳: ۱۲۸)

[3] عبدالاحد خاں کی سپاہ سے لطف علی خاں اور میر ... لوٹ کر نجف سے مل گئے تھے۔ (۳: ۱۲۸-۱۲۹)

ساتھ بدی نہ کرے اور میری عزت کے درپے نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا: "میں ضامن ہوں۔ تم بے کھٹکے چلے جاؤ۔" جب کوئی چارا نہ دیکھا اور زمانہ کو بدلا ہوا پایا تو شام کے وقت ایک ہاتھی پر سوار ہو کر قلعے سے نکلا[1]۔ امیر الامرا (نجف خاں) جو بازار میں انتظار کر رہا تھا خود بھی سوار ہوا اور اپنے ہاتھی کو اُس کے ہاتھی کے برابر رکھ کر اپنے گھر لے گیا۔ اور وہاں اُسے حراست میں رکھا[2]۔ چند دن تو لیت و لعل میں گزارے کہ آج بادشاہ کے پاس جاؤں گا کل لے جاؤں گا' اور آخر کہہ دیا کہ وہاں جا کے کیا کرو گے بہتر ہے کہ یہیں میرے پاس رہو۔ لیکن اُس کے مال و منال پر دست اندازی نہیں کی۔ بیس روپیہ روز اپنے پاس سے مقرر کر دیے اور چند خدمت گار اُس کے پاس چھوڑ دیے۔ خود بادشاہ کے ملکی و مالی معاملات میں مصروف ہو گیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ (نہایت با اختیار اور بلند مرتبہ ہو گیا اُس کے عُلوے مرتبت کے باعث لوگوں کی اتنی آمد و رفت رہتی تھی کہ اُمرا کو مجرے کا موقع بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ جس دن وہ بادشاہ کے حضور میں آتا (اُسی دن) دربار ہوتا ورنہ بادشاہ اپنے چند مُصاحبوں کے ساتھ پڑے رہتے تھے۔ چونکہ وہ جوان تھا اور شاہجہاں آباد ایک طلسم خانہ ہے' یار لوگوں[3] نے اُسے عیش و عشرت کی جانب مائل کر دیا۔ مکروہات کے استعمال اور عورتوں کی تماش بینی میں اتنا منہمک ہوا کہ بدن سے طاقت زائل ہو گئی[4]۔ آخر مرضِ سل میں گرفتار ہو گیا۔ طبیبوں نے

---

[1] عبدالاحد خاں کی نظربندی ۱۵ر نومبر ۱۷۷۹ء کو ہوئی تھی۔ اس کے بعد نجف نے اپنے لیے (وکیلِ مطلق) کا عہدہ حاصل کر لیا تھا جو مغلوں کے دورِ آخر میں مادھوجی سیندھیا کے سوا اور کسی کو نہیں ملا۔ (۱۲۹/۳)

[2] نجف خاں نے اپنے رہنے کے لیے نواب قمر الدین خاں کی حویلی حاصل کر لی تھی یہ موجودہ قاضی حوض اور [illegible] کے درمیان واقع تھی۔

[3] عیش و عشرت کی طرف مائل کرنے والا دراصل نواب آصف الدولہ کا نائب لطافت علی خاں [illegible] تھا۔ (زوال ۱۳۲/۳)

[4] نجف خاں دو سال اور چار ماہ "وکیلِ مطلق" رہا۔ ۹ر نومبر ۱۷۷۹ء سے ۶ر اپریل ۱۷۸۲ء تک۔ اور یہ پورا زمانہ دہلی ہی میں گزرا۔ اس نے ۶ر اپریل ۱۷۸۲ء کو انتقال کیا۔ بیماری کا سلسلہ ۱۷۸۱ء کے ماہِ اگست سے شروع ہوا تھا اور ۱۲. ء کے ابتدائی تین ماہ بہت شدائد میں گزرے تھے (باقی برصفحہ آئندہ)

اُس کے علاج میں بہتیرے ہاتھ پانو مارے مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔" جب (زندگی سے) مایوس ہوگیا تو بڑی حسرت سے کہتا تھا کہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ بس اتنی تمنا ہے کہ زندہ رہ جاؤں۔" اُس کی بیماری میں زمانے کا اور ہی رنگ بدلا۔

میری دلّی سے ہجرت
۱۷۸۲ء - ۱۱۹۶ھ

فقیر (میر) خانہ نشین تھا اور چاہتا تھا کہ شہر سے کہیں نکل جائے۔ مگر اسباب کا فقدان قدم باہر نہیں نکالنے دیتا تھا (بارے) میری عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر آصف الملک کو خیال آیا کہ میر میرے پاس نہیں آتا۔ اُسے بلاؤں۔ نواب سالار جنگ پسر اسحق خاں مؤتمن الدولہ[۵] نے جو اسحق خاں نجم الدولہ کے چھوٹے بھائی اور وزیر اعظم کے ماموں ہوتے ہیں، اُس پرانے ربط پر نظر کر کے، کہ میرے (سوتیلے) ماموں (خانِ آرزو) اُن کے ساتھ (وابستہ) تھے، یہ کہا کہ اگر نواب صاحب از راہ عنایت زادِ راہ کے لیے کچھ مرحمت فرما دیں تو میر ضرور آجائے گا۔ حکم ہوا کہ ایسا کیا جائے۔ اُنھوں نے سرکار سے کچھ (زادِ راہ) لے کر مجھے خط لکھا کہ: "نواب والا جناب تمھیں طلب فرماتے ہیں جس طرح بھی بن پڑے خود کو یہاں پہنچاؤ۔" میں تو دل برداشتہ بیٹھا ہی تھا، خط پاتے

نجف خاں کا مقبرہ دہلی میں مسجد موٹھ کے قریب واقع ہے۔ اس کے جنوب میں [illegible] خاں متوفی [illegible] ۱۱۹۹ھ [illegible] شنبہ) کا مقبرہ ہے۔ (حوالہ: [illegible] المنازل۔ میر کا سفر لکھنؤ اُس کی [illegible] کے [illegible] ہے۔ (زوال ۲ ۱۳۱-۱۳۲)

[۵] اسحق خاں مؤتمن الدولہ کے اجداد شوستر سے آئے تھے۔ یہ عہد محمد شاہی کے [illegible] ساتھ خطاب مؤتمن الدولہ پایا تھا۔ ۱۱۵۳ھ میں بحالت سجدہ انتقال کیا۔ [illegible] بیٹے [illegible] کو ان کی خدمت میں [illegible] ملاحظہ ہو تذکرہ مجمع النفائس (قلمی)، [illegible] گل رعنا (قلمی) ورق ۶۳ ب [illegible] حیدرآباد)، تین تذکرے۔ [illegible] نثار احمد فاروقی۔ [illegible] ۱۹۶۰ء

نواب سالار جنگ نے [illegible] رجب ۱۲۰۱ھ [illegible] انتقال کیا۔ [illegible] شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی۔ صفحہ ۵۵۳ [illegible]

ہی لکھنؤ کے لیے چل پڑا۔ چونکہ خدا کا ارادہ شاملِ (حال) تھا، بغیر یار و مددگار اور بے قافلہ و رہبر کے چند روز میں فرّخ آباد کی راہ سے گذر ہوا۔

مُظفّر جنگ نے جو وہاں (فرّخ آباد) کے رئیس تھے، ہر چند چاہا کہ میں کچھ دن اُن کے ہاں ٹھہر جاؤں، مگر میرا دل نہیں گونجا۔ ایک دو دن بعد وہاں سے روانہ ہو کر منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ پہلے نواب سالار جنگ کے گھر گیا۔ خدا اُنھیں سلامت رکھے، اُنھوں نے میری بڑی عزّت کی، اور میرے لیے جو کچھ مناسب سمجھا بندگانِ عالی (آصف الدّولہ) کی جناب میں کہلا بھیجا۔

نوّاب آصف الدّولہ سے ملاقات

چار پانچ روز کے بعد اتفاقاً نواب عالی جناب مرغ لڑانے کے لیے تشریف لائے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ فراست سے تاڑ لیا اور فرمانے لگے: "میر محمّد تقی ہو؟" پھر بڑی عنایت سے بغل گیر ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی نشست گاہ پر لے گئے، اور مجھے مخاطب کر کے اپنے اشعار سُنائے۔ میں نے کہا: سُبحان اللہ۔ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ فرطِ مہربانی سے مجھے بھی (شعرخوانی) کا موقع دیا۔ اُس روز میں نے غزل کے چند شعر سنائے۔ جب نواب صاحب اُٹھ کر جانے لگے تو نواب سالار جنگ نے کہا کہ "میر حسبُ الطّلب آ گئے ہیں۔ اب بندگانِ عالی مختار ہیں، انھیں کوئی جگہ عنایت فرمائیں۔ اور جب مرضی مبارک ہو خدمت میں بلوا بھیجیں۔" (نواب آصف الدّولہ نے) فرمایا: "میں کچھ (تن خواہ) مقرر کر کے[1] تمھارے پاس (اطلاع) بھیج دوں گا۔ دو تین دن بعد یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا، اور مدح میں جو قصیدہ کہا تھا، وہ سُنایا۔ سماعت فرمایا۔ اور بڑی عنایت سے اپنے ملازموں کی صف میں مجھے داخل کر لیا۔ (اب تک) میرے حال پر عنایات و کرم فرماتے ہیں۔

---

[1] سفینۂ ہندی/٢٠٥ اور تذکرۂ عیار الشعراء (خوب چند ذکا)، ورق ٢١٧۔الف (نسخۂ انجمن ترقی اردو) سے معلوم ہوتا ہے کہ آصف الدّولہ نے میر کا دو سو روپیہ ماہانہ مقرر کر دیا تھا۔ اُن کا تقرر "صیغۂ اُستادی" میں ہوا تھا۔

نجف خاں کی وفات
اپریل ۱۷۸۲ء - ۱۱۹۶ھ

میرے اِدھر آنے کے بعد نجف خاں جو وہاں بیمار پڑا تھا، مرگیا۔ اور شاہی کاروبار تلپٹ ہو کر رہ گیا[1] اُس کے چیلے مثلاً نجف قلی خاں[2] و افراسیاب خاں اور دوسرے سرداروں میں رسّاکشی شروع ہوگئی۔ کچھ دنوں یہ کھینچا تانی رہی، آخر مرزا شفیع جو اُس کے بھائیوں میں سے تھا اور سکھوں کی تنبیہ کے لیے فوج کشی کر رہا تھا، حضور (بادشاہ) کے اشارے پر حاضر ہوا اور عبدالاحد خاں کو اپنا چچا جتا کر، قید سے رہا کر دیا۔ دیوانی خالصہ بھی اسے دلادی اور خود مسندِ ریاست پر (نجف خاں کے جانشین کی حیثیت سے) متمکن ہوگیا۔

نجف خاں کے جانشینوں کی رسّاکشی[3]

(سانحہ) چونکہ مرزا شفیع سفّاک و جرّار تھا، اِس لیے ہر شخص اُس سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ وہ نجف خاں کے چیلوں کی سرکشی سے بھنّا گیا اور شہر ہی میں جنگ شروع کرکے نجف قلی خاں کو گرفتار کر لیا۔ افراسیاب خاں بھی آکر بظاہر مرزا مذکور (شفیع) سے مل گیا لیکن اُس کا عروج دیرپا ثابت نہ ہوا۔ چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ

---

[1] نجف خاں کے مرنے کے بعد افراسیاب خاں نے دوآب (علی گڑھ)، محمد شفیع نے میرٹھ، نجف قلی نے میوات اور ریواڑی اور محمد بیگ ہمدانی نے کچھ آگرہ [illegible] اور جے پور کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ نجف خاں نے اپنے پیچھے دو کمسن لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں تھی۔ ان لڑکیوں کو نجف کی بہن خدیجہ سلطان بیگم نے پرورش کیا۔ ان میں سے ایک کا نکاح مرزا شفیع سے کر دیا تھا۔ (دیکھو [illegible] ۱۱۹۶ھ) عبدالاحد خاں ۱۶ جون ۱۷۸۲ء کو رہا کیا گیا تھا۔

[2] نجف قلی خاں نو مسلم تھا۔ یہ افراسیاب خاں سے [illegible] جولائی ۱۷۸۲ء [illegible] کی ایک [illegible] حیدر خاں نامی کو بیاہی تھی جن سے [illegible] اور نواب یوسف مرزا تھے جن کا حوالہ غالب کے خطوط میں [illegible] کے بیٹے [illegible] سے منسوب تھیں [illegible] "نقوش" لاہور شمارہ ۱۱۴ [illegible]

[3] اپریل ۱۷۸۲ء سے نومبر ۱۷۸۴ء تک نجف خاں کے جانشینوں [illegible] طاقت [illegible] شفیع [illegible] افراسیاب تینوں قتل ہو گئے تھے [illegible] تھا اس [illegible] بیگ ہمدانی [illegible] مخالف ہو گئی [illegible] اقتدار [illegible] ہو گیا۔

لطافت نامی[۵۱] خواجہ سرا نے، جو وزیر الممالک (آصف الدولہ) کی طرف سے حضور (شاہ) میں رہتا تھا، اور فی الجملہ کچھ طاقت بھی رکھتا تھا — اور سمرو فرنگی کے رشتہ داروں[۵۲] میں سے ایک فرنگی نے، باہم سازش کی کہ جہاں بھی موقع ملے اُسے ختم کردیں، بادشاہ کو بھی سمجھایا کہ یہ شخص بدتمیز ہے۔ جب اُسے اپنے خلاف سازش کا علم ہوا، تو ذرا دیر صبر نہ کرسکا اور شہر سے نکل کھڑا ہوا (جاتے ہوئے) عبدالاحد خاں کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔[۵۳] (اُس کے فرار ہونے کی) جب تک اُنھیں خبر ہوئی اُس کا کوئی سراغ نہ پا سکے۔ بادشاہ نے شہر و اطراف کے لوگوں (رئیسوں) کو شقّے لکھے کہ جہاں بھی اُسے دیکھ پائیں ہرگز نہ چھوڑیں اور حضور (شاہ) میں لے آئیں۔ ایک (ایسی ہی) تحریر تلم گڑھ کے سردار کو بھی ملی، اور یہ — (مرزا شفیع) وہاں جاکر ٹھہرا ہوا تھا۔ سردار نے اُسے (بادشاہ کا) وہ شقّہ دکھایا تو بہت سراسیمہ ہوا۔ عبدالاحد خاں کو وہیں چھوڑ کر خود فرار ہوگیا اور ایک دو منزل آگے جاکر دم لیا۔ اکبر آباد پہنچ کر، جہاں محمد بیگ ہمدانی[۵۴] کا تسلط تھا، اُس سے عہد و پیمان کیے اور اُسے بادشاہ کے رفقا سے جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ وہ بیس ہزار سپاہ لے کر اُس کے ساتھ ہولیا۔[۵۵] یہاں فرنگی، خواجہ سرا اور دوسرے عزیز بادشاہ کو شہر سے باہر نکال لائے اور دریا (جمنا) کے کنارے خیمے گاڑ دیے۔ وہ لوگ اس سازش سے بے خبر تھے کہ موت منڈلا رہی

---

۵۱ لطافت علی خان خواجہ سرا کے لیے دیکھو زوال ۳/۶۰۔

۵۲ میر جیسے سمرو فرنگی کا رشتہ دار بتا رہے ہیں یہ شاید پالی PAULI ہے جو ایک جرمن کمانڈر تھا۔

۵۳ مرزا شفیع عبدالاحد خاں کو ساتھ لے کر ۱۶ر اکتوبر ۸۲ء کو فرار ہوا تھا۔ (۳/۱۰۱)

۵۴ میر نے غلطی سے دو جگہ احمد بیگ ہمدانی لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو۔ اس کا نام محمد بیگ ہمدانی تھا یہ مغلیہ سپاہ کا سردار تھا اور اسمٰعیل ہمدانی اس کا بھانجا تھا۔ یہاں جس عہد و پیمان کی طرف اشارہ ہے وہ کوسی کے مقام پر ہوا تھا، یہ طے پایا تھا کہ شفیع اُسے جے پور کا پورا خراج، نجف خاں کا نصف سامان، اور اسلحہ نیز چھ لاکھ روپیہ نقد یا جاگیر کی شکل میں ادا کرے گا۔ (۳/۱۰۲)

۵۵ آگرے سے ہمدانی کی فوج ۶ر نومبر ۸۲ء کو روانہ ہوئی تھی۔

ہے۔ بڑے طنطنے کے ساتھ قریب پہنچے۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ اُس کی کمان چڑھی ہوئی ہے تو لطافت علی خاں خواجہ سرا اور فرنگی کو اُس کے لانے کے لیے آگے روانہ کیا۔ انھوں نے لپک کر خواجہ سرا کو گرفتار کرلیا اور فرنگی کو مار ڈالا۔ بادشاہ نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی حفاظت کی۔ کچھ ان کا بھی (بادشاہ پر) زور نہ چل سکا۔ اب انھوں نے سوال جواب میں وقت لگا کر اور بہت سے لوگوں سے وعدے وعید کرکے انھیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب یہ سمجھ لیا کہ بادشاہ بغیر جنگ کے قابو میں نہیں آئے گا تو عبدالاحد خاں کو بیچ میں ڈال کر قول و قسم کیے اور اپنی بندگی و وفاداری کا یقین دلا کر اُسے خیمے سے قلعے میں لے آئے۔[۵۱] نجف قلی خاں، افراسیاب خاں[۵۲] اور عبدالاحد خاں نے متحد ہو کر سلطنت کے معاملات میں دخل دینا شروع کیا اور ہمدانی[۵۳] کو جو میرزا شفیع سے قول و قرار کر چکا تھا یونہی ٹرخا دیا وہ چند توپیں اور رہکلہ لے کر اکبر آباد کو روانہ ہو گیا۔ یہاں چند دنوں کے بعد افراسیاب خاں اپنے محالات میں گیا اور مرزا مذکور نے شہر میں نجف قلی خاں سے جنگ کر کے اُسے گرفتار کرلیا۔[۵۴]

---

۵۱ شاہ عالم نے قلعے سے نکل کر بارہ پُلہ کے مقام پر خیمے ڈالے تھے۔ مرزا شفیع اور ہمدانی کی فوجوں کا پڑاؤ خواجہ سرائے بدرپور نالہ کے قریب ہوا تھا۔

۵۲ افراسیاب خاں کو نجف خاں کی بہن خدیجہ بیگم نے جانشین نامزد کیا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو ایک لاکھ ۸۰ ہزار پیشکش دے کر اور پانچ لاکھ کا وعدہ کرکے اشرف الدولہ خطاب اور امیر الامرا، میر بخشی اور مختار سلطنت کا عہدہ ۱۱ر اپریل ۱۷۸۲ء کو حاصل کیا تھا۔ (زوال ص ۱۶۳)

۵۳ لطافت علی خاں اور کپتان پالی PAULI ۱۷ر نومبر ۱۷۸۲ء کو ہمدانی کے کیمپ میں گئے تھے۔ ان کے ساتھ شاہ عالم کا ملازم خاص کلو خواص بھی تھا۔ موخر الذکر کے ذریعہ ہمدانی کو پیغام بھیجا گیا تھا کہ اگر وہ شفیع کا ساتھ چھوڑ دے تو اُسے میر بخشی کا عہدہ دے دیا جائے گا۔ ہمدانی نے اس سازش سے شفیع کو خبردار کیا تھا۔ اُس نے اسی قول و قرار کو محکم کرنے کے بہانے لطافت خواجہ سرا اور کلو خواص کو اپنے کیمپ میں بلایا تھا۔ یہ لوگ ۲۴ر نومبر ۱۷۸۲ء کو خیمہ سے نکل کر آئے تھے۔ اگلے دن ۲۵ نومبر ۱۷۸۲ء لطافت کو گرفتار کرکے اندھا کر دیا گیا اور پالی کو قتل کر دیا۔

۵۴ ۳ر ستمبر ۱۷۸۲ء (۳۱، ۱۶۹)۔

اور بیگم کے پاس — جو نجف کی بہن ہوتی ہے — بھیج دیا۔[۵۱] عبدالاحد خاں اپنے گھر سے نکلا اور چرب زبانی سے پھر اپنا اُلّو سیدھا کر لیا۔[۵۲] بیگم مذکور نے سفارش کرکے نجف قلی خاں کو رہا کرا دیا اور اُسے جاگیر پر بھیج دیا۔ رفتہ رفتہ مرزا شفیع کا تسلّط خوب ہوگیا[۵۳] اور وہ شہر سے نکل کر ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ چونکہ کوئی بھی اُس سے مطمئن نہ تھا، افراسیاب نے آکر ہمدانی کو بُلایا اور یہ طے کیا کہ مرزا (شفیع) ہمدانی کی دلدہی کے لیے اُس کے خیمے تک آئے۔ (چنانچہ اُسے وہاں سے) لائے اور جہانلسادے کر قتل کر دیا۔ وہ مارا گیا تو افراسیاب خاں کا طوطی بولنے لگا[۵۴] اور ریاست کا انتظام اُس کے قبضے میں آگیا۔ ہمدانی پھر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور یہ (بادشاہ) کے حضور میں امیرالامرا ہو کر امورِ سلطنت کے مختار ہوگئے۔

وارن ہیسٹنگز کا لکھنؤ میں استقبال (۱۱۹۸ھ - ۱۷۸۴ء)

(سانحہ) ادھر وزیرِ اعظم امیرِ معظّم گورنر بہادر کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے جو اُن کی دعوت پر کلکتہ سے آرہے تھے[۵۵] اور بس تمام ملک پر وہی غالب تھے۔ فوج کا غُبار آسمان تک پہنچ رہا تھا۔ یہ سفر الٰہ آباد تک ہوا۔ اِس ضلع کے تمام سردار اُن کی

---

۵۱ عیدالفطر کی شب میں ۱۰ ستمبر ۱۷۸۲ء کو گرفتار ہوا اور ۱۲ ستمبر کو اسے خدیجہ بیگم کے پاس بھیج دیا گیا۔ (۳/ ۱۶۹)

۵۲ افراسیاب خاں نے یہ چال چلی تھی کہ میر بخشی کا تقرر ملتوی کرا کے عبدالاحد کو مختار بنوا دیا تھا۔ (۱۱ اگست (۳/ ۱۷۳ - ۱۷۴)

۵۳ مرزا شفیع کو نصیرالدولہ ذوالفقار جنگ خطاب کے ساتھ آگرہ کی صوبہ داری اور میر بخشی کا عہدہ ۱۵ ستمبر ۱۷۸۲ء کو ملا تھا اور یہ "وکیلِ مطلق" ہوگیا تھا۔ مگر ایک ماہ سے زیادہ نہ چل سکا۔ اسے قلعۂ ڈیگ سے پانچ میل کے فاصلے پر ۲۵ شوال ۱۱۹۰ھ/ ۲۳ ستمبر ۱۷۸۳ء کو منگل کے دن قتل کیا گیا۔ اسمٰعیل بیگ ہمدانی نے اپنے خنجر سے کام تمام کر دیا تھا اور محمد بیگ ہمدانی نے معانقے کے بہانے سے اسے اپنی گود میں بھر رکھا تھا (۳/ ۱۷۸ - ۱۷۹)

۵۴ افراسیاب خاں نے اکتوبر ۱۷۸۳ء میں عہدہ سنبھالا۔ ۲۲ دسمبر ۱۷۸۳ء کو وہ آگرہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس سفر میں سیمان شکوہ اور خدیجہ بیگم اُس کے ساتھ نہ تھے۔ اُس کا لشکر ۴ جنوری ۱۷۸۴ء کو قلعۂ آگرہ میں داخل ہوا تھا۔ (۳/ ۱۷۴)

۵۵ ہیسٹنگز کے سفرِ لکھنؤ کے لیے دیکھو چہار گلزار شجاعی (قلمی) ۲۷۲ ب و ۲۷۳ الف نیز عماد السعادت ۱۲۵ - ۱۲۶۔

آمد آمد سے آگاہ ہوکر دیدار کے منتظر تھے۔ ایک منزل پہلے نواب گردوں رکاب سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے اُنھیں اپنے ساتھ لکھنؤ تک لائے جو نواب کا محلِ سکونت ہے۔ ہر منزل پر نئی ہی ضیافت ہوتی تھی۔ نئے نئے خیمے، اچھے اچھے کھانے، ترکی و تازی گھوڑے، کوہ پیکر ہاتھی[۱]، قیمتی پوشاک اور جواہر کی کشتیاں خوشگوار شربت، اَن گنت میوے، اِس علاقے کے نِت نئے تحفے، جنوب اور مغرب کی (بنی ہوئی) تلواریں، چاچی کمانیں، (ہر جگہ بہار دکھا رہی تھیں)۔ جب دارالقرار لکھنؤ میں آئے، اور محل میں داخل ہوئے، تو ہر روز بُوقلموں کے فرش، جن کے گوشوں میں عطر چھڑکا ہوا۔ اطرافِ مکان میں گلاب کا چھڑکاؤ۔ بسائی ہوئی سیجیں، معطّر لباس، مخمل کے اچھوتے فرش۔ سیم گِل کی ہوئی دیواریں، پردوں اور جھالروں سے آراستہ ایوان، بہارِ عنبر نے عجب بساط بچھا رکھی تھی۔ وہ مکان بہارستان پر سبقت لے گیا تھا۔ بُھنے ہوئے پستے اور بادام انگریزی چیزیں نُقل کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ راتوں کو رقصندگانِ پری وش۔ نہیں نہیں حورانِ بہشتی سے بڑھ کر دلکش۔ شیشے اور چینی کے گُل دان سلیقے سے چُنے ہوئے۔ طاق تازہ میووں سے بھرے ہوئے۔ فرنگی رقص، خوشی کا تماشا۔ بلکہ گھر ہی خوشی کا مکان، شادمانی کا گھر ہوا۔ شام کو چراغاں کرکے آتش بازی چھوڑتے تھے۔ ستارہ اور ہوائی آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ چراغاں کا نظارہ دل کو لُبھا رہا تھا اور مہتابی رات کو دن کا نمونہ بنا رہی تھی۔ زربفت کا سائبان اس خوبی سے تانا گیا تھا کہ سورج کی نگاہوں نے اُس کا مثل نہ دیکھا تھا۔ اُمرا پاسداری میں سرگرم راجا خدمت گذاری پر آمادہ۔ شاعرانِ مربوط اور جوانانِ مضبوط مدح خوانی کر رہے تھے۔ ہر گھر میں خوب سجاوٹ، ہر جگہ سایہ خوب پھیلا ہوا۔ پانی بہتا ہوا۔ نرگس دان قطار میں یوں رکھے تھے جیسے پائیں باغ (آراستہ ہو) اور برف گھلی ہوئی چاندی سے بھی اچھی اور بھلی لگ رہی تھی۔ رنگ برنگ کے گہلے فالودہ جن کا شربت شیرہ جان تھا۔ قسم قسم کی

[۱] رینکنگ (RANKING) [illegible]
[illegible]
RANKING: Army of the Mughals p. 180

روٹیاں دستر خوان پر۔ نانِ بادام بڑی نزاکت سے بنی ہوئی، شیرمال، باقرخانی، خورشید پر طعنہ زن۔ نانِ جوان ایسی گرمی اور خوبی کی، کہ بوڑھا کھائے تو جوان ہو جائے۔ نانِ ورقی کی تعریف کروں تو دفتر بھر جائے۔ نانِ زنجبیلی کو دیکھ کر ذائقہ محظوظ (ہوتا تھا)۔ بھانت بھانت کے قلیے، دوپیازے، رکھے ہوئے تھے۔ تمام مہمانوں کو لطف آرہا تھا۔ کئی قسم کے کباب دستر خوان پر چُنے ہوئے تھے۔ 'کبابِ گُل' تازگی اور خوبی سے بنا تھا، اور 'کبابِ ہندی' ایسا خوش نمک تھا کہ دل موہ رہا تھا۔ 'کبابِ قندھاری' مزاجوں کو اپنی ہی طرف مائل کر رہا تھا۔ 'کبابِ سنگ' راستے کے تھکے ماندے کی کوفت زائل کر رہا تھا۔ 'کبابِ ورق' عجب ترکیب سے تلے گئے تھے کہ طبیعتوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اور معروف کباب بھی سب ہی خوش ذائقہ اور لذیذ تھے۔ ایک ایک کے سامنے دس دس قابین رکھی تھیں۔ طرح طرح کے پلاؤ اور شوربے تھے۔ عجب عجب نعمتیں تھیں۔ سُبحَانَ ذِی الجُودِ وَالاِکرَام۔

یہ مہمان اور وہ میزبان

ایسے وفور کا مہمان، اور نواب وزیر جیسا میزبان۔ ایسی شوکت والا مہمان، اور ایسی ثروت کا میزبان، ایسے حسنِ اخلاق والا مہمان، اور ایسی بڑی ریاست والا میزبان، ایسی عقلِ کامل رکھنے والا مہمان، اور ایسے لطفِ شامل کا میزبان، نہ زمانے کی آنکھوں نے دیکھا نہ عاقلوں کے کانوں نے سُنا۔ اِس طرح چھ مہینے تک رات دن گفت و شنید اور باہم صلاح و مشورے ہوتے رہے۔

فرنگی سے گٹھ جوڑ

جب یہ خبر (بادشاہ کے) حضور میں پہنچی تو وہاں کے امیروں میں سے ہر ایک اپنی فکر میں پڑ گیا۔ عبدالاحد خاں نے (اپنے) آدمیوں کو ادھر بھیجا اور فرنگیوں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ افراسیاب خاں وغیرہ کو گمان ہوا کہ فرنگی اِدھر آئے گا، چونکہ زبردست ہے بادشاہ کو بطورِ خود رکھ کر ہمارا پتّا صاف کرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم بادشاہ کو آگرے لے جائیں[ف] وہاں لوگوں کو جمع کریں اور مرہٹہ کو — جو

[ف] افراسیاب خاں ۱۶ر جون ۱۷۸۴ء کو شاہ عالم کو لے کر دلی سے نکلا اور یہ قافلہ ۶ر اگست ۱۷۸۴ء کو آگرہ پہنچا تھا۔ (۱۸۶/۳)۔

گوہد والا کے رانا پر متصرف ہے[۱] — اپنے ساتھ ملالیں۔ پھر فرنگی سے نامہ و پیام کریں۔ اگر جنگ کی نوبت آتی ہے تو آجائے، ورنہ اِسی ٹھاٹ باٹ سے وہاں رہیں۔ چنانچہ بادشاہ کو (دلّی سے) نکال کر آگرہ لے چلے اور راستے میں عبدالاحد خاں کو قید کرلیا۔[۲]

شہزادہ جواں بخت

(سانحہ) جب (یہ لوگ) شہر مذکور میں پہنچے تو شہزادہ جواں بخت وہاں سے بھاگ کر نواب وزیر (آصف الدولہ) اور فرنگی کے پاس[۳] آگیا۔ (انھوں نے) گھبراہٹ میں مرہٹہ سے عہد و پیمان درست کیے۔ اُس نے ان کی طرفداری کی اور شہزادے کو واپس بھیجنے کی گفت و شنید شروع کردی۔ یہاں فرنگی آیے بائے بتاتا رہا کیونکہ اپنے ملک یعنی کلکتہ کا انتظام اُس کے مدِ نظر تھا۔

کچھ دن کے بعد شہزادہ کو ساتھ لے کر وزیر الممالک سے رخصت ہوا اور چلا گیا۔ رخصت ہوتے وقت نواب والا جناب نے صاحب کے ملازموں کو اتنے بے حساب انعام او رنجشش سے نوازا جو قیاس میں نہیں آسکتی۔ ہر شخص کو گھوڑا، ہاتھی، ارقبا (عطاکی) اور ہر بے سرو پا کو سراپا (خلعت) دیا۔

افراسیاب خاں کا قتل

۲ نومبر ۱۷۸۴ء، ۱۵ ذی الحجہ ۱۱۹۸ھ

جب صاحب دریا کے راستے سے چلے گئے اور نواب وزیر اپنے دارالقرار (لکھنؤ) میں واپس آگئے تو مرہٹہ اور افراسیاب خاں نے محمد بیگ ہمدانی سے پرخاش کا ارادہ کیا۔ اُس نے بھی مونچھ نیچی نہیں کی اور ان سے بھِڑنے کو آمادہ ہوگیا۔ اسی اثنا میں میر زین العابدین برادر مرزا شفیع کے آدمی نے افراسیاب خاں

---

[۱] گوالیار کی ریاست مراد ہے جو پہلے رانا گوہد والا کے قبضہ میں تھی اور اب میں اُس پر مادھوجی سیندھیا نے قبضہ جما لیا تھا۔

[۲] عبدالاحد خاں کو ۳۰ جون ۱۷۸۴ء کو قید کیا تھا۔ بعد کو اُسے علی گڑھ کے قلعہ میں نظر بند کردیا گیا تھا۔ (۲: ۱۸۵)

[۳] میر کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ جواں بخت آگرہ سے فرار ہوا تھا۔ وہ شاہ عالم کے سفر آگرہ سے بہت پہلے ۱۴ اپریل ۱۷۸۴ء کو دہلی کے قلعہ سے نکلا تھا۔ اُس رات شدید آندھی چل رہی تھی۔ وہ ۶ مئی ۱۷۸۴ء کو لکھنؤ میں آصف الدولہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ (۲: ۱۹۴)

کے خنجر گھونپ دیا[۵۱] (جس سے) وہ دو چار دن کے بعد مر گیا۔ اِن دنوں حضور میں کوئی سردار نہیں ہے، اور بادشاہ بے زور ہے۔ غالب (گمان یہ) ہے کہ مرہٹے کا دَور دَورہ ہو جائے گا[۵۲]

اِن سانحوں کے بعد مرہٹہ اور محمد بیگ ہمدانی کی فوجوں میں جھڑپ ہوئی۔ جب اس پر غلبہ نہ پا سکے تو دھوکا دے کر ہمدانی[۵۳] مذکور کو قید کر لیا۔ ادھر صاحب (وارن ہیسٹنگز) نے جو شہزادہ (جوان بخت) کو اپنے ساتھ لے گیا تھا[۵۴] (اُسے وہاں سے) رخصت کر دیا۔ چنانچہ وہ (شہزادہ) — واپس آ گئے ہیں۔ (اب) یا تو اطراف میں (کہیں) رہیں گے یا بادشاہ کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔ فی الحال تو نواب عالی جناب کے سایۂ دولت میں ہیں۔ جو کچھ (نواب وزیر) کہتے ہیں وہی یہ کرتے ہیں۔

شکار نامے

محرم ۱۱۹۹ھ/ نومبر ۱۷۸۴ء

یہاں فقیر (میر) نواب عالی منزلت (آصف الدولہ) کے ساتھ ہے اور اُن کی دعا گوئی میں بسر کر رہا ہے۔ بندگانِ عالی شکار کے لیے بہرائچ تک گئے۔ میں بھی رکاب میں تھا۔ ایک "شکار نامہ" موزوں کیا۔ دوبارہ[۵۵] پھر شکار کے لیے سوار ہوئے اور —

---

۵۱ چہار گلزارِ شجاعی کے مؤلف کا بیان ہے کہ افراسیاب خاں سیندھیا سے ملنے کے لیے اُس کے ڈیرے پر گیا تھا وہاں تقریباً دو گھڑی رہا۔ جب اپنے گھر واپس آ کر پوشاک تبدیل کر رہا تھا تو اُس کے ملازم نے خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ (صفحہ ۵۳۱)۔ یہ فتح پور سیکری سے آٹھ میل جنوب مغرب میں مقام کھنوا کا واقعہ ہے۔ میر کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ افراسیاب "دو چار روز کے بعد" مرا۔ اُس پر حملہ ۲۰ اکتوبر ۱۷۸۴ء کو دن میں گیارہ بجے کے قریب ہوا تھا اور اُسی دن ساڑھے تین بجے وہ مر گیا تھا۔ البتہ اُس کی موت کو چند روز تک پوشیدہ رکھا گیا۔ لاش فتح پور سیکری ہی میں دفن کی گئی۔ اس دور کے سرکاری اخباروں میں قاتل کا نام بِدّو بیگ بتایا گیا ہے۔ (تفصیل: زوال ۳/۱۹۰)۔

۵۲ "دَور دَورہ ہو جائے گا" یہاں تک میر نے نومبر ۱۷۸۴ء میں لکھا ہے۔ اس کے بعد کے چند صفحے مختلف اوقات میں تقریباً پانچ سال کے عرصے میں لکھے گئے ہیں۔

۵۳ میر کا یہ بیان درست نہیں کہ مرہٹوں نے کوئی بہانہ کر کے ہمدانی کو قید کر لیا تھا۔ ہمدانی نے خود ہی اپنی پوزیشن کمزور دیکھ کر ۱۰ر نومبر ۱۷۸۴ء کو صلح کر لی تھی۔

۵۴ شہزادہ جوان بخت نے بنارس کا سفر ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۰ھ اکتوبر ۱۷۸۶ء میں کیا ہے۔ یہ سطریں اِس سے پہلے ہی لکھی گئی ہیں۔

۵۵ جب گلزارِ شجاعی کے بیان کے مطابق آصف الدولہ دوسری بار، آخرِ ماہ محرم ۱۱۹۸ھ (دسمبر ۱۷۸۳ء) میں شکار کے لیے سوار ہوئے تھے۔ یہ سفر کوہستانِ پیلی بھیت کی طرف ہوا تھا۔ لیکن بظاہر یہ کتابت کی غلطی ہے۔ سنہ ۱۱۹۹ھ زیادہ صحیح ہوگا۔ یہاں سے تین ماہ کے بعد ربیع الاول ۱۱۹۹ھ/ جنوری ۱۷۸۵ء میں واپسی ہوئی تھی۔ (چہار گلزار شجاعی (قلمی) ورق ۲۶۵)۔ اِسی سال آصف الدولہ بیمار ہوئے تھے۔ یہ غالباً انفلوئنزا کا اثر تھا (چہار گلزار ۲۷۰)

کوہِ شمالی (ہمالیہ) کے دامن تک تشریف لے گئے۔ اگرچہ لوگوں نے اس دور و دراز سفر کے نشیب و فراز سے بڑی زحمتیں اُٹھائیں مگر اُنھوں نے ایسی فضا، ایسی ہوا، اور ایسا شکار کبھی نہ دیکھا تھا۔ تین مہینے کے بعد اپنے دارالقرار (لکھنؤ) میں آئے۔ فقیر (میر) نے دوسرا "شکار نامہ" کہہ کر حضور میں پڑھا۔ (نواب صاحب نے) شکار نامے کی غزلوں میں سے دو غزلیں انتخاب فرمائیں۔ بنفسِ نفیس اُن کو مخمّس کیا [illegible] خوبی سے جو ہونی چاہیئے۔ ایک زمین میں غزل پسند آئی اُس میں دوسری غزل کی فرمایش کی۔ خدا کے فضل سے وہ بھی موزوں ہو گئی۔ زبانِ مبارک سے تعریف فرمائی اور سخن وری کی داد دی۔

اِن دنوں تبدیلِ آب و ہوا کے باعث عشرۂ محرّم الحرام کے بعد مزاجِ مبارک ناساز ہو گیا۔ علاج کیا گیا۔ لیکن بیماری نے نصیب اعدا طول کھینچا۔ ایک [illegible] خیرات و صدقات سے بہرہ اندوز ہوا۔ ہر شخص نے صحت یابی کے لیے دعا کی۔ [illegible] حکیمِ مطلق نے شافیِ برحق نے شفا دی۔ ہم پر اور مخلوق پر احسان کیا ع "الٰہی [illegible] شد [illegible]"

مرہٹوں کا تسلط
۱۲۰۰ھ – ۱۷۸۵ء

چونکہ بادشاہ کے حضور میں نجف [illegible] آدمیوں میں سے جو برسرِ اقتدار تھے کوئی باقی نہیں رہا، مرہٹہ[1] [illegible] سیندھیا جو قریب ہی گوالیار میں تھا، مسلط ہو کر دندنانے لگا۔ بادشاہ نے مرہٹے کو مختار کر دیا اور نجف خاں کے آدمیوں کو ذلیل کیا۔ اب اکثر معاملات میں مرہٹے ہی سے مشورہ کیا جاتا ہے اور تمام اُمور اُسی کی منشا کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ مرہٹہ کی فوج شاہجہان آباد میں پہنچ گئی ہے اور یہ مشہور ہے کہ اُس نے پوری طرح تسلط کر لیا ہے۔ [illegible] کے آس پاس لوٹ مچ رہی تھی اب [illegible] ہو گئے ہیں کیونکہ وہ مرہٹوں سے ٹکّر نہیں لے سکتے۔ اور [illegible] جنگ [illegible] کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بادشاہ شہر آگرہ کے باہر خیمہ زن تھا، چند دن کے بعد دہلی کو روانہ ہو گیا۔

[1] مرہٹہ سردار مادھوجی سیندھیا [illegible] شوال ۱۱۹۹ھ [illegible] اگست ۱۷۸۴ء میں شاہ عالم کی طرف سے [illegible] اور منصب امیر الامرا ملا تھا۔ یہ بعد کو "وکیل مطلق" ہو گیا تھا۔ (دیکھو ۲۰۳، ۱۹۰، ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۰۹)

اور عبدالاحد خاں کو قید کرکے علی گڑھ بھیج دیا۔ جو نجف خاں کی بہن کے قبضے میں ہے۔ اور نجف خاں کی فوج کے بہت سے آدمی وہاں جمع ہیں۔ (اب) مرہٹہ مالک الملک ہے، جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ بادشاہ کو دست برداشتہ کچھ دے دیتا ہے[۱] اور جہاں چاہتا ہے اُسے لیے پھرتا ہے۔ چنانچہ شہر میں ایک مہینے رہا، پھر (شاہ کو) علی گڑھ لے گیا۔ دس پندرہ دن تک جنگ رہی۔ آخر عہد و پیمان کرکے بیگم کو قلعے سے نکالا اور اُس سے نجف خاں کے اموال میں سے کچھ لے کر چھوڑ دیا۔[۲]

راجپوتوں پر چڑھائی
اگست ۱۷۸۷ء

وہاں سے بادشاہ کو راجپوتوں پر (چڑھا کر) لے گیا۔[۳] انھوں نے مقاومت کی۔ کچھ دنوں کے بعد راجپوتوں سے صلح کرکے بادشاہ کو شہر (دہلی) میں لے آیا اور مرہٹہ شہر آگرہ میں رہ گیا۔ لیکن وہ برابر راجپوتوں (پر دوبارہ حملہ کرنے) کی فکر میں تھا۔ چنانچہ پھر چڑھائی کرکے اُدھر پہنچا۔ (راجپوت) راجاؤں نے ہمدانی کو بلا کر ۔ جو نجف خانی سردار تھا ۔ اپنا رفیق بنالیا۔ جنگ ہوئی۔ ہمدانی[۴] نے جرأت دکھائی اور (لڑتا ہوا) مارا گیا۔[۵] سرداری اُس کی جگہ مرزا اسمعیل کو ملی، جو اُس کا بھانجا تھا۔ یہ بھی بڑی جگرداری سے لڑا اور مرہٹے کے فتنے کو اُسی نے دُور کیا۔ شکست فاحش ہوئی۔ مرہٹے کے اسباب جنگ اور آلات حرب سارے چھن گئے۔[۶] اپنی جان بچا کر بھاگا اور آگرے آکر دم لیا۔ یہاں بھی مرزا اسمٰعیل (تعاقب

---

[۱] مادھوجی نے شاہ عالم کا وظیفہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کردیا تھا۔ ہسٹری آف دی مراٹھاز۔ جلد ۳ صفحہ ۱۴۷)

[۲] مادھوجی سیندھیا نومبر ۱۷۸۵ء کے تیسرے ہفتے میں علی گڑھ پہنچا تھا۔ نجف خاں کے اموال سے جو "کچھ" حاصل کرنے کا میر نے ذکر کیا ہے اُس نے ۶۵ توپیں ۱۶ من بارود ۔۔۔ من سیسہ اور ۴۰ ہزار روپیہ نقد لیا تھا۔ (۳/ ۲۰۶-۲۰۸)

[۳] راجپوتانے کی طرف ۳۰ رنومبر ۱۷۸۵ء ۔۔۔ رخ کیا تھا۔ ہمدانی اور راجپوتوں کا گٹھ جوڑ ۵ رمئی ۱۷۸۷ء کو ہوا تھا۔ میر نے جس جنگ کا حوالہ دیا ہے یہ جنگِ تنگا (بروزنِ ٹھنگا) کہلاتی ہے۔ "تنگا" جگہ کا نام ہے یہ لال سوٹ (لواؤ مجہول) کے قریب ہے۔ تفصیلات دیکھو۔ زوال ۳/ ۲۵۶ تا ۲۶۵)

[۴] محمد بیگ ہمدانی اسی جنگ میں ۲۸ رجولائی ۱۷۸۷ء کو مارا گیا تھا۔ چہار گلزار شجاعی کے مؤلف نے وائل ۱۲۰۰ھ لکھا ہے جو اکتوبر ۱۷۸۶ء کے مطابق ہوتا ہے۔

[۵] میر کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ ہمدانی لڑتا ہوا مارا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک گولا آکر لگا (دیکھو ۳/ ۲۵۸) جنگ تنگا کی تفصیل (۳/ ۲۶۱-۲۶۰)۔

[۶] میر کا یہ بیان بھی درست نہیں کہ مرہٹہ کے آلاتِ حرب چھین لیے گئے تھے۔ تفصیل دیکھو۔ زوال ۳/ ۲۶۰۔ سیندھیا یکم اگست ۱۷۸۷ء کو لال سوٹ سے روانہ ہوا تھا اور ۸ راگست کو قلعۂ ڈیگ میں پہنچا تھا۔ ۳/ ۲۶۵-)

کرتا ہوا) پہنچ گیا اور اُسے شہر سے نکال کر خود قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کی جنگ نے طول پکڑا۔ مرہٹے نے اپنا فائدہ دوسری طرف دیکھا[۵۱]۔ بادشاہ شہر سے نکل کر نجف قلی خاں کے پاس[۵۲] جو حصار کی جانب (ریواڑی میں) تھا، چلا گیا۔ وہاں بھی بڑی بھاری جنگ ہوئی۔ آخر الامر نجف قلی خاں سے کچھ زر و مال لے کر شہر (واپس) آگیا۔

غلام قادر خاں روہیلہ
جولائی تا اکتوبر ۱۷۸۸ء

اِس دوران میں ضابطہ خاں کے لڑکے نے[۵۳] جس کا نام غلام قادر تھا — اور وہ اپنے باپ کے بعد سہارن پور وغیرہ پر قابض تھا — طاقت جمع کر لی۔ اور سکھوں کی فوج کو (اپنے) ساتھ لے آیا۔ اور اکثر شاہی محالات جو دوآبے کے درمیان تھے ہتھیا لیے۔ قریب آکر بادشاہ سے کچھ (نقد) طلب کیا۔ بادشاہ نے (کورا) جواب دے دیا۔ اب وہ دریا کے اُس پار[۵۴] مورچے جما کر جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک مہینہ یا کچھ زیادہ جنگ رہی۔ بادشاہ کے پاس اگرچہ فوج یا طاقت نہیں تھی، تاہم وہ جی جان سے لڑا اور اِس بلا کو دُور کر دیا۔ (غلام قادر) وہاں سے اُٹھ کر آگرے کے نواح تک قابض ہو گیا۔ یہاں مرزا اسمٰعیل نے جو شہر (آگرے) میں قلعے کا محاصرہ کیے پڑا تھا اُس کی طاقت دیکھ کر دوستی کر لی۔ اور عہد و پیمان کیا کہ ہم تم مرہٹوں سے باہم جنگ کریں گے۔ چند روز کے بعد مرہٹہ (مادھو جی سیندھیا) بھی یلغار کرتا ہوا آن پہنچا جو چنبل پار جانے کی نیت سے آ رہا تھا۔ ان دنوں یہاں

۵۱ "مرہٹے نے اپنا فائدہ دوسری طرف دیکھا" اس سے [illegible] کی مراد یہ ہے کہ اُس نے راجپوتانے کی مہم چھوڑ کر مالوہ کا پروگرام بنا لیا تھا۔

۵۲ شاہ عالم ۴ جنوری ۱۷۹۱ء کو آگرہ سے نکلا تھا اور ۱۲ مارچ ۱۷۹۱ء کو ریواڑی پہنچا تھا جہاں اُن دنوں نجف قلی خاں حکومت کر رہا تھا۔ [illegible] یہاں سے شاہ عالم کی دلی کو واپسی ۲۳ مارچ ۱۷۹۱ء کو ہوئی تھی۔

۵۳ [illegible] کا بیان ہے کہ ضابطہ خاں نے آخر عمر میں سکھ دھرم قبول کر لیا تھا۔ [illegible] اُس کا نام دھرم سنگھ رکھا گیا تھا۔ اُس نے اس کی توقع پر ایسا کیا تھا کہ شاید سکھوں کی فوج اُس کی مدد [illegible] اُس نے [illegible] ۲۱ جنوری [illegible] کو انتقال کیا اور [illegible] میں دفن کیا گیا۔ غلام قادر خاں اسی کا بیٹا تھا۔ [illegible] جلد ۳ ص ۲۶۲۔

۵۴ دریائے [illegible] ۲۳ [illegible] ۱۷۸۸ء کو بادشاہ کی طرف سے مقابلہ کیا [illegible]۔

شہزادہ صاحب عالم موجود تھا لیکن اُس نے تغافل کیا اور جنگ تنہا مرزا اسمٰعیل کے سر پر آپڑی مگر اُس نے بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا اور یہ میدان بھی مار لیا۔ مرہٹہ بھاگ کر گوالیار کے اُس طرف (کے علاقے میں) جا ٹھہرا جس پر وہ متصرّف تھا۔ کچھ دنوں کے بعد دوسری فوج منگا کر پھر لڑنے کو آیا۔ دس پندرہ دن تک آگرے کے اطراف میں جنگ ہوتی رہی آخر مرزا اسمٰعیل کو شکست ہوئی[۵۱]۔ غلام قادر خاں تماشائی بنا رہا، مرزا مذکور بھاگ کر غلام قادر کے پاس آیا، لیکن دیکھا کہ یہ اپنے ہی نقشے جمانے کی دُھن میں لگا ہوا ہے اور میری طرف توجہ نہیں کرتا تو مجبوراً اُس کے پاس کچھ دنوں رہ کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

غلام قادر خاں کے مظالم

بادشاہ کا ناظر[۵۲]، جس نے غلام قادر کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا، (اس نے) لکھا کہ تم یہاں آجاؤ۔ بادشاہ میرا کہنا نہیں سنتا، یعنی مرہٹے کا ساتھ نہیں چھوڑتا[۵۳]۔ یہ دونوں شہر گئے۔ بادشاہ خود کچھ طاقت نہیں رکھتا تھا۔ ناظر نمک حرام کے مشورے سے قلعے کا بندوبست کر کے بادشاہ کو علیحدہ کر دیا اور اُس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا۔ تمام قلعے کو کھسوٹ ڈالا۔ شہزادوں کے ساتھ بھی ناکردنی سُلوک کیا۔ بہت سا زر و مال اُس کے ہاتھ آیا۔ بادشاہ کی آنکھیں نکال لیں[۵۴] اور دوسرے کو بادشاہ بنا دیا۔ جب پُورا تسلط

---

[۵۱] یہ جنگ مرزا اسمٰعیل کی شکست پر ۱۷؍جون ۱۷۸۸ء کو ختم ہوئی (۳/۲۷۰)۔

[۵۲] بادشاہ کے ناظر کا نام منظور علی خاں تھا۔

[۵۳] مرہٹوں کے نمایندے دہلی میں شاہ نظام الدین قادری صوبہ دار دہلی تھے جن کے نام سے "شاہ جی کا چھتہ" آج تک دہلی میں موجود ہے۔ اُن کا مکان دہلی دروازہ اور ترکمان دروازہ کے وسط میں تھا۔ یہ سیّد علی غمگین گوالیاری کے چچا تھے (تفصیل "قصۂ مہر افروز و دلبر" از نثار احمد فاروقی مشمولہ "دراسات")۔ سبندھیا کا داماد لاڈوجی دیشمکھ بھی قلعہ میں مرہٹوں کی نمایندگی کرتا تھا۔ غلام قادر نے ۱۸؍جولائی ۱۷۸۸ء کو قلعہ کا بندوبست اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور ۳۰؍جولائی کو شاہ عالم کو معزول کر کے بیدار بخت پسرِ احمد شاہ کو اُس کی جگہ تخت نشین کیا تھا۔ اُس کے لیے ملکہ زمانی بیگم محل محمد شاہ نے بارہ لاکھ روپیہ رشوت دی تھی۔ (۳/۳۰۷)

[۵۴] شاہ عالم کو ۱۰؍اگست ۱۷۸۸ء کو اندھا کیا گیا تھا۔ اُس کی ایک آنکھ خود روہیلہ نے اپنے خنجر سے نکالی تھی، دوسری آنکھ قندھاری خاں نے اُس کے حکم سے نکالی۔ اُس وقت شاہ عالم کے سینے پر سوار ہو کر ایک تصویر بھی روہیلہ نے بنوائی تھی۔

حاصل کرلیا تو ناظر کو بھی قید کر دیا[۱] اور شہر والوں کو بھی پریشان کرنا شروع کیا۔ جب غلبہ حد سے سوا ہوگیا تو کسی معمولی سی بات پر مرزا اسمٰعیل[۲] سے بدمزگی پیدا ہوگئی۔ اسے (غلام قادر نے) کچھ دینے میں کوتاہی کی، اُس عزیز نے مرہٹے سے صلح کرلی۔ اندریں اثنا، مرہٹے کی فوج بھی قریب پہنچ گئی تھی اور اُس کے بعضے سردار شہر میں داخل ہوگئے[۳]۔ روہیلہ قلعہ بند ہوگیا۔ پھر رات کے وقت خضری دروازے[۴] سے نکل گیا۔ فوج و اسباب زر و مال نیز شہزادوں کو، ناظر اور اُس کے لواحقین کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ شاہدرے کے قریب فوجوں کو صف آرا کر کے (مقابلے پر) ڈٹ گیا۔ آخرالامر (جب) مرہٹوں نے اُس کی یہ ڈھٹائی دیکھی تو وہ بھی دریا کے پار گئے[۵] اور اُسے جنگ پر مجبور کیا۔ کبھی یہ غالب آتے تھے، کبھی وہ ملعون۔ جب ایک ماہ کے قریب (انھیں جھڑپوں میں) گذر گیا تو علی بہادر[۶] نامی ایک سردار دکھن سے آیا اور روہیلوں سے جنگ کرنے پر تُل گیا۔ دو تین جھڑپوں کے بعد بڑی بہادری سے اُسے اسیر کرلیا۔ مال و اسباب مع شہزادوں کے اُس (کے قبضے) سے چھین کر اُسے قید میں ڈال دیا۔ اور اُسی اندھے شاہ عالم کو بادشاہ مقرر کیا[۷]۔ قلعہ کو جاٹوں کے حوالے کیا۔ اب سو روپیہ روز بادشاہ کو دیتے ہیں اور تمام ملک پر متصرف ہیں

۱ہ ناظر منظور علی خاں کو ۱۳ر ستمبر ۱۷۸۸ء کو قید کیا تھا۔

۲ہ مرزا اسمٰعیل نے ۱۹ر ستمبر ۱۷۸۸ء کو روہیلہ کے کیمپ سے الگ ہو کر مرہٹوں سے گٹھ جوڑ لیا تھا [illegible]

۳ہ مرہٹہ فوج کے سردار ۲ر اکتوبر ۱۷۸۸ء کو شہر دلی میں داخل ہوئے تھے۔

۴ہ خضری دروازہ سیلم گڑھ کی طرف سے [illegible] طلوع [illegible] سلیمان شکوہ وغیرہ شہزادوں کو بھی لے کر قلعے سے نکلا تھا۔ اُس نے ۱۰ر اکتوبر ۱۷۸۸ء کو قلعہ چھوڑا تھا [illegible] کا دن تھا۔ [illegible]۔

۵ہ مرہٹوں کی طرف سے جمنا پار فوج لے کر [illegible] اور [illegible] گئے تھے۔

۶ہ یہ وہی علی بہادر ہیں جن کا نام غالب کے ایک قطعے میں آیا ہے۔ یہ پیشوا باجی راؤ [illegible] مستانی بیگم کے بطن سے تھے۔ انھیں باندہ کی ریاست مرہٹوں نے دے دی تھی [illegible] نومبر ۱۷۸۸ء کے آخر میں دلی آئے تھے۔ اور ۱۱ر دسمبر ۱۷۸۸ء کو [illegible] ہاتھوں ۱۹ر دسمبر کو روہیلہ گرفتار ہوا [illegible]۔

۷ہ شاہ عالم کو معزولی کے بعد دوبارہ [illegible] اکتوبر ۱۷۸۸ء کو تخت نشین کیا گیا۔ اُس دن جمعہ تھا [illegible] کے بعد دوبارہ اُس کے نام کا خطبہ مسجدوں میں پڑھا گیا۔

اُس ملعون (روہیلہ) کو بڑی ذلت کے ساتھ مار ڈالا۔[۱] اب مرہٹہ (سیندھیا) بادشاہ ہے۔ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ دیکھنا ہے کہ یہ (رنگ) کب تک رہتا ہے۔

عبرت و خاتمہ

(القصہ) یہ دنیا عجب حادثہ گاہ ہے۔ کیسے کیسے مکان خراب ہو گئے اور کیسے کیسے جوان مر گئے۔ کیسے باغ ویرانے ہو گئے۔ کیسی محفلیں افسانہ ہو گئیں۔ کیسے پھول کُھلا گئے۔ کیسے جوان گذر گئے۔ کیسی مجلسیں اُکھڑ گئیں۔ کیسے قافلے کوچ کر گئے کیسے عزیز خوار ہوئے اور کیسے لوگ با اختیار ہوئے۔ اِس عبرت میں آنکھ نے کیا کیا دیکھا اور اِن کانوں نے کیا کیا سُن لیا۔[۲]

ہر کاسۂ سر ز افسرے میگوید ہر کہنہ خرابہ از درے میگوید
دنیاست فسانہ پارہ ای ما گفتیم وان پارہ کہ ماند، دیگرے میگوید

(ہر کاسۂ سر کسی تاجِ سر کی کہانی کہہ رہا ہے۔ اور ہر اُجڑا ہوا مکان در (و دیوار) کی نشانی ہے، یہ دنیا ایک کہانی ہے جس کا کچھ حصہ ہم نے بیان کر دیا، جو باقی رہ گیا وہ اب اور کوئی سنائے گا۔)

اِس تھوڑی سی مدت میں اِس ایک قطرۂ خون نے جسے دل کہتے ہیں انواعِ ستم جھیلے ہیں اور تمام خون ہو گیا ہے۔ میرا مزاج (پہلے ہی) ناساز تھا۔ ہر شخص سے ملنا جُلنا چھوڑ دیا (تھا) اب کہ بڑھاپا آگیا ہے یعنی عمرِ عزیز ساٹھ[۳] سال کی ہو چکی ہے اکثر اوقات بیمار رہتا ہوں۔ کچھ دنوں

---

[۱] بادشاہ کے میر منشی میر غالب علی اور حکیم اکمل نے ۳؍مارچ ۱۷۸۹ء کو غلام قادر روہیلہ کی دونوں آنکھیں نکالیں اور ایک کان کاٹ کر یہ تحفہ متھرا سے دہلی کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اِس سے تقریباً دو دن کے بعد روہیلہ مر گیا۔ [۲] یہ رباعی عہدِ عالمگیری کے امیر ارادت خاں واضح کی ہے۔ اِن کی مثنوی آئینۂ راز اور انتخابِ کلیات (قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ) میں موجود ہے۔ مگر اس کے پہلے دو مصرعے اِس طرح ہیں:

ہر کہنہ خرابہ از درے میگوید
ہر نقشِ قدم حرفِ سرے میگوید ۔۔۔ الخ

[۳] اس ترقیمہ کی روشنی میں زمانۂ کتابت کی بحث مقدمہ میں ملے گی۔

آنکھوں کے درد میں مبتلا رہا۔ بینائی کمزور ہو گئی عینک کی ضرورت پڑی۔ میں نے کفِ افسوس ملا اور اِس شعر پر نظر کر کے نظر بازی ترک کر دی:

دیدہ چون محتاجِ عینک گشت فکرِ خویش کُن
بر نفس دارند روزِ واپسین آئینہ را [1]

(جب آنکھ عینک کی محتاج ہو جائے تو اپنی (آخرت کی) فکر کرو۔ کیونکہ عالمِ نزع ہی میں مریض کے سانس پر (ناک کے سامنے) آئینہ رکھا جاتا ہے۔)

دانتوں کے درد کی کیا کہوں۔ حیران تھا کب تک علاج کروں۔ آخر دل برداشتہ ہو کر ایک ایک کو جڑ سے اُکھڑوا دیا۔

روزیِ خود را بہ رنج از دردِ دندان میخورم
نان بخون تر میشود، تا پارۂ نان میخورم

(میں اپنی روزی بڑی تکلیف کے ساتھ کھاتا ہوں۔ دانتوں کے درد کی وجہ سے روٹی بھی خون میں تر ہو جاتی ہے تب کہیں ایک ٹکڑا حلق سے نیچے اُترتا ہے۔)

غرضکہ ضعفِ قویٰ، بیدماغی، ناتوانی، دل شکستگی، اور آزردہ خاطری سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت دن نہ جیوں گا۔ زمانہ بھی رہنے کے لائق نہیں رہا ہے اِس سے دامن جھٹک دینا ہی اچھا ہے۔ اگر خاتمہ بخیر ہو جائے تو یہی آرزو ہے ورنہ اُسے اختیار ہے۔

○

[1] یہ شعر مُلا اشرف مازندرانی کا ہے۔

ذکرِ میر

(متنِ فارسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد حمدِ بیحد مرسخنوری را کہ یکہ بیتِ یکتائیِ اُو بعالم دَوید[1] و ثنای لاتعدّ صنعت گری را کہ گوہرِ معنی[2] در سلکِ نظم و نثر کشید۔ قادر سخنی کہ ہزار رنگ سخن را جلوہ برزبان میدہد[3]۔ تعلیم گرے کہ ہر فردِ عاجز سخن را زبان میدہد۔ خالقی کہ خلقِ عالم را نوازد، صانعی[4] کہ خاک را آدمی سازد۔ دارندہ کہ بی لطفِ اُو نگاہداشتن[5] خود مُحال است۔ نگارندہ[6] کہ صورت[7] نویسیِ اُو کرا مجال است[8]؟ علیمی کہ در[9] احاطۂ علمِ اُو ہر مرکّب و بسیط اینجاست کہ اِنَّ اللہَ علیٰ کُلِّ شَیْئٍ مُحِیْطٌ[10] حکیمے کہ دانای راز باست، قدیمی کہ ہستی اُورا سزاست۔ رازقی کہ نان دہد، مالکے کہ جان دہد، رحیمی کہ عذرِ گنہگار نیوشد، کریمی کہ عطا پاشد و خطا پوشد۔ شمس یک ذرّہ از ظہورِ اُو۔ قمر یک شمّہ از نورِ اُو۔ چیزے نیست کہ بے نورِ اُو کُنی (فرض[11]) کہ اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[12] ناز اُو از بسکہ نیاز را دوست میدارد[13] ہر کہ سر فرود[14] می آرد نومید نمی گذارد۔ آفریننده[15] کہ جہا آفرید[16] و بینندہ

[1] ای مشہور شد۔ [2] گوہرِ سخن۔ [3] ای زبان دادن و تعلیم کردن۔ یعنی یاد میدہد۔
[4] ن۱ و صانعی۔ [5] ن۱ بی لطفِ اُو داشتن خود۔ [6] ن۱ (نگارندہ تا مجال است) ندارد۔
[7] نقل نویسی۔ [8] ن۲ صورت نویسی نقشِ او۔ [9] ن۲ عالمی۔ [10] قرآن میں دو طرح ہے۔
[11] مط: غرض۔ (تصحیح قیاسی)۔ ن۲ کسی فرض۔ [12] قرآن ۲۴/۳۵ [13] ن۲: کہ ہر کہ۔
[14] ن۲ فرو۔ [15] ن۲ آذینی۔ [16] ن۲ جہان۔ [17] و ندارد

که نهانِ همه کس دید. هر چند چرخِ کج رفتار با من کج بازد، امّا چشم دارم که رُوی[۱] مرا بر خاک نیندازد[۲]. زبانی نیست که نامِ اُو از و نمی آید جانی نی که نغمهٔ[۳] وصفِ اُو نمی سراید. خبیرے که از حالِ همه کس خبر دارد. بصیری که همه را در نظر دارد. نیازی باید که گلهای نازِ اُو چیند چشمی شاید که تازه کاریِ اُو بیند. فردیکه بفردانیت موصوف، اَحدیکه بوحدانیت معروف. رفیعی که بدرگاهِ او ملک نَرود. سمیعی که اِلحاحِ هر عاجزی شنود. قلمِ دو زبان چه قدرت دارد که کمالاتِ اُو یک بر نگارد. مگر اُو خود را خود ستاید و از عهدهٔ کمالاتِ خود برآید.

فی[۳] النّعت

درودِ[۴] نا محدود بر فصیحی که گوی فصاحت از میان بُرده[۵] و تحیّاتِ نامعدود بر بلیغی که بجدا رسیده و بَر خود نسپرده[۶]. شاہے که از سرتا پا قدر و جلال است. ماہی که زنگ زدای کُفر و ضلال است. پیشوای که بی اِقتدای اُو کاری نمیکشاید. رہنمائی که بی رہنمائیِ اُو رداہی نمی نُماید. امیرے که فرمانِ او بجان و دل پذیریم و[۷] دستگیری که اگر دست دہد دُنبالِ اُو گیریم. صبیحے که صباحتِ اُو روشنگرِ آیینهٔ عالم ملیحی که ملاحتِ اُو نمکِ رُخسارهٔ آدم. نگاری[۸] که خاکِ زیرِ پای اُو بهای جانی. بهاری که سایه رَوِ عَلَمِ سبزِ اُو جهانی. یاری گرے که چشمِ محشریان بر شفاعتِ اُو. نَی نَی، هر دو جهان را کار با عنایتِ اُو. صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ[۹] که هریکی اِمامُ المؤمنین و شَفیعُ المُذْنِبِیْنَ است.

بعد حمدِ خالقِ وَدُود، معبودِ کُل موجود، و درودِ نامحدود[۱۰] و ثنای نامعدود بران

---

[۱] روی بر خاک انداختن مذلّت کردن. [۲] ن ۲ (روی) ندارد.
[۳] ن ۱ و ن ۲ (فی) ندارد. [۴] ن ۲ و درود. [۵] ن ۲ (و) ندارد.
[۶] بخود سپردن = مغرور شدن. [۷] ن ۲ (و) ندارد.
[۸] ن ۱ نگاری الخ و بهاری الخ مُوخّر مقدّم. [۹] ن ۲ (الطّاهرین) ندارد.
[۱۰] ن ۲ (و درودِ نامحدود) ندارد.

صاحبِ مقامِ محمود۔ میگوید فقیر میر محمد تقی المتخلص بمیر که درین ایام بیکار بودم، و در گوشهٔ[1] تنهائی بی یار۔ احوالِ خود را[2] متضمنِ حالات و سوانحِ روزگار و حکایات و نقلها نگاشتم و بنای[3] خاتمهٔ این نسخه موسوم به "ذکرِ میر" بر[4] لطائف گذاشتم۔ امید از یارانِ زمان آنست که اگر بر خطائی اطلاع یابند چشمِ عنایت بپوشند[5] و در اصلاح بکوشند۔

بزرگانِ من

بزرگانِ من با دار و[6] دستهٔ خود[7] از نا مساعدتِ ایام که صبح درین اوقات شام مینماید، از حجاز رختِ سفر بسته، بسرحدِ دکن رسیدند[8]، ناکشیدنیها کشیدند، و نادیدنیها دیدند۔ از انجا واردِ احمد آباد گجرات گشتند۔ بعضی فروکش کرده[9] از هم گذشتند[10] و بعضی همت برین گماشتند که پیشتر بیایند و بازوی تلاش گشایند۔ چنانچه جدِ کلانِ من بمستقرِ[11] خلافت اکبرآباد توطن اختیار کرد۔ اینجا از آبِ گردش[12] به بستر[13] افتاد و[14] جهانِ آب و گل را دعا گفت[15]۔ از وی پسرے باقی ماند که جدِ من باشد۔ او کمرِ همت[16] بربسته بتلاشِ روزگار برخاست۔ بعد از استخوان[17] شکنی به فوجداریِ گردِ اکبرآباد سرافراز گشت۔ آدمیانه میزیست۔ چون سنِ شریفش به پنجاه کشید[18] مزاج از اعتدال منحرف شد۔ چند روز به تبرید[19] پرداخت۔ هنوز صحت کامل نشده بود که به گوالیار رفت۔ بسببِ حرکتِ عنیفی[20] که در نقاهت[21] سم است بجا افتاد[22] و جامه گذاشت۔ و او دو[23] پسر داشت کلانی خالی از خللِ دماغ نبود، جوان مرد، و حکایتِ او پس سر شد[24]

---

[1] ن ۲ برگوشه۔ [2] ن ۱ (را) ندارد۔ [3] ن ۲ بپای۔ [4] ن ۱ ۔ بطائف۔
[5] ن ۲ بپوشند۔ [6] دار و دسته = قوم و قبیله۔ [7] ن ۱ (از) ندارد۔ [8] ن ۲ دکن رسیده۔
[9] توقف نمودن و فرود آمدن۔ (ن ۱ = فروکش شده)۔ [10] ن ۲ (بعضی ... گذشتند ...
[11] ن ۱ و ن ۲ مستقر الخلافت۔ [12] اختلافِ هوا۔ [13] ن ۱ ۔ ا = تغیر آب و هوا [14] ... بیا شد
[15] ترک کردن۔ (ن ۱ ا = رخصت کرد)۔ [16] ن ۱ (بر) ندارد۔ [17] ا = محنت بسیار۔
[18] ن ۱ پنجاه سالگی۔ [19] ن ۲ تدبیر۔ [20] دشوار۔ [21] ن ۲ نقاهت۔
[22] بجا افتادن و جامه گذاشتن یعنی مکث و قیام کردن و مردن۔ [23] ن ۱ (و) ندارد۔
[24] یعنی فراموش شد۔

پسرِ خورد که پدرِ من باشد ترکِ لباس کرد و پا بدامن کشید۔ تحصیلِ علمِ ظاهر که بی اُو[1] بہ عالمِ معنی رسیدن دشوار است، در خدمتِ شاہ کلیم اللہ اکبرآبادی که از کُمّلِ اولیای آنجا بود کرد، و از ریاضتِ[2] شاقّہ[3] پی بباطن بُرد۔ در سعیِ ترک و تجرید تصدیع بیحد کشید۔ برہنمائی آن بزرگ بسرِ خانۂ درویشی رسید[4]۔ ع

پس از خرابیِ بسیار دل بدست اُفتاد

جوانِ صالحی عاشق پیشہ بود، دلِ گرمے داشت۔ بخطابِ علی مُتّقی امتیاز یافت۔

نقل است[5] روزے در خدمتِ شیخ سُوال کرد که بندہ آنچہ عقائدِ خود درست کردہ ام بخدمتِ عالی واضح است، امّا در حقِّ حاکمِ شام چہ می فرمایند؟ فرمود: خواہم گفت۔ بعد مدّتی آخرِ شب کہ ہنوز کاکلِ[6] صبح پریشان نشدہ[7] بود، در مسجدِ محرم خان خواجہ سرای شاہجہانی تشریف آوردہ۔ غلامانِ پدرِ من دَویدند کہ برائے وضوءِ شیخ آب بہم رسانند پدرِ خود[8] بر خاست و آفتابہ بدست گرفت۔ دست و دہن بآب کشیدہ[9] گفت کہ "ای علی متّقی نامِ اُو در مدّت العُمر بزبانِ[10] من نیامدہ است، زبان ندارم کہ شکرِ این بجا آرم"۔ پدرم گفت: "الحمدللہ کہ از آن باز نامِ اُو[11] من ہم نگرفتہ ام۔"

روز و شب بیادِ الٰہی می پرداخت[12]۔ حق تعالیٰ روی اُورا بر خاک نیند اخت۔ چون دماغش می رسید[13]، می گفت کہ "اے پسر عشق بُوَرز[14]۔ عشق است کہ درین کارخانہ مُتصرّف است[15]۔ اگر عشق نمی بود، نظمِ کُل صورت نمی بست۔ بی عشق زندگانی وَبال است، دل باختۂ[16] عشق بودن کمال است، عشق بسازد، عشق بسوزد، در عالم ہر چہ ہست ظہورِ

---

[1] ن ا بی آن۔ [2] ن ا ریاضات۔ [3] ن ۲ سابقہ۔ [4] بمعنی حدِّ معیّن۔ [5] ن ۲ (نقل است) ندارد۔ [6] یعنی خیطُ الاسود (ن ۲ کامل)۔ [7] ن ۲ شدہ۔ [8] ن ۲ پدرم۔ [9] اے دَست و رو شُست (ن ا کشید و)۔ [10] ن ا برزبان۔ [11] ن ۲ (او) ندارد۔ [12] ن ۲ بپرداخت۔ [13] رسیدن دماغ بمعنی شگفتہ شدن۔ [14] ن ا نواز۔ [15] ن ۲ مفرلیست (کذا)۔ [16] ن ۲ (عشق نمی بود . . . تا باختہ) ندارد۔

عشق است، آتش سوزِ عشق[1] است، آب رفتارِ عشق است[2]، خاک قرارِ عشق است، باد اضطرارِ عشق است[3]، موت مستیِ عشق است، حیات ہُشیاریِ عشق است، شب خوابِ عشق است، روز بیداریِ عشق است، مُسلم جمالِ عشق است، کافر جلالِ عشق است، صلاح قُربِ عشق است، گناه بُعدِ عشق است، بهشت شَوقِ عشق است، دوزخ ذَوقِ عشق است۔ مقامِ عشق از عبودیّت و عارفیّت و زاہدیّت و صدّیقیّت و خُلوصیّت و مشتاقیّت و خلیّت[4] وحبیبیّت برتر است۔ جمعی بر آنند که حرکتِ آسمانها[5] حرکتِ عشقی[6] است یعنی بمطلوب نمی رسند و سرگردانند:

بی عشق نباید[7] بود، بی عشق نباید زیست
پیغمبرِ کنعانی عشقِ پسرے دارد

روز حیران کار[8]، شب زنده دار، اکثر روی نیاز بر خاک۔ مدام مستِ شوق و دامن پاک۔ چهرهٔ نورانیش رونق افزای بزمِ صبح خیزان[9]۔ آفتاب بود اما از سایهٔ خود هم گریزان۔ هرگاه بخود آمدے گفتے که "اے پسر عالم هنگامهٔ بیش نیست، باید که بدین[10] آستین بیفشانی، و گردِ علائق بر دامنِ خود ننشانی۔ عشقِ الٰهی را پیشهٔ خود کُن۔ روزے در پیش است، اندیشهٔ خود کُن۔ هر که اهل است میداند که دنیا سَهل است۔ زندگانی[11] وهمی است، بنا بر وهم گذاشتن آب را با ریسمان بستن است[12]، و در بندِ فُسحتِ[13] اَمل بُودن مهتاب[14] بگز پیمودن۔ اندازِ رفتنی داری، بے خبر آه نشوی[15] فکرِ زادے کُن[16] تا خرجِ راه نشوی[17]۔

---

[1] ن ۱ موخر۔
[2] ن ۱ مقدم۔
[3] ن ۲ مقدم۔
[4] ن ۲ خلیلست۔ این را خلیلیّت هم میتوان خواند۔ ن ۱ حالیت
[5] ن ۲ آسمانی ن ۱
[6] ن ۲ عشق۔
[7] ن ۱ واو دارد۔
[8] ن ۱ وشب زنده دار۔
[9] ن ۱ خیزان ندارد۔
[10] ن ۲ برین۔
[11] ن ۱ وهمی بیش۔
[12] از (زندگانی وهمی تا بستن است) ن ۲ ندارد۔
[13] ن ۲ این۔
[14] ن ۲ آفتاب۔
[15] ن ۱ ای بیهوده
[16] ن ۱ بزادی بکش۔
[17] ای تنگ شدن در راه۔

رُو بکسی آر کہ عَالَم را آیینۂ اُو میگویند۔ اختیارِ خود بکسی سُپار کہ اُو[1] را در خود میجویند۔ اگرچہ مقصود حاصل است، امّا طلب شرط است۔ ہرچند ہمہ اوست لیکن اَدب شرط است۔

نکتہ[2] | معیّتِ حق باخلق[3] چون معیّتِ روح است با جسم۔ تُرا بی اُو وجودے نَی،[4] و اُو را بی تو نمودی نَے۔ عالم پیش از ظہورِ عینِ[5] اُو بود، و بعد از ظہور اُو عینِ عالم است[6]۔

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرّہ عینِ اُوست
امّا نمی توان کہ اشارت بدو کنند[7]

درویش[8]، درویش پرستے، شکستہ دلے، مشتاقِ شکستی، نیازمندِ عجیبے، دَر وطن غریبے۔ وسیع المشرب، فقیرِ کامل، چون آب در ہر رنگ شامل۔ ہرگاہ مرا در[9] بغل کشیدے، و بنظرِ[10] شفقت رنگِ کاہیِ مَرا[11] دیدے، گفتے کہ اے سرمایۂ جان این چہ آتشی[12] است کہ در دلت نہان است، و چہ سوزیست کہ ترا با جان است؟ من خندہ میکردم، اُو میگریست۔ قدر نشناختم تا می زیست۔ مَردے بود بحالِ خودے[13]، کسے را بارِ دوشے نشدے[14]۔

یکے بعد از نمازِ اشراق روی توجّہ بمن آورد، و[15] مرا سرگرم بازی یافت گفت "اے پسر زمانہ آنِ سیّال است، یعنی بسیار کم فرصت۔ از تربیتِ خود غافل مشو۔ درین راہ نشیب و فراز بسیار[16] است، دیدہ دیدہ بِرَو۔"

---

[1] ن ۲ اورا خود۔
[2] ن ۲ ندارد۔
[3] ن ۲: باحق۔
[4] ن ۲۔ واوَ ندارد۔
[5] ن ۲: عین ندارد۔
[6] ن ۱: (نکتہ)۔
[7] ن ۱: کند۔
[8] ن ۱: درویش و درویش۔
[9] ن ۲: ببغل۔
[10] ن ۱: برنگ۔
[11] ن ۱: من۔ ن ۲: میزندی۔
[12] ن ۱: آتش۔
[13] ن ۱: اے وارفتہ حال خود۔
[14] ن ۲ باو دستے (کذا)
[15] ن ۲ واوَ ندارد۔
[16] ن ۱ بسیار ندارد۔

نشانِ پایے تو فردِ حسابِ زندگی است
قدم شمردہ درین[1] کہنہ خاکدان بردار

این چہ بازیست کہ اختیار کردہ ای، و چہ ناہمواری است کہ بر خود[2] ہموار ساختہ ای؟ محوِ کسی شو کہ بلاگردانِ رنگین رفتنِ او آسمانہا، رفتہ[3] آن باش کہ قربانِ ہر آنِ[4] او دلہا و جانہا. عندلیبِ گلے باش کہ ہمیشہ بہار است (...)[د] آن سادہ[6] شو کہ یک پُر کار است. دَورِ[5] آسمان دو رنگ و [illegible] ندارد، بشتاب. فرصت غنیمت شمار، و خود را دریاب."

صورتِ متبرکش معنیِ مجسّم، درتمام عالمِ اجسام. یک آدمِ موقرے کہ عنانِ اختیار از دستِ خود نداد. متّقی کہ چشمِ نامحرم بر دست و پای (او)[ذ] نیفتاد. اگر میدیدی میگفتی کہ شاید مَلک واین عزیز[9] سر از یک گریبان برآوردہ اند، و رفتگان ہم پای استقامت باین خوبی کم فشردہ اند.[10] متخلق باخلاقِ سنجیدہ، متصف باوصافِ حمیدہ. طبعش مشکل پسند، جانش دردمند، مژگان نم، حال درہم.

نقل است[11] یک روز ہمسر پیر گَسِن[12] بخانہ درآمد [illegible] دا[13]یے نشستہ بود، گفت: "اے داہ امروز بسیار گرسنہ ام، طاقت صبر ندارم، اگر پارۂ نانے بہم رسد زندہ میمانم." او گفت: "فقدانِ اسباب است." باز گفت:[14] "گرسنہ ام." داہ برخاستہ رفت و از بقال آرد و روغن آورد تا نان بپزد. این بار بی طاقتی[15] بسیار کرد.

---

[1] ن ۲: [illegible]. [2] ن ۱: خود ندارد. [3] ن ۱: [illegible].
[4] ن ۲: [illegible]. [5] این [illegible].
[6] ن ۱: [illegible]. [7] [illegible]. [د] [illegible].
[9] [illegible]. [10] ن ۱ و ن ۲: اند ندارد. [11] ن ۲: ندارد.
[12] [illegible]. [13] [illegible]. [14] ن ۲: باز گفت [illegible].
[15] ن ۲: بسیاری.

داه[1] بیدماغ[2] شد و گفت که "صاحب، این فقیری است اینجا ناز را دخلی نیست". گفت: "اے داه، تو با دلِ جمع نان بپز. من برای دیدنِ درویشی به لاهور میروم[3]". رومالیکه از گریهٔ شبنمش لکهٔ ابر ترے شده بود بَرداشت و پا براه گذاشت. چون داه دید[4] بیمزه[5] شده[6] میرود، دوید[7] و گریه کنان در دامن آویخت. هیچ فائده نکرد. ناچار آبی بَر آیینهٔ سحر جاکه فرودمی آمد رزاقیتِ خدائے کریم کار میکرد. بعد از چندے به لاهور رسید. و آن درویشِ ریاکار را دید. بر کنارِ رودخانه که به "راوی" شهرت دارد نشسته میماند. و عالمی را به آب میرانَد. بنام "خفتشان نمود" مشهور بود. چند الفاظ زبانِ دَری بر زبان داشت. نافهمے چندکه نمی فهمیدند، پیشِ او خط (از) بینی[8] میکشیدند. گفت که "من تائیدِ دینِ محمد علیه الصلوٰة والسلام[9] میکنم، بی حقیقتان مرا مُغوی میدانند". پدرم بر آشفت و گفت که: "اے بے ته دینِ پیغمبرِ ما محتاجِ تائیدِ همچو توئی نیست. فهمیده بگو که اینجا شمشیر درمیان است، مبادا که کشته شوی[10]." آخر در اوّلِ ملاقات[11] صحبت بیمزه[12] شد. به ترش روئی تمام ازانجا[13] برخاسته، در تکیهٔ فقیرے شب گذرانید. چون صبح سفید شد، آن سیه گلیم از درِ معذرت درآمد. پدرِ من گفت که: "حالا سُودے ندارد، دیروز سفید گفته ام[14] امروز سفیدتر خواهم گفت." چون پرده از روی کار برخاست، بی لُطف است. بردسرِ خود گیر. نشود که بدهنها افتی[15]. هرچند از عرقِ خجلت تر آمد،

---

[1] ن ۲ واو۔ — [2] ن ۱: بےمزه۔ — [3] ن ۱: وملاقات کرده می آیم۔

[4] ن ۲: دیدکه۔ — [5] ن ۱: بے دماغ۔ — [6] مط: شد۔

[7] مط: دویده ن ۱ و ن ۲ دوید۔ — [8] یعنی فریب میداد۔

[9] مط: به بینی۔ — [10] ن ۲: والسلام ندارد۔ — [11] ن ۲: شوی ندارد۔

[12] ن ۲: ملاقات ندارد۔ — [13] ن ۲: آخر در اوّل صحبت ملاقات فزونی شد ن ۱: فزونی (بیمزه) شد۔

[14] ن ۲: ازینجا۔ — [15] ن ۲: ام ندارد (بے پرده گفته ام)۔

[16] ای بدهن افتاده رسوا شوی۔

امّا بسیار از آبِ بد برآمد۔ وقتیکہ آن مجلسِ بی لطف برشکست[51]، دفعۃً این عزیز بارِ سفرے کہ نداشت، توکّلتُ علَی اللہ بربست۔ و[52] در عرصۂ ده دوازده[53] روز از گردِ راه بہ شاہجہان آباد دہلی رسید، و بخانۂ فخرالدین خان[54] پسرِ شیخ عبدالعزیز عزّت، کہ دیوانِ صوبہ[55] بود، و قرابتی قریبہ داشت، رحلِ[56] اقامت انداخت۔ عزیزانِ شہر ہجوم آوردند و بہ اعتقادِ تمام آب بدستش ریختند[57]۔ آن مرد را کہ شرابِ عشق از ہوش بُرده بود، اگر نشستے بیخود نشستے[58]، و اگر برخاستے چون مستِ سَرانداز برخاستے، مستانہ و بیخودانہ حرف سرکردے، دمِ جان سوزش آتشِ شوق برکردے[59]۔ بسیارے دستِ ارادت بدستِ اُو دادند، اکثرے بتاثیر نگاہش از پا اُفتادند۔ غُسالۂ[60] وضوے اُو از کمالِ رُسوخ میگرفتند، و بہ بیمارانِ شہر میدادند، ہرکہ میخورد بہ می شد۔ از بس گریستے گریہ اش در گلو گره گشتے نالۂ کہ از دلش سر بر زدے، از آسمان گذشتے۔ آوازۂ در اُفتاد کہ درویشے باین حالت واردِ شہر است۔ اُمرا، التماسِ ملاقات نمودند[61]، قبول نکرد، کہ "من فقیر و شما امیر، میانِ ما و شما نسبت نمی گنجد۔" امیرالامرا، صمصام الدّولہ نظر[62] برحقوقِ سابق باز آغاز[63] کرد کہ مرا از دولتِ دیدار محروم نباید گذاشت، اگر از لطف اشاره رَود، این روسیاه داخلِ صحبتِ رُوسفیدان شود۔ تبسّمی کرد و گفت: "برائے ملاقات مناسبت شرط است، اُمید کہ معذور داری و بحالِ خودم واگذاری۔" چون از کثرتِ خلق تنگ شد، دلِ شب[64]

---

[51] ن ۲: بدنیا افتی کہ آن صحبت بے مزه پاشیده شد و آن مجلس بے لطف برشکست۔
[52] ن ۲: واو ندارد۔
[53] ن ۲: ده روز۔
[54] در مط: قمرالدین خان، ولی اینجا نام فخرالدین باید۔ برای تشریح رجوع کنید مقدمہ کتاب
[55] صوبہ بمعنی صوبہ دار باشد، دیوان صوبہ، یعنی دیوانِ صوبیدار۔
[56] ن ۲: رخت۔
[57] کنایہ از خدمت کردن۔
[58] ن ۲: بے خود نشستی ندارد۔
[59] مشتعل کردن۔
[60] ن ۲: غاولہ
[61] ن ۲ کردند۔
[62] ن ۱ بر ندارد۔
[63] ن ۲: ناز آغاز کرد۔
[64] نصف شب۔

برخاست، و بعد از نمازِ تہجّد از شہر بدر زد۔ ہر چند در تلاشش[51] نفس سوختند، امّا بگردِ او نرسیدند، و نقشِ پایی که نشان از و دہد ندیدند۔ (لمصنّفہ[52]):

بپاکان کارِ کے گیرد فلک تنگ
که عیسیٰ از سرِ سوزن بُرون شد[53]

در دو سہ روز به "بیانہ" که سه[54] منزلی اکبرآباد شہریست قدیم، و آبادیِ شرفا است، غریبانه وارد شد۔ و بیکسانه بر درِ مسجدے نشست۔

حکایت[55] سید پسرے، لاله رخسارے، خوش پرکارے، بنظر در آمد، چشمے[56] چراند و از جذبهٔ کاملش بسوی خود کشید۔ تغیّرے در احوالِ آن غیرت پری راه یافت۔ چون پریدار بیہوش اُفتاد، و سر در پای این دیوانه وش نہاد۔ عزیزان فہمیدند که[57] حالِ پسر که دگرگون است از تاثیرِ نظرِ درویشِ جگرخون است۔ گفتند که رحمے بر حالِ این جوان کُن۔ دمِ آبے طلبید و دُعای برؤ دمید۔ چون آب از گلو فرو[58] رفت آن پسر بخود آمد، و معتقدانه زانو زده گفت: "اگر چندے مہمانِ من باشند، و قدمے که بردارند بر چشمِ نیازمند گذارند، عینِ بنده نوازی است، وگرنه در عالمے که حضرت تشریف دارند ناز پیش نمی رود، که آن جای نیازی است۔" فرمود که "در عالمِ دوستی مضائقه ندارد، امّا من[59] بسر پا نشسته ام، فردا رفتنی در پیش دارم۔" حاضران گفتند: "ما تابعِ مزاجیم۔ مبالغه کردن سوءِ ادب است، لیکن اینقدر ہست که اگر بخانهٔ این پسر تشریفِ شریف ارزانی فرمایند و چیزے تناول نمایند، دور از عنایتے نخواہد بود۔" چون پاسِ عزّتِ اکابرانِ آنجا منظور داشت گفت: "قبول است۔ امّا خاطرِ فقیر گاہے شاد و گاہے ملول است، کسی

---

[51] ن ۱ تلاش۔
از راهِ دشوارگذار آسان، گذشتن۔
[52] ن ۲ ندارد۔
[53] از سرِ سوزن بُرون شدن۔
[54] ن ۱: سرمنزلی۔
[55] ن ۲ ندارد۔
[56] ن ۲: قسمی خواند و از جذب ن ۱: جذب۔
[57] ن ۱: که ندارد۔
[58] مط: فرو ریخت۔
[59] ن ۱: من ندارد۔

مُتعرّضِ احوال[51] نشود۔" گفتند: "چہ یارا، وکرا گوارا، اگر خلاف مزاج بظہور آید، این سعادت بشقاوت گراید۔" غرضکہ آن جماعت بخانۂ پسر بُرد، و این مرد[52] ہم آن جا چیز(ے) خورد[53]۔ اِتّفاقاً ہمان شب شبِ[54] کدخدائیِ اُو بود، پارۂ از شب گذشتہ با کدخدایانِ شہر پیش آمد و گفت: "اگر حضرت ہم قدم رنجہ فرمایند، و رونقِ بزمِ عروسی افزایند موجبِ سربلندی است۔" گفتا: "مبارک است۔ امّا افسوس کدخدائی مانعِ خداپرستی است[55]۔"

فائدہ اے عزیز نمیدانی کہ لفظِ "داماد" مرکّب است از دام و آد۔ کہ فارسیان برائے نسبت می آرند[56]، از عالمِ آباد و نوشاد۔ یعنی ہرکہ کدخدا شد، گرفتارِ دامِ بلا شد۔ من مردے ام وارستہ، و چون برق ازین دانگہ جستہ، مرا باینہا چہ کار؟ برو کہ آدم درین امر ناچار است۔ بندہ نیز در ابتداے جوانی از شرابِ عیش مست بودم، آخر غیر از خُمار کہ رنجے[57] است، حاصلی ندیدم۔ چون خدای عزّ و جلّ ازین گرفتاری رہائی ام داد، خود را بمسمار دوختم و بسانِ شمع بر سرِ یک[58] پا سوختم۔ اکنون تودۂ خاکسترے بیش نیستم[59]۔ دل کجا کہ ہوس انگیزد[60]، دماغ کو کہ فقیر بہرِ تماشا برخیزد۔ ازین مشعلہا کہ ہمراہِ تو اند بوی فتیلہ می آید، تو کہ غزالی، عجب است کہ رم نکنی[61]، اگر فہم درستی داری بکُنہِ این نکتہ برس کہ اللہ بس باقی ہوس۔"

الحاصل آن پسر بخانۂ عروس در آمد، و این فقیرِ لااُبالی از شہر[62] بر آمد۔ در مدّتِ یک و نیم روز بہ اکبر آباد رسید، و بادلِ جمع در خانۂ خود واکشید[63]۔

حکایت[64] شوق وقتیکہ آن جوانِ گل رخسار، و آن سروِ تدرو رفتار، آگاہ شد

[51] ن ۲: حال۔ [52] ن ۲: مردم۔ [53] ن ۲ خیر خورد (محتمل [illegible] خورد بمعنی نان خورد باشد)۔ [54] ن ۱ ہمان شب کتخدائی۔ [55] ن ۱: خدارسی است۔ [56] مط: نسبت آرند۔ [57] ن ۱: کہ رنجیست ندارد۔ [58] ن ۲ یک پا ندارد۔ [59] ن ۲: نیست۔ [60] ن ۲ و دماغ۔ [61] ن ۲ نمی کند۔ [62] ن ۲ بشہر۔ [63] ن ۲: بخانۂ خود درکشید۔ [64] ن ۲: ندارد۔

که درویشِ دل آگاه شد، عروس را بخانه آورد، و آن جا آب هم نخورد، یعنی همان دم اشک ریزان، اُفتان[۵۱] و خیزان سر بصحرا نهاد، و قدم در تلاشِ اُو کشاد. هر کرا در راه میدید احوالِ درویش می پرسید. گاہے این طرف، گاہے آن طرف می شتافت، پاسنرے که از و نشان دہد، نیافت. ناچار آہے از جگر برکشید و گفت: "اے خضرِ راہ، چون منِ نابلد بے رہنمائی تو[۵۲] ہر طرف سرگردانم از طرفے برآ ــــ از خاک برگرفته باشی، اگر بدین اُفتادگی دستگیری نمائی. گنجے یافته باشم اگر درین خرابه بنظر در آئی. جیبے که گُل درد[۵۳] می انداختم چاک است، سرے که بر بالشِ ناز داشتم بر رُوِ خاک است. رحمے که پاے رفتنم کوتاہی ہمیکند، لطفے که جز آوارگی کسے ہمراہی نمیکند. وقت است از لطفِ بی پایان دریاب. خورشیدی آخر بر ذرۂ خود بتاب. چه واقع[۵۴] شد که آسودگی از من رُو بتافت[۵۵]. چه پیش آمد که آوارگی مرا دریافت. (لمصنفه[۵۶]):

سخت در کارِ خویش حیرانم

چه بدل خوردۂ من نمیدانم

چون گرد باد وحشت آماده ام، مگر از طاقِ دلت اُفتاده ام. ہر چند از کمپائی خود در آزارم، امّا ہنوز سرِ توقع میخارم. گر بدشتم آوارۂ راغم. ور بکہسارم سنگداغم. رخسارم که بر گُلِ نو نوا خوانی کردے، از تابِ آفتاب تفسیده. چشمم که بر غزال سیاہی زدے، قریب بسفیدی رسیده. تو آفتابی و من سایۂ اُفتاده[۵۷]، تو سوارِ دولتی و من پا پیاده[۵۸]. از ہر غبارے که بلند میشود منتظرِ تو میباشم. چون بچشم نمی آئی، ناچار از ناله گلو میخراشم. تو تمام اجزائی یعنی کاملی، از حالِ غافلان[۵۹] چرا غافلی. ناله میکشید و راہے میرفت. گاہی می ایستاد و گاہی[۶۰] میرفت،

---

[۵۱] ن ۲: واو ندارد.
[۵۲] ن ۲: بے رو نمائی تو.
[۵۳] ن ۲: در دگل.
[۵۴] ن ۲: واقعه.
[۵۵] ن ۲: بتافت و.
[۵۶] ن ۲: ندارد.
[۵۷] ن ۲: فتاده.
[۵۸] ن ۲: و من پیاده.
[۵۹] ن ۲: ناقصان.
[۶۰] ن ۲: ناله میکشید و گاہی میرفت و گاہی می ایستاد ناگاه.

کہ[۵۱] ناگاہ پیرے از پسِ پشت رُو نمود، و زبان بلطف و نرمی کشود کہ" اے جوان کرا میجوئی؟ و اینہا چیست کہ میگوئی؟ علی متّقی در اکبرآباد است، برو دست[۵۲] پاچہ مشو. چون این مژدہ بگوشِ اُو رسید، دلے کہ در سینہ قرار نمیگرفت تسلّی گردید. قدم بآرمیدگی در راہ نہاد لب بادِ اے شکرِ الٰہی کشاد.

شب درمیان داخلِ شہرِ مذکور شد. نشان جویان، نام پُرسان رسید، و[۵۳] بقدمبوس مُستسعد[۵۴] گشت. اشک شادی برخسارۂ[۵۵] اُو کہ رنگِ مہتابی داشت دَوید. رنجِ ناکامی براحتِ[۵۶] حصولِ کامے کہ در خیالش نبود انجامید. درویشِ جگرریش[۵۷] نظرے بر جمالش[۵۸] کرد کہ ہمان نظرِ پاک صاحب کمالش کرد. لطفی فرمود کہ بتحریر نمیگنجد، دلدہی کرد کہ بگفتن راست نمی آید. سرش در کنار کشید و از لطفِ بی اندازہ پُرسید کہ اے میرامان اللہ بسیار در آب و آتش[۵۹] بودی، یعنی گرم و سرد زمانہ آزمودی، غمِ جدائی اقران[۶۰] نخواہی خورد. خانمانِ من خانمانِ تو، من و غلامان ہمہ از آنِ تو. خنکی کہ طُرفہ دریائے بجوی خویش[۶۱] بستہ ای. شادی کہ چون سَروْ دامن بالا زدہ برجستہ ای. باید کہ دل جمع کنی، و دروازہ را برروی خودکشی چندے بخود فرو روی تا خدا را سُوے خود کشی.

(فائدہ) بشنو کہ وقت دلخواہ است، ونکتہ با دَر راہ. جامہ کہ عبارت از جسم باشد عاریتی است، لباسِ عاریت را پاک باید داشت و جان را کہ اشارت باُنسْت در بندِ این و آن نباید گذاشت. (لمصنّفہ[۶۲]):

پاسِ جان کُن، تن ندارد اعتبار
قالبِ خاکی مزارے بیش نیست

---

۵۱ ن ۲: کہ ندارد. ۵۲ ن ۲: در دست. ۵۳ ن ۲: واو ندارد.
۵۴ ن ۲: مستفید. ۵۵ ن ۲: برخسارد. ۵۶ ن ۲: پرداخت.
۵۷ ن ۲: دل ریش. ۵۸ ن ۲: حجابش. ۵۹ ن ۱: آتش و آب.
۶۰ ن ۲: اخوان. ۶۱ ن ۲: خود. ۶۲ ن ۲: ندارد.

خود را مبین[51] و در خود تأمّل کُن۔ نظر بر خدا دار و توکّل کن۔ نیازے بہم رسان کہ نماز دوام بکار نمی آید۔ گداختہ شو کہ دلِ بی گداز کارے نمیکشاید۔ بخود سپردن عیب است، کارہا را بخدا سپار، و از خود زبون ترے را ہم بدست کم بر مدار۔ غرور بدنمود است، زینہار زینہار ازو رو بگردانی۔ مشقِ نیازے کُن کہ بدل چسپیدنی بہم رسانی۔ تا توانی علائق را بر گردنِ خود[52] مبند بہ عبث خود را زیرِ این بار مپسند۔ دل از نقشِ غیر بپرداز[53]۔ تا خانہ را رُفت و رُوب نکنی قابلِ مہمان نشود۔ باموافق و ناموافق بساز تا آدم اخلاق پیدا نکند انسان[54] نشود۔ رفتنی باہمہ کس کُن[55] کہ ہمین مذہبِ درویش است۔ چون غریبان بسر بر، کہ رفتنی در پیش است۔ عالم پُرسگاہیست[56] آن جا رسمِ دیر ماندن نیست۔ عالمیان ماتمیان[57] اند برائے تسلّیِ ایشان دَمے بایست[58]۔ این دشتِ خونناک است[59] این جا مار د مور بَعَصا راہ میرود۔ در فکرِ زادِ راہ باش، کہ قافلہ ناگاہ میرود۔ خواہی کہ صحیح برآئی ازین[60] بیمار خانہ آب حکیمانہ بخور، طعام پرہیزانہ۔

(نکتہ) فقیر آنست احتیاج بچیزے کہ داشتہ باشد، نداشتہ باشد، وغنی آنکہ مملکتِ عدم بغیرِ خود[61] گذاشتہ باشد[62]۔ فقر بما می اُفتد" اَللّٰہُ غَنِیٌّ وَّاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ[63] " بدانکہ درین چمن یک گُلِ تراست امّا بہزار رنگ جلوہ گر است، یعنی یکی است[64] دلدار و جلوہ ہا بسیار۔

معشوق درحقیقت گر بنگری یکی است
ہر کس بجلوۂ دلِ خود شاد می کند

ہ۱ ن۲: بین۔
ہ۲ ن۲: خود ندارد۔
ہ۳ ن۲: پرداز۔
ہ۴ ن۲: آدم۔
ہ۵ ن۲: کن ندارد۔
ہ۶ ن۲: پُرسہ گاہیست این جا۔
ہ۷ ن۲: ماتمی۔
ہ۸ ن۲: دلی چاکست۔
ہ۹ ن۲: است ندارد۔
نلہ ن۲: این۔
للہ مط: بغیر از خود۔
۶۲ ن۱: باشد ندارد۔
۶۳ قرآن ۴۷: ۳۸ وَاللّٰہُ الغَنِیُّ وَاَنتُمُ الفُقَرَاءُ
۶۴ ن۲: یک است

یکی را ببین و یکی را بدان
یکی را بجو و یکی را بخوان

دوئی کجاست ز نیرنگِ احولی[۵۱] بگذر
کہ یک نگاہ میانِ دو چشم مشترک است

برو چیزے بخور و بخواب۔ کہ از گردِ راہ رسیدہ ای۔ پارا بفراغت[۵۲] دراز کن کہ محنتِ بیحد کشیدہ ای۔ بہ غلامے اشارت کرد کہ بالشِ نرم زیرِ سرش بگذارد[۵۳]، و خود را در ہیچ وقت از خدمتِ اُو معاف ندارد[۵۴]۔

حاصل کہ آن عزیز بہ فراغتِ دل میماند، و پدرم "برادرِ عزیز" ش میخواند صبح و شام بخدمتِ درویش آمدے و کسبِ کمال کردے۔ یک لحظہ از مراعات خاطرِ اُو غافل نمی بود۔ ہر روز درے از مقاماتِ درویشی برخش[۵۵] می کشود۔ باندک مدت فقیر کامل شد۔ کارش بجائے کشید کہ اگر چشمک زدے عجائبات نمودے، و اگر آستین افشاندے کرامت ظاہر شدے[۵۶]۔ اقرانِ اُو چون خبر[۵۷] یافتند مشتاقانہ از وطن شتافتند۔ ہمہ شش بہ رنجِ باریک مبتلا گشت و بعد از چندے ازین عالم بگذشت۔

القصہ آوازۂ درویشیِ این[۵۸] مرد بلند شد۔ خلق برو گرد آمدند۔ عزلت گزید و در ملاقاتِ مردم مصلحت ندید۔ چون سالے برین بگذشت پدرم گفتہ فرستاد کہ اکنون در فیض بر روئے عالمیان باید کشاد۔ شام کہ از حجرۂ خود برآمد باندازے کہ ملک ترآمد۔ درویش را سلام داد و

۵۱ ن ۲: [illegible] ۵۲ ن ۲: بفراغت تمام ۵۳ ن ۲: [illegible]
۵۴ ن ۲: [illegible] ۵۵ ن ۲: بر رخش ۵۶ ن ۲: [illegible]
۵۷ ن ۲: [illegible] ۵۸ ن ۲: آن۔

در قدم اُفتاد۔ گفت[1]: "اے سیّد عجب سکّہ دُرست مردی کہ سکّہ بزر کردی[2]۔ ہوس آدم را سگ رُوے تیخ مینماید، ونفسِ سرکن سرشخ۔ تو سنگِ قناعت بر شکم بستی وتمنا بر تمنا شکستی۔ ع

"این کار از تو آید[3] و مردان چنین کنند"۔

من دران آیام ہفت سالہ بُودم، باخود مانُوس ساخت و در گریبانم[4] انداخت۔ یعنی با مادر و پدرم نگذاشت[5] و بفرزندیِ خویشم برداشت۔ لمحۂ از خود جدایم نمیکرد و بناز و نعم می پرورد۔ چنانچہ روز وشب با اُوی[6] ماندم وقرآن شریف بخدمتِ او میخواندم۔

(نقل[7]) روزے برائے سیرِ جمعہ[8] بازار رفتہ بود[9]، نظرش بر پسرِ روغن فروشے اُفتاد۔ جوان چیربے[10] بُود، دل از دست داد۔ پاے ثباتے کہ داشت از پیش رفت، یعنی تاب نیاورد و از خویش رفت۔ چون روے دل ازو ندید، دست بر[11] دل بر گردید۔ ہر چند بضبطِ خود می پرداخت اما دلِ بیتاب باو نمی ساخت۔ دست بر دوشِ غلام داشتے تا قدم بر زمین گذاشتے۔ بدینسان راہ میرفت، باخود[12] میگفت[13]: "اے عزیز کسی این چنین بدمی بازد[14] کہ تو باختی؟ وخود را رُسوائے کوچہ و بازار ساختی[15]! یا آن عنان داری، یا این بے اختیاری! حرکتی کہ تو کردی از طفلے نشود، راہے[16] کہ تو رفتی کورے نرود۔ دل ہیچ چیزے نبوَد کہ کسی تواضعِ طفلِ تہ بازار کُند۔ دل تفتۂ کسی شدی کہ در آفتابِ گرم[17] بیرون نیامدہ۔ وارفتۂ شخصے گردیدی کہ در پیۓ دل گامے نرفتہ۔ این چشم گریان تر شود، گوئی کہ منتظر[18] بود، ہمین کہ دید بدل چسپید۔ واین دل تپان تر گردد، ہمانا کہ بہانۂ می جُست ہمین کہ دیدۂ من

---

[1] ن ۲: وگفت۔ [2] ن ۲: زدی۔ [3] ن ۲: واؤ ندارد۔
[4] ن ۲: بگریبانم۔ [5] ن ۲: نگذاشت ندارد۔ [6] ن ۲: بادے۔
[7] ن ۲: ندارد۔ [8] ن ۲: جملہ بازار۔ [9] ن ۲: بود ندارد۔
[10] ن ۲: خوبے۔ [11] مط: بدل [12] ن ۲: وباخود۔
[13] ن ۲: می گفت کہ۔ [14] ن ۲: میکند کہ تو کردی۔ [15] ن ۲: نمودی۔
[16] ن ۲: وراہے۔ [17] ن ۲: گرم از خانہ۔ [18] ن ۲: منظر۔

واشد تپید ـ چشم را تا کے نگہدارم[51]، از دل تا کجا خبر دارم ـ در جوانی چشم نکشودم اکنون بپیر افشانی نمودم ـ اگر خود را جمع میکنم دل از تپیدن قیامت می انگیزد، وگر بضبط میپردازم، اشک سیلاب سیلاب[52] میریزد ـ حیرانم کہ چہ سازم، و چہ تدبیر نمایم، تا این گرہ سخت از کارِ خود کشایم ـ چارہ بجز توجہ پیر[53] نمی بینم، ہر چہ بادا باد، میروم و می نشینم ـ بہمان حالتِ تباہے، در دیدہ اشک و برلب آہے، نزدیک بنمازِ شام دست بر دوشِ غلام، در صحبتِ درویش آمد ـ حاضران برائے اُو جا کُشادند ـ اشارت کردند تا در صدرِ مجلسش[54] جا دادند ـ گفت کہ : "اے برادر کجا بُودی ؟ امروز دیر تر روی نمودی ـ" عرض کرد کہ "برائے سیرِ جمعہ[55] بازار رفتہ بودم" ـ فرمود: "مگر نشنیدہ بودی (لمصنفہ[56])

مستمندِ[57] عشق میداند کہ سودا میکند

دیدنِ طفلانِ تہ بازار رسوا میکند

برو، از تاریکدانِ[58] خود تا ہشت شبانہ روز بیرون میا ـ و سرِ این داستان زینہار کُشا ـ حق تعالیٰ کریم است شاید کہ اُورا بیارد و تُرا عزیز نگہدارد ـ"

اتفاق چنین اُفتاد کہ ہنوز یک ہفتہ نشدہ بود، کہ شاگہ آن ماہِ دو ہفتہ از منزلِ خود برآمد، و بیتاب بر دکان نشست ـ یا دکانیے اِستادہ بود، پُرسید: "چہ حال داری؟ کہ امشب برنگِ دیگر بنظر می آئی ـ و بیقرار تری نمائی؟" گفت: "حالتے کہ می کشم نمی توانم برزبان آورد ـ امّا ترا آشنا میدانم، اگر با تو گفتہ شود مضائقہ ندارد ـ امروز روزِ ششم است کہ درویشے ازین راہ میگذشت ـ چشمش بر رعنائی من اُفتاد ـ ساختی بخود فرو رفتہ باستاد ـ من کہ بپیشِ خود بر پا بُودم[59]، ملتفت نشدم ـ ناچار دم سردے از دل گرم برآوردہ و رفت ـ حالیا صورتِ اُو از نظرم نمی رود، و خیالش از خاطرِ من[60] محو نمی شود ـ اگر بہ بیدارم

---

[51] ن ۲: نگاہ دارم ـ
[52] ن ۲: یک سیلاب ندارد
[53] ن ۱: توجہ درویشی
[54] ن ۲: در مجلس جا دادند
[55] ن ۲: جملہ بازار
[56] ن ۲: ندارد
[57] ن ۲: مستی (کذا)
[58] ن ۲: تاملدان (کذا)
[59] ن ۲: بودم ندارد
[60] ن ۲: خاطر

شوقش نمی گذارد، وگر در خوابم چشم برنمی دارد۔ چه سازم و[51] دل را بچه پردازم۔ نامش ازکه پرسم، نشانش ازکه جویم؟ راه[52] را بکجا برم غم را بکه گویم؟۔" گفت: "آن درویشے است نام برآورده۔ مردے است بخود نسپرده، خلقے بر آستانش رو نهاده، عالمی دستِ ارادت باو داده۔ برادرِ خُرد علی متقی که مشهورِ آفاق است، و در زیرِ این سقفِ منقش طاق۔ آستانهٔ او که خاکش تبرک میبرند بیرونِ شهر پناه، متصلِ عیدگاه است۔ همراهِ من بیا و از بندِ غم برآ۔" غرضکه آن مردِ کم بغل[53] جوان را بحضرتِ پدرم آورد۔ حقیقتِ حال شنیده گفت که: "آخر عشقِ بے پروا حیفِ بے پروائی گرفت، ایمار بفلاے کرد که برود[54]، و با برادرِ عزیز بگوید[55] که بیا مطلبِ تو ترا می جوید، هرگاه این اشارت مع البشارت[56] بآن جگرخسته در بروے خود بسته رسید، دست افشان و پای کوبان از کلبهٔ احزان بیرون دوید۔ نخستین سرِ نیاز را بپابوسِ پیر بر[57] افراخت، آنگاه دستِ شوق در بغلِ جوان انداخت، یعنی بکامِ دل در بر کشید و آن نخلِ مراد را بمرادِ خود دید۔ پیر[58] هر دو را[59] دست بسر کرد[60]، تا بطورِ خود بنشینند۔ چون صحبت درگیر شد، و سرِ حرف وا۔ درویش گفت که "اے جوانِ رعنا من نقیرام[61]، و دلِ بے مدعا دارم۔ وابستهٔ زلفِ خودم نخواهی دانست۔ خدا داند که سررشتهٔ دل درکجا بند است، و این جانِ سراپا[62] خواهش برائے چه آرزومند۔ زینهار بر خود نخبنی[63] و حرف بسرِ زلف نزنی، مبادکه کفِ افسوس کنی۔ درویشان اگرچه از دائرهٔ سپهرِ واژون بیرون اند، اما ایشان را بیک پرکار[64] نمی گذارند۔ یعنی احوالِ ما مردم مختلف است۔ برو که رنجے

---

[51] ن ۲: واو ندارد۔ [52] ن ۲: ره۔ [53] ن ۲: کم عقل۔
[54] ن ۲: برود۔ [55] ن ۲: بگو۔ [56] ن ۲: مع بشارت۔
[57] ن ۲: بر ندارد۔ [58] ن ۲: پیر ندارد۔ [59] ن ۲: را ندارد۔
[60] ن ۲: دید هر دو دست را بسر کرد تا بطور خود بنشینند۔ [61] ن ۲: من نقیرم۔
[62] ن ۱: همه خواهش۔ [63] ن ۲: نه چینی۔ [64] ن ۲: بیک کار۔

کشیده باشی ۔" گفت کہ[۵۱] "رنجے کشیدم لیکن گنجی یافتم ۔ جاروبکشیِ این آستان را شرف میدانم امیدکہ محروم نگذاری، و چشم لطف از من برنداری ۔ ہر صبح می آمد و می نشست ۔ کمرِ خدمت[۵۲] بر میانِ جان می بست ۔

یکے[۵۳] درویش درحالتی نشستہ بود، جوان بسرِ وقتِ اُو اُفتاد ۔ جوانِ عزیزش[۵۴] خواند، و برابرِ خود بنشاند ۔ نظرے درکارش کرد کہ بکامِ دل رسید، و بہمان لقب شہرۂ عالم گردید ۔ اکابرانِ شہر عزتش میکردند، مریدانِ خاص رشک بَرو میبُردند ۔ آخر برو حالتی طاری شد کہ بی دُہل رقصِ میدانِ معنی شد ۔ آرے چوں نظرِ درویشان[۵۵] اثر میکند، خاکِ ناچیز را زَر میکند ۔

حکایت[۵۶] درویش جگرریش، یعنی عمِّ بزرگوار، درہفتہ دو بار برائے دیدنِ فقیرے[۵۷] "احسان اللہ" نام، کہ بادشاہِ وقتِ خود بود، میرفت ۔ چار دیواری سیم گِل کردہ، بکمال پاکیزگی دربند، دیوار[۵۸] ہای بلند مشہور بہ "تکیۂ فقیر" آنطرفِ عیدگاہِ اکبرآباد داشت ۔ بر دروازۂ آن دل برشتہ این دو مصرعہ بزر نبشتہ :

خاطرِ آسودہ خواہی، راہِ آمد شُد ببند
چاک در پیراہنِ دیوار، از دستِ دَرا ست

ہرکہ درِ اُو را میزد[۵۹]، آواز میداد، خودش می آمد و لب بجواب میکُشاد کہ "احسان اللہ در خانہ نیست زود بَرو اینجا مایست[۶۰] ۔"

یکی عمِّ من[۶۱] قصدِ دیدنِ اُو کرد و مرا ہمراہ بُرد ۔ چوں نزدیک بدروازہ رسید ہمان جوابِ شنید، یعنی: "احسان اللہ درخانہ نیست ۔" این مرد گفت: "اگر احسان اللہ

---

[۵۱] ن ۲: کہ ندارد ۔
[۵۲] ن ۲: و کمر ۔
[۵۳] ن ۲: روزے ۔
[۵۴] ن ۲: بر و رشک ۔
[۵۵] ن ۲: نظر درویشان چون ۔
[۵۶] ن ۲: حکایت ندارد
[۵۷] ن ۲: فقیر ۔
[۵۸] ن ۲: بی دو دیوار ہا ۔
[۵۹] ن ۲: واو ندارد ۔
[۶۰] مط: مایست ۔ ولی اینجا ماییست فعل نہی از ایستادن درکار است ۔
[۶۱] ن ۲: من دیگرم ۔

نیست امان اللہ است۔" خندید و در را واکرد۔ جوانے دیدم سیر اندام، خورشید[1] سوار، ہیبتِ حق از جبہۂ[2] او نمودار۔ چادرِ یزدی بر سر۔ آفتابی[3] در کمر۔ چشمِ سرخش آبِ چشم از عالمی گرفتہ۔ شیر از عشقِ الٰہی بر درش خوابیدہ۔ مصافحہ بمیان آمد۔ در سایۂ اَراک بہ تپاک[4] بنشستند و احوالِ ہمدیگر[5] گرفتند۔ گفت کہ: "اے میر امان اللہ، من کہ در بروی[6] خود کشیدہ ام، آدمی بابِ صحبت ندیدہ ام۔ دل ترا بسیار می خواہد، تا نمی آئی میکاہد۔ بارے این پسر از کیست؟" گفتا: "فرزندِ علی متقی، و گریبان[7] انداختۂ عاصی است۔" فرمود کہ "این بچہ ہنوز سوزہ بال است، امّا چنین معلوم میشود، کہ اگر بخوبی پر بر آورد، بیک پرواز[8] آن طرفِ آسمان خواہد رفت، باین بابا بگو، بدیدنِ درویشان ہمّت برگمارد، کہ ملاقاتِ ایشان برکت بسیار[9] میدارد۔ پارۂ نانِ خشک در آب تر کردہ، بخوردِ من داد۔ طعامی باین لذّت نخوردہ بودم، ہنوز ذائقۂ من بیادِ او خمیازہ[10] میکشد، و مزۂ او فراموش نمی شود۔

(نکتہ)[11] گفت کہ:[12] "اے یارِ عزیز، معرفتِ الٰہی غزالِ وحشیِ این صحرائے پُرغبار است، و جسمِ آدمی مرکب و جانِ او شہسوار۔ اگر صید شد، از ضائع شدنِ مرکب چہ میرود؟ وگر مرکب رو بعدم کرد، و آن صید ہم رم کرد، حسرتی دست[13] بہم میدہد، کہ عذابی[14] الیم تر ازو نباشد[15]۔ عذابِ قبر عبارت از ہمین حال است۔"

(موعظہ)[16] "بیا و بگذر از غرور و ہوس۔ نفسِ شوم، سگیست[17] ہرزہ مرس[18]۔ اگر بگفتۂ

---

[1] ن ۲: سوال از۔ [2] ن ۲: جبہ اش۔ [3] ن ۲: برکمر۔
[4] مط: اراک بے تاک۔ [5] ن ۲: ہمدگر۔ [6] ن ۲: برروے۔
[7] ن ۱: و در۔ [8] ن ۲: پرواز بر آسمان خواہد رفت۔ [9] مط۔ بسیاری دارد۔
[10] ن ۲: ذائقہ اش خمیازہ می کشد۔ [11] ن ۲: ندارد۔ [12] ن ۲: کہ ندارد۔
[13] ن ۲: دست ندارد۔ [14] مط: عذاب۔ [15] ن ۲: نمی باشد۔
[16] ن ۲: موعظہ ندارد۔ [17] ن ۲: سگیست۔ [18] ن ۲: برس۔

اُو راہ رفتی[1] بر ریسمانِ او بچاہ رفتی۔ وگر[2] بخود کُشتی از خود بگذری، راہے بسرِ کوچۂ[3] آدمیت بَری۔ نادان قباحتِ طُولِ اَمل را در نمی یابد، عاقل از پے خود ریسمان نمی تابد۔"

(نکتہ[4]) "آسمان[5] خیمۂ شب بازی است، اشکالِ عجیب و صُور[6] غریب از پردہ برُون می آیند، و میروَند۔ این آمدن و رفتن باختیارِ شکل وصورت نیست۔ سررشتۂ کار بدستِ دیگرے بست۔ دل بدُنیا منہی کہ دنیازالِ بی حفاظیست، چون پدر از میان میرود بہمبسترِ پسر میشود۔ کسانیکہ اہلِ سیرت[7] اند، و غیرت دارند، مطلقاً روی توجہ باین نمی آرند۔"

(حرفہای فقیرانہ[8]) "شیخانِ ریائی، از راہِ خود نمائی، باین عمرِ کوتاہ کہ تا چشم بہم بیزنی[9] بپایان میرسد، خرِ خود را چقدر دراز بستہ اند؟ و در چار دیواریِ عناصر، کہ عبارت از دنیا باشد، و از سَرِ اُو زود باید برخاست، چون خشت چسان مربّع نشستہ اند[10]۔ بمعنی بی خبر و[11] بظاہر ہُشیار اند، یعنی از تۂ کار خبر ندارند۔ خلوتِ باصفای ایشان سراسر کدورت است، ملاقات باچنین مردم چہ ضرورت است؟ شایستۂ صحبت آن بینوایانِ برگ بندند کہ بارِ سایۂ درخت ہم برخود نمی پسندند۔ یا آن فقیرانِ برہنہ تن اند، کہ با خدا[12] در یک پیرہن اند۔ یا آن پہلوانانِ نطعی پوش اند[13]، کہ در جہادِ نفسِ اَمّارہ میکوشند۔ یا درویشانِ جگر ریش، بیگانۂ یار و خویش، سرہای نیاز بر خاک، چون آبِ روان پاک۔ شیرانِ این آجام، خونِ دل[14] آشام، بحر اَند و نمیجوشند، سَیل اند و نمیخروشند۔ خاک شویانِ سرکوچۂ محبت، نمد مویانِ بیابانِ وحشت، بندگان باخدا واصل، دُور گردانِ نزدیک بدل۔ دلدادگانِ جلوۂ یار، خاک افتادگانِ سایۂ دیوار۔ آشنایانِ بحرِ حقیقت، مجرّدانِ بادیۂ طریقت

---

[1] ن ۲: رفتی را۔ [2] ن ۲: اگر۔ [3] ن ۲: ...

[4] ن ۲: نکتہ ندارد۔ [5] ن ۲: حرف(کذا)۔ [6] ن ۲: صورت۔

[7] ن ۲: اہل شرم۔ [8] ن ۲: ندارد۔ [9] ن ۲: بہم زنی۔

[10] ن ۲: اند ندارد۔ [11] ن ۲: واؤ ندارد۔ [12] ن ۲: با خدا یک پیرہن۔

[13] ن ۲: "یا آن تا پوش اند" ندارد۔ [14] ن ۲: دل ندارد

آوارگان بمنزل رسیده. آفتابی از سایهٔ شان دمیده. خاک نشینانِ برفلک رفته، عزلت گزینانِ نام گرفته. آشفتگانِ دشتِ مهر و وفا، غنچهٔ چسپانِ[۱] گلزارِ حیا. سنگِ سخت بالینِ سَر، علامتِ شیدائی دربَر. سنگ بر شکم بندند، و ننالند[۲]. نانِ خود را بر شیشه نمالند. طعام لذیذ اگر دست دہد، بسوی اُو نگرایند[۳]. نانِ جوان[۴] را بنا نخورشِ پیر تناول نمایند. طُرفه زرد رخسارانند، نام برگشته بیمارانند. مزاجِ غیورے دارند برائے دیدنِ کسے کہ می میرند[۵]، بسوی اُو نمی بینند. در سر غرورے دارند تا تیغِ نازِ معشوق نہ نشانند[۶]، از پا نمی نشینند. محبوبِ حقیقی کہ متحد باُو بیند از کمالِ شوق روز و شبش میجویند. جنگ آورانند، کہ بہ ہفتاد و دو ملّت سر بسر کردہ اند. کیمیا گرانند، کہ خاکِ ناچیز را ہزار بار زر کردہ اند. متصرفِ آئین[۷] کارخانہ درویشانند، یعنی ہر چہ ہستند ہمیش[۸] ایشانند. آنچہ خواہی، دست بدعا افراشتہ میدہند، یعنی حاصلِ ہر دو جہان دست بر داشتہ میدہند. سخنِ درویشان بگو. ہمّت از ایشان بجُو. تا باشی، از ایشان باش یعنی از آنِ درویشان باش. راہِ دریاے لنگر دارِ حقیقت، کہ قفل است، کلید آن زبانِ ایشان. سجّادہ بر آب افگندن[۹] و بی اندیشہ رفتن تصرفِ ایشان[۱۰]."

چون شام خندید گفت: "اے یارِ عزیز، نمازِ مغرب رسید، اگر چہ دل نمیخواہد کہ ترا دل دہم، امّا پیش از غروبِ آفتاب و طلوع کہ وقتِ خضوع و خشوع است نمیتوان نشست، برو سلامِ من بعلی متّقی خواہی رسانید." دست بسر کرد و در را بَر بست.

عمِّ من از انجا کہ آمد، پیشِ پدر رفت و سلامِ فقیر گفت[۱۱]. ہر دو دست را بسر بُرد و فرمود کہ "دیدنِ احسان اللہ را[۱۲] احسان اللہ باید شمرد، میرفتہ باش و سلامِ من نیز

---

۱ ن ۲: چیپان.
۲ ن ۲: و ننالند ندارد.
۳ ن ۲: ننگرند.
۴ ن ۲: نان جوین.
۵ ن ۲: بمیرند سوی اُو.
۶ مط: نہ نشیند.
۷ ن ۲: آن.
۸ ن ۲: ہمہ.
۹ ن ۲: افگندہ.
۱۰ ن ۲: رفتن درویشان.
۱۱ ن ۲: گفتہ.
۱۲ ن ۲: را ندارد.

میگفتہ باش۔"

روزِ چہارم دستِ مرا گرفتہ باز بدرش رفت، و دستک زد۔ آواز داد کہ در خانہ نیستم، گفت "اگر نیستی، بارے کیستی کہ بہ خانۂ آشنائے من جا گرفتہ ای؟" خندہ کرد، و در را کُشاد۔ سعادتِ عجیبے دست بہم داد۔ یعنی[1] سخنانِ نغز شنیدم، و لطفِ بسیارے ازو دیدم۔

گفت "کہ[2] اے یارِ عزیز، عشق از روزے کہ مرا بر کار بستہ است، و نقشِ محبّت دُرست در دلم نشستہ، ہیچ چیز اینجا بچشمِ من نمی آید، و دل[3] مطلقاً بدنیا نمیگراید۔ تجرّد پیشہ ام، بے اندیشہ ام۔ اگر عالمے برہم خورد، جمعیّتِ خاطرم[4] پراگندہ نشود، و اگر آسمانے بر زمین بیاُفتد دلے کہ[5] دارم، از جا[6] نرود۔ ہرگاہ چشم می بندم، نظر برُوے کسے میکشایم کہ از گُلِ صد پَردہ نازک تر است، یعنی از نگاہِ گرم رنگ میبازد۔ چون[7] سر بگریبان فرو میبرم[8] تماشائی دلبرے میشوم کہ جلوۂ او از برق ہزار مرتبہ شوخ تر است، یعنی دمے با دلم نمیسازد۔ محشر خرامِ من، اگر خرامد، عالمی تہ و بالا گردد۔ بلند[9] بالائے من، چون قد برافرازد، قیامت برپا شود۔ خاکِ راہِ اُو شو، کہ سران را تاجِ سَر گردی[10]۔ پایمالِ اُو باش کہ سُرمۂ چشمِ اہلِ نظر گردی۔ دلے بہم رسان کہ اُو پسندد، جانے[11] پیدا کُن کہ باُو پیوندد۔ دست[12] بدستِ بہ از خودے دہ، کہ ازین[13] راہ این راہِ دور دست، دست بدست است[14]۔ زینہار دست بر سرِ دست مَنِہ، کہ چون دست و پا خشک شوند، راہ پست است[15]۔"

(نکتہ[16])" اے یارِ عزیز، مرگ عجب استحالہ ایست کہ در پیش است۔ از خصمانۂ

---

[1] ن۲: بے سخنانِ نو۔
[2] ن۲: کہ ندارد۔
[3] ن۲: دل ندارد۔
[4] ن۲: خاطر۔
[5] ن۲: کہ ندارد۔
[6] ن۲: از زمی۔
[7] ن۲: وچون۔
[8] ن۲: می برم۔
[9] ن۲: و بلند۔
[10] مط: شوی۔
[11] ن۲: وجانے۔
[12] ن۲: و دست۔
[13] ن۲: کہ درین راہ دور دست بدست است۔
[14] ن۲: آید۔
[15] ن۲: بپست است۔
[16] ن۲: نکتہ ندارد۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خود غافل مباش۔ یعنی خود را بچشمِ دشمن ببین، کہ دوستی ہمین است۔ حالِ جانِ ہشیار بعدِ مفارقتِ بدن حالِ مستے است مشتوق درکنار۔ چون آنجا تجددِ امثال نیست، پس از روزگارِ دراز آن مستی، کہ عبارت از لوثِ دنیا باشد، زائل شود، دفعۃً ذوقِ وصل را دریابد۔ وائے برحالِ جانِ ناآگاہ کہ ازین عالم دور اُفتد، و بآن عالم[1] نسبت نداشتہ باشد، متاسف[2] بماند۔ ہمین دو حال را عارف دوزخ و بہشت میخواند۔"

(موعظہ[3]) "اے یارِ عزیز۔ دل اگر درد خور است، در خور است[4]۔ غم اگر دل خور است، شایستہ تر است۔ دل محزون میجویند نہ شایستۂ طرب۔ جانِ دردناک میخواہند، نہ درمان طلب۔ روے نیاز بسوے اُو آر، کہ بی نیاز است[5]۔ کار ہارا باُو سُپار کہ کارساز است۔ پارا در دامن کش و توکل کُن۔ سر را بگریبان انداز و تامل کن۔ اگر جان بہ نیاز آید، عنقا است، دل اگر گداز شود، کیمیا است۔" (لمصنفہ[6]):

مدعا نایاب و راہِ جستجو دُور و دراز

پا بدامن، ہمنشین، ناچاری باید کشید

(نکتہ[7]): "اے یارِ عزیز۔ آن معشوقِ یکتا پیرہن، بہر رنگے کہ میخواہد، جامہ میپوشد، گاہے گُل است، و گاہے رنگ، جائے لعل است، و جائے سنگ۔ بعضی از گُل دل خوش میسازند، برخے با رنگ عشق میبازند[8]۔ جمعے لعل را معتبری دانند، جماعتے سنگ را خدا میخوانند۔ ہشیار کہ این مَقام مُزلۃُ الاَقدام[9] است۔ چشمے باید کہ بغیرِ اُو وانشود، دلے شاید کہ از جاے خود نَرود۔ دشمن و دوست ہمہ از وُست، کہ دلہا در تصرفِ اُوست۔ ہدایت و ضلالت ہر دو مَظہرِ اُویند۔ مست و ہشیار ہمہ اُورا[10] می جویند۔ محراب از ابروے اُو پیدا آمد، میخانہ از چشمِ او ہویدا[11] شد۔ مناجاتیان عبادت و طاعت گزیدند خراباتیان

---

[1] ن ۲: عالم ندارد۔ [2] ن ۲: بتاسف۔ [3] ن ۲: موعظہ ندارد۔
[4] ن ۲: درخواست ندارد۔ [5] ن ۲: است ندارد۔ [6] ن ۲: لمصنفہ ندارد۔ [7] ن ۲: نکتہ ندارد۔
[8] ن ۲: ببازند۔ [9] مط: منزلۃ۔ [10] ن ۲: اورا ہمہ۔ [11] ن ۲: پیدا۔

جام بر سر کشیدند۔ در محراب بقامتِ[1] خم باید شد و در شیرہ خانہ با حالِ درہم۔ یعنی مراعاتِ ہر شان لازم، و پاسِ ہر مرتبہ واجب۔

(نکتہ[2]) "اے یارِ عزیز۔ ہستیِ واجب، محتاجِ برہان نیست۔

ہر کہ برحق دلیل می گوید

بہ چراغ آفتاب می جوید

ہمین[3] کہ آفتاب برآمد[4] روز شد۔ اگر مالکے درمیان نباشد، فلک بیافتد، جبل نایستد، خور نتابد، مہ نشتابد، آتش نسوزد، ہوا نسازد، ابر نبارد، برق نتازد، آب نرود، گیاہ نشود، گل ندمد، چمن نخندد، ثمر نیاید، شجر نپاید۔ حق سُبحانہ[5] وتعالیٰ را کہ کریم می گویند نظر بر غلبۂ این صفت سر رشتۂ بندگی از دست نباید داد، کہ آنجا صاحبی است، وقتیکہ مینوازد، خاک را آدمی میسازد، دمیکہ بہ[6] بی نیازی پردازد، آدمی را خاک۔ پیغمبرِ ما، کہ درشانِ اوست لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ، تمام تمام[7] شب نماز خواندے، و اینہمہ ایستادہ ماندے، کہ قدمِ مبارکش آماس بہم رساندے، کسانیکہ میدیدند، میگفتند: "یارسول اللہ، چرا کار را برخود تنگ گرفتہ ای؟ تو آنی کہ عالمے را از بندِ غم وارہانی[8]"، متبسم شدے وفرمودے: "چہ باید کرد، عالم بندگی است"۔ اعزیزِ من، نسبتِ بندگی وصاحبی بسیار نازک است، بندگی پیش آر، کہ از روے صاحب شرمندگی نکشی۔"

سخن اینجا رسانیدہ بود، کہ جلودارے از صوبہ دارِ شہر رسید، و نیاز و التماس[9] نمودہ گفت کہ "نصرت یار خان برائے قدمبوس میرسد۔" فرمود کہ "خوش باشد ہرچند دہنِ ملاقاتِ فقیران ندارد، اما مرا از روے او شرم می آید، کہ بارہا برگشتہ رفتہ است۔ اگر این بارہم برود، خدا داند کہ باز ملاقات شود یا نشود۔"

---

[1] ن ۲: باقامت۔ [2] ن ۲: نکتہ ندارد۔ [3] ن ۲: ہمین۔
[4] ن ۲: برآید۔ [5] ن ۲: سبحانہ ندارد۔ [6] ن ۲: کہ ندارد۔
[7] ن ۲: بہ ندارد۔ [8] ن ۲: تمام شب۔ [9] مط، وا رہانِدی۔ [10] ن ۲: عرض نمود۔

چون بدروازہ رسید، از فیل فرود آمدہ دوید[1]، بسعادتِ پابوسی سر برآسمان[2] رسانیدہ، پنج اشرفی نذر گذرانید، وگفت کہ "خوش آمدی وصفا آوردی"۔ عرض کرد کہ "زہے طالعِ من کہ بخدمتِ شریف رسیدم، و روے مبارک را بکامِ دل دیدم۔" چون روے دل از فقیر دید رُو انداخت کہ گاہے بنگاہے[3] این روسیہ را باید نواخت۔ گفت کہ[4]: "دل قوی دار[5] کہ روے تازہ داری، یعنی خداے عزّوجلّ ترا اینجا[6] برروے کار آوردہ است، اغلب کہ آنجا ہم رُوسفید برآئی۔ بشکرانۂ[7] این نعمت رُو انداختگان را بنواز، یعنی رُو از سنگ[و] آہن مدار، و روے ایشان برخاک مینداز۔ از خدا رُو دار و برخود مپیچ[8]۔ درکارِ غربار روے کسے مبین۔ زینہار کہ از بیکسان رو متابی۔ مبادا کہ درعرصات[9] رُو نیابی[10]۔ حالا برو کہ این یارِ عزیز شیشہ جان و[11] نازک مزاج است، ومن در پاسداریِ این مرد لاعلاج صوبہ دار چون غریبانِ خاکسار پارۂ رُو برزمین مالیدہ[12]، آستانۂ فقیر را بکمالِ اعتقاد بوسیدہ و رفت۔

درہمان حال، پسرِ خوانندۂ[13]، سادہ روئے، مرغولہ موئے، عُودی رنگے، سرآہنگے، طنبور بردوش، حلقۂ زر درگوش، ازان راہ گذشت۔ نظرِ فقیر بران اُفتاد، اختیارِ دل بدستش داد۔ بہ عمِ من گفت کہ "این را بخوان و بنشان"۔ چون آن پسر[14] آمد، ونشست، خود بخود این شعر آمدی قُبلان[15] را در دوگاہ[16] کہ پردہ ایست مشہور، و بیگاہ منیخوانند، برخواند:

بیا کہ عمرِ عزیزم بجستجوے تو رفت
ز دل نرفتی وجانم درآرزوے تو رفت

---

[1] ن ۲: دوید و۔ [2] ن ۲: سرباسمان۔ [3] ن ۲: بیگاہے۔ [4] ن ۲: کہ ندارد۔
[5] ن ۲: دل جوی داری۔ [6] ن ۲: اینجا ندارد۔ [7] ن ۲: شکرانۂ۔
[8] ن ۲: مپیچن۔ [9] ن ۲: عرفات۔ [10] ن ۲: متابی۔
[11] ن ۲: واوٗ ندارد۔ [12] ن ۲: سودہ۔ [13] ن ۲: خواندہ۔
[14] ن ۲: جوان پسر آمدو۔ [15] مط: آمدہ قبلان۔ ن ۲: آمدہ فیلان۔ [16] ن ۲: درگاہ۔

فقیر را تواجُد دست بہم داد، و حَظِّ بسیارے برداشت۔ گفت کہ[1] "اے عزیز امشب پیشِ فقیر بمان و چیز ہا[2] را کہ میدانی بطورِ خود بخوان"۔ التماس نمود[3] کہ "سعادت و بَرجان منت[4]"۔ چون شام قریب بود، مارا رخصت کرد، و در را بربستہ بیادِ الٰہی بنششت۔ شنیده شُد کہ فقیر قصدِ نمازِ خفتن نموده، اشرفی ہارا زیرِ بالین گذاشت[5]۔ خوانندۂ سیہ دل دید، و[6] بعد از ساعتے ببازار رفت۔ کاسۂ شیرے، درو زہر داخل کرده، آورد، و بمبالغۂ بیش از بیش بخوردِ فقیر داد۔ بمجرّدِ خوردنِ شیر حالش دگرگشت[7]۔ دست و پا زدن آغاز نمود، یعنی زہر کارگر اُفتاد۔ آن بے چشم و روے نادرست، اشرفیہا را گرفت و گریخت۔ نصف شب آہ آہِ دلخراشِ فقیر، خواب از چشمِ ہمسایگان برداشت۔ مضطرب[8] دویدند مُحتضرش دیدند۔ کسان تلاشِ آن عیارِ طرّار بسیار کردند، چنان در پردۂ گلیمِ شب پنہان شد کہ بنظر کسی نیامد۔ چون شب بسر دست آمد، چشمِ فقیر بطاق افتاد و جانِ شیرین را بتلخی تمام داد۔ اعیانِ[9] شہر افسوس کنان پشت دست گزان، بر جنازۂ اُو حاضر شدند، و موافقِ وصیتش در "تکیۂ فقیر" بخاک سپردند۔ ہنوز آن مکان زیارت گاہِ عزیزان است۔ [illegible]

فلک زین گونہ خون بسیار کرد است

عزیزان را بسے آزار کرد است

آسمان خم تمنت[10]، عشوه ہای لاجوردی دارد، و نازہای شہرمزی۔ ہر روز[11] بخاک افتادگان می تپید۔ ہر شب[12] فتنۂ تازه می انگیزد۔ کسے را بزہرِ ہلاہل ہلاک می سازد و کسے را بتیغِ ستم بخاک می اندازد۔ مستانِ شوق را باید، کہ از گردشِ این ایمن نشوند، تا تخت [illegible][13] جاے خود نروند۔

---

[1] مط: [illegible]
[2] ن ۲: [illegible]
[3] [illegible]
[4] ن ۲: سعادت بر جان منت۔
[5] ن ۲: [illegible]
[6] [illegible]
[7] ن ۲: شد۔
[8] ن ۲: [illegible]
[9] ن ۲: [illegible]
[10] ن ۲: [illegible]
[11] ن ۲: بامداد۔
[12] ن ۲: خنده زنان فتنۂ تازه۔
[13] [illegible]

بایزید درویش

(حکایت[1]) عمرِ مرا ذوقِ صحبتِ درویشان، وشوقِ دیدنِ این جگر ریشان بیشتر بود. روزے از شخصے شنید که درویشے بایزید نام متصل "سرائے گیلانی" که بنایش سیلاب بآب رسانیده بود[2]، در یکی از حجره های اُو، که چون دلِ عاشقان هزار ره دارد، اُفتاده میباشد. دیدنی است. چون ازو نشانِ درویش یافت، دلش را آرزو گرفت و همه چیز از فکر اُفتاد. مرا از سر وا کرده، بسُرعت تمام رفت. جوانے دید[3]، بلند بالا، باکمالِ استغنا. ملکے واردِ این عالمِ نَی نَی، عزیزتر از جانِ آدم. بالش از سنگ، بستر از خاک، هر ساعت مُهیّاے بلاک. شکسته دل و گشاده رُو[4]، برشته جان و فتیله مُو. دلداده، خاک اُفتاده. خود را بخدا سپُرده. راهے بکامِ دل بُرده. اگر خوش چشمے[5] از پیشِ اُو رفتے، بالاے چشمت ابرو نگفتے[6]. باکسے برنخوردے، به بیکسی بسر بُردے. چشم را اکثر اوقات بسته میداشت، و دل[7] را بے یادِ حق نمیگذاشت. نان را برغبت ندیدے. آب را از گلو بُریدے. باریک بین و مشکل پسند. در لباسِ قلندرانِ برگ بند[8]. پُرسید که "چه نام داری و از کجائی؟ دردمند و عاشق پیشه مینمائی." گفتا: "اینجائی ام. و میرامان الله نام دارم." گفت: "بنشین که باتو دمے[9] چند خوش برآرم." میگفت که چون[10] زبان بازی بمیان آمد، سر کرد که: "اے عزیز راه ها بُریدم. رنجها کشیدم. از خود رمیدم، در کوچه ها دویدم، چون ابر ایستادم، چون برق اُفتادم، عمرے سرگردان[11] شدم. مدتے دل پریشان شدم. چندے با چشمِ تر گشتم، آوارهٔ دشت و در گشتم. شبها نخفتم، روزها نگفتم. دستے در دامنِ امیران زدم. سرے[12] بر دروازهٔ فقیران زدم. تا آن شوخ چشم را بر من گذرے اُفتاد، و[13] بحال دگرگون گشتهٔ[14] من نظرے کرد.

---

[1] ن ٢: ندارد. [2] ن ٢: بود ندارد. [3] ن ٢: دید ندارد. [4] ن ٢: کشاده ابرو.
[5] ن ٢: چشمے ندارد. [6] ن ٢: بالاے چشمک نگفتی. [7] ن ٢: واو ندارد.
[8] ن ٢: برگ بپوشیده. [9] ن ٢: دم. [10] ن ٢: که ندارد. [11] ن ٢: سر کرد این.
[12] ن ٢: وسر. [13] ن ٢: واو ندارد. [14] ن ٢: گشته ام نظر کرد.

دیر بر سرِ آن غزالِ دُور گرد آمد مرا
از تپیدنہای دل، پہلو بدرد آمد مرا

اگر میخواہی کہ در زُمرۂ سختی کشانِ اُو باشی، باید کہ دل از آہن و جگر از سنگ تراشی[1]۔"

(سخنانِ غریب[2]) "اے عزیز۔ اگر آن محبوبِ سراپا ناز، پیشِ چشم است، بہشتِ جاوید[3]۔ و اگر از نظر رفت ہمان دوزخِ عاشقِ نا اُمید۔ بدانکہ ثمرِ کلافہ پیدا نمی شود، یعنی بر ما ہیچ ہویدا نیست۔ نمیدانم کہ زاہدانِ ریاضت پیشہ چہ در سر دارند، و بیخودانِ شوقِ آن مستِ سر انداز، از کہ خبر۔ جمعی را خلشِ خواہشے۔ جماعتے را کاوشِ کاہشے۔ کسانیکہ حق شناس اند، مُبَرّا از اُمید و یاس[4] اند۔ عزیزانیکہ با خدا[5] اند، دلدادگانِ رضا[6] اند۔ جانِ عاشقان را کہ تلخی کار است، خونِ ایشان شیرین بسیار است۔ رنج را[7] بر خود گوارا کن، تا شایانِ راحت شوی۔ کار را بسیار با خود[8] تنگ[9] بگیر، تا بفراغت رَوی۔ دل برداشتن ازین عالم خوب است۔ اگر معرفتِ حق[10] میسّر نشود، این ہم خوب است۔ عمارتِ[11] دنیا در گر دیدنی[12] است، بناے این بر وہم گذاشتہ اند۔ طاقِ آسمانِ نیلی اُفتادنی است، در ہوایش مُعلّق داشتہ اند۔ اگر بمقصود رسیدنی خواہی، در [illegible] راہ کن۔ [illegible] چہ از دست کوتہ خدمتت بر آید للّٰہ کن[13]۔ اگر آشناے دریاے تہ دارِ حقیقت نمی توانی شد [illegible] بر کران باش۔ یعنی اگر دفعتہ[14] بر مُدنِ خود قادر نیستی، آمادۂ دادن [illegible] دیر و مسجد وارہان۔ یعنی با خدا باش [illegible] ہمان۔"

فائدہ[15] "عارفان دو گروہ اند۔ مردمِ یک جماعت [illegible]

---

[1] ن ۲: تراشی۔ — [2] ن [illegible] — [3] [illegible]
[4] ن ۲: اُمید و یاس شدہ۔ — [5] [illegible] — [6] ن ۲: [illegible]
[7] [illegible] — [8] [illegible] — [9] ن ۲: [illegible]
[10] ن ۲: حق [illegible] — [11] ن ۲: [illegible] — [12] ن ۲: [illegible]
[13] ن ۲: رد کن۔ — [14] ن ۲: [illegible] — [15] [illegible]

ندارند۔ یعنی حیرانِ تازہ کاریِ آن صنعت گرِ پُرکار اند[1]۔ دیدہ اند، آنچہ دیدہ اند۔ فہمیدہ اند، آنچہ فہمیدہ اند۔ مردمانِ جماعتِ دیگر را چون بادام زبانِ مغزدار است، یعنی ہر یکی زبان دانِ چشمِ سخنگوی دلدار است۔ ہرگاہ شرحِ طرزِ دیدنِ او[2] میکند، ہزار رنگ لب میکشاید کیفیتِ مژگان بہم زدنش بصد[3] زبان ادا مینماید۔ چنانچہ کمالاتِ آن مستِ ناز از حدِ شمار افزون۔ کلماتِ این بی اختیار ہم از حیزِ بیان بیرون۔"

اوّل صحبت بود[4]، زود برخاست۔ رنجِ فقیر زیادہ برین نخواست۔ پیشِ پدرم آمد، و احوالِ او ہمگی بیان نمود۔ او گفت[5]:

ہر گلے را رنگ و بُوئے دیگر است

درویشانِ اہلِ بخیہ کجا بہم میرسند۔ اکثرش میدیدہ باش۔"

یکی بعد از نمازِ پیشین قصدِ دیدنِ او کرد و مرا ہمراہ بُرد۔ درویش بہ عنایتِ تمام برخواند[6]، رو باروے خود بہ عزت بنشاند۔ چون خورد سال بودم، رو بعمِ من کرد و کلاہ از سرم برداشت، یعنی متفحصِ احوال شد، التماس نمود کہ فرزندِ علی متقی است۔ گفت: "چہ پرسیدنست[7]؟ پدرِ این بابا مردیست کلان کار۔ دانائے اسرار۔ خورشیدِ آسمانِ درویشی۔ مشہورِ جہان، جانِ درویشی۔ دریائے است کز[8] گوہرِ تر بُرون می آید۔ ما فقیران کنارِ خشک داریم، از ما چہ میکشاید۔ اے پسر بعد از نیازِ من خواہی گفت، کہ کوتاہی از شوقِ بے پایان نیست۔ شکستہ پائی کو چہ نمیدہد۔ وز بختِ کم مدد نیز[9] گذر نیست۔ میخواہد کہ از این[10] خرابہ سر بیرون نہ نہد۔ تو قلندرِ مضبوط الاحوال، من بہ نسبتِ[11] تو کوچک ابدال۔ در حقِ چون من بے سر و پائے، بشرطِ مساعدتِ وقت دعائے۔"

طرحِ سخن بطورِ دیگر انداخت۔ عمِ بزرگوار را مخاطب[12] ساخت کہ "اے عزیز۔ ہمہ گوش

---

[1] ن۲: است۔

[2] ن۲: او ندارد۔

[3] ن۲: را بصد۔

[4] ن۲: بود ندارد۔

[5] ن۲: او ندارد۔

[6] ن۲: برخواندہ۔

[7] ط: پرسیدنت تصحیح از ن۲۔

[8] ن۲: از۔

[9] ن۲: نیز ندارد۔

[10] ن۲: این۔

[11] ن۲: کہ نسبت۔

[12] ن۲: مخاطب بخود۔

شو وسخنِ فقیران بشنو۔"

سخنانِ درویش

(نکتہ[۱]) " عبادتِ ما برائے ماست۔ آنجا خدائی است، کرا پروا است۔ طاعتِ ما این ہمہ نیست کہ برخود بچینیم، و بر و تکیہ کردہ بنشینیم۔ اگر بپذیرند[۲]، احسان بہشت کنند[۳]، ما بندہ ایم۔ ور بحساب نگیرند، جز این نمیتوان گفت کہ شرمندہ ایم۔ اینکہ نفس تُرا چیزے قرار دادہ، شومیِ محض است۔ چون خوب بکُنہِ خود رسی، محرومیِ محض۔ آن سروِ[۴] ناز مائلِ رنگین، فتنِ خود است، و جلوۂ اُو بہزار رنگ سرگرم آمد شد۔ چہ گمان بُردہ ای، چہ قرار دادہ ای؟ چہ خیال کردہ ای، چہ بدل نہادہ ای؟ گاہے گل در آب[۵] می افگند، گاہے گُل بر سرِ خاک میزند۔ زینہار کہ دل شکنی کسے نکنی، و سنگِ ستم بر شیشہ[۶] نزنی۔ دل راکہ عرش میگویند ازین راہ است کہ منزلِ خاصِ آن ماہ است۔

بیازارم زخود ہرگز دلے را
کہ می ترسم درو، جاے تو باشد

(نکتہ[۷]): " اے عزیز۔ آن محبوب محبت دوست است، یعنی با عاشقان سرے دارد، و باآن بے پروائی بحالِ ایشان نظرے۔ چون مراقب میگردند، در دلِ ایشان جلوہ گر است [illegible] چشم می بندند در پیشِ نظر۔ از ہر در کہ میخواہند می آید۔ بہر رنگے کہ میخواہند[۸] درمی [illegible] انقباض و انبساط وابستہ بحالِ ایشان است۔ اگر خوش میشوند، گرفتگی از جبین [illegible] محزون میگردند غنچہ وا میشود۔ اما طورِ ایشان از راہ و روش بیرون، بشوق در آغوش و دلہا ہمہ خون۔ گاہے متفکر، گاہے متحیر، قرار نمیگیرند، تسلی نمیشوند۔ [illegible] خواہند، خواہشے ندارند و میگویند۔ نشنیدہ ای؟

حکایتِ تمثیلی[۹]

[illegible] در عہدِ موسیٰ[۱۰] علیہ السلام خشک سالی [illegible][۱۱] [illegible]

۱ [illegible]
۲ [illegible]
۳ [illegible]
۴ [illegible]
۵ [illegible]
۶ ن ۲: [illegible]
۷ ن ۲: بپذیرند
۸ ن ۲: [illegible]
۹ [illegible]
۱۰ ن ۲: وقت۔
۱۱ [illegible]
۱۲ [illegible]
۱۳ [illegible]

گفتند کہ یا موسیٰ[1] در جنابِ احدیت عرض کن کہ باران نمیبارد۔ خلقِ عالم تابِ تعب ندارد۔ مُفت ہلاک میشوند، و بر بادِ فنا میروند۔ موسیٰ علیہ السّلام بر طُور رفت۔ عرض[2] داد، خطاب آمد کہ کلک[3] خسپِ پریشان گوئے دارم کہ[4] در فلان گلخن اُفتادہ میباشد[5] ماگپ زدنِ اُو خوش داشتیم از چندے رُو بآسمان نمیکند، و بطورِ[6] خود حرف نمی زند۔ نزولِ باران موقوف بر واشدن اُوست۔" چون ازان جناب این جواب شنید، بسوے ہمان گلخن شتافت۔ بارے آن پلاس پوش[7] را دریافت۔ مردے دید بالاے تودہ، خاکستر، گلیمِ سیاہے در بر۔ از سر تا پا ہمہ ذوق، مستغرقِ دریاے شوق۔ یکہ بیتِ دیوانِ تجرید فردِ اوّلِ جریدۂ تفرید۔ مجرّد دوچار شدن زبان بکشاد کہ "یا مُوسیٰ گذرت بر مزابل از چہ اُفتاد؟ بچہ دل نہادہ ای کہ اینجا اُفتادہ ای۔" گفتا کہ "اِمساکِ باران است، کارے از دستِ[8] دعاے کس نمیکشاید زندگانی دشوار مینماید۔ روے نیاز بجنابِ پاکِ حق بُردہ بودم، چنین ظاہر شد تو کہ سُکوت اختیار کردہ ای اِنقباض است۔ تا بعادتِ قدیم سخن سَر نکنی، اَبر را باد نیارد[9]، و بارانِ رحمت نبارد۔ خدارا، دَمے رُو بآسمان بنشین، چیزے بگو، و این بلا را بر چین۔" گفت: "اے مُوسیٰ تو آن[10] فریبندہ را نشناختہ ای، و[11] بطورِ من دل را در راہِ او نباختہ ای[12]۔ عبارتِ آن[13] طرّار کنایہ ہا میزند۔ اِشارتش دل بصد جا می افگند۔ استغفراللہ من بگفتۂ او کے راہ[14] میروم۔ امّا اگر پاسِ رسولِ اُو، نکنم، کافر میشوم کہ گفتہ اند ع

با خدا دیوانہ باش و با نبی ہُشیار باش

غرض[15] کہ آن مقیدِ عشقِ مُطلق و آن حیرتیِ کمالاتِ حق، رو بفلک کرد و بساطِ سخن را بطورِ

---

[1] ن ۲: کہ یا ندارد۔ [2] ن ۲: و عرضہ داد۔ [3] مط: کلل خسپ۔ ن ۲: کمال خسپ۔ [4] ن ۲: کہ ندارد۔ [5] ن ۲: می ماند۔ [6] ن ۲: بوضع۔ [7] مط: پلاش شوق ن ۲: بلاکش شوق۔ [8] ن ۱ و ۲: دست ندارد۔ [9] ن ۲: نکنی باران نبارد و ابر را باد نیارد خدارا۔ [10] ن ۲: ازان۔ [11] ن ۲: واو ندارد۔ [12] ن ۲: نیافتہ۔ [13] ن ۲: عبارت از طنز و کنایہ می زند۔ [14] ن ۲: براہ۔ [15] ن ۲: غرض آن۔

خود گسترد کہ "اے سراپا فریب، واے دشمنِ شکیب، پیش ازین ابر و باد و باران مسخرِ تو بودند، اکنون حکم کشِ من اند[۵۱] کہ اگر من خواہم گفت باد خواہد وزید[۵۲] و ابر خواہد آمد، بارش خواہد شد۔ بلے حق بر طرفِ تست۔ ترا دخلے نیست، متصرفِ این کارخانہ منم۔ بیا این فریبندگی[۵۳] را بگذار و بر حالِ خلائق رحم آر۔"

دو سہ بار ازین قسم سخنانِ پریشان گفتہ بود کہ ناگاہ بادے وزید و ابرِ سیاہے سفید شد۔ سیلاب سیلاب[۵۴] بارید۔

"اے یارِ عزیز۔ کدام معشوق این قدر پاسِ عاشق میکند۔ حیف است اگر تعلق بدو نگیری۔ و در طلبِ آن سرمایۂ جان نمیری۔ دل اگر برائے او خون شود بہتر، جان اگر در راہِ او رود خوشتر۔ محوِ او برنگے شو کہ برنگِ او برآئی۔ بطریقے گم کن[۵۵] (؟) کہ باز رونمائی۔ رباعی[۵۶]:

نے دل بخیالِ زلف و رو باید داد
نے جان بہواے رنگ و بو باید داد
اینجا دل را چہ قدر، و جان را چہ محل
خود را ہمہ او[۵۷] کردہ باو باید داد

درین حال وقتِ نمازِ عصر[۵۸] رسید، برخاستیم، و باو[۵۹] نماز گذاردیم۔ بعدِ فراغ رو بمشرق نشست و گفت: "اے میر امان اللہ، امروز چیزے خوردہ ام کہ نخوردہ بودم، و دستِ چنین طعامے نکردہ بودم۔" غمِ من قدرے[۶۰] گستاخ شدہ بود، گفت[۶۱]: "اے درویش مبالغہ[۶۲] را حدے و تکلف را نہایتے است۔ قامتت از[۶۳] بارِ فاقہ باخم است، و سنگِ قناعت بر شکم۔ برائے

---

۵۱ ن ۲: کہ ندارد۔ ۵۲ ن ۲: واؤ ندارد ۵۳ ن ۲: فریبندگی را

۵۴ ن ۲: سیلاب بارید۔ ۵۵ مط: گم کرد۔ ن ۲ گم کرد کر۔ ۵۶ ن ۲: ندارد

۵۷ ن ۲: رو۔ ۵۸ ن ۱: نماز مغرب، ن ۲: عصر ندارد

۵۹ ن ۲: با او۔ ۶۰ ن ۱: با جان

۶۱ ن ۲: گفت کر۔ ۶۲ ن ۲: را ندارد۔ ۶۳ ن ۲: قامت۔

یک دمِ آب استخوان می شکنی[1]۔ نانِ گربہ را بہ تیر می زنی۔ ہر روز برائے مرگ آمادہ ای۔ با صد[2] خرابی درین خرابہ اُفتادہ ای۔ کجا طعامِ لذیذ و کجا تو۔ از دہنِ خود زیادہ مگو۔" گفت: "واللہ کہ[3] من زیادہ پَر و سُبک پا نیستم۔ جائیکہ احتمالِ دروغ باشد نایستم۔ بشنو کہ از صبح آتشِ جوع زبانہ میکشید، و نفسِ شوم چون سگِ پا سوختہ میگردید۔ یعنی میخواست کہ بشہر بروم و پیشِ کس و ناکس سائل شوم۔ بارے سنگ زیرِ[4] سر گذاشتم و غیرت خود را بزور[5] نگہداشتم۔ یکایک موشے نیم نانِ خشک در دہن گرفتہ برآمد، و درین حجرۂ شکستہ تر از دلِ عاشق درآمد[6]۔ من کہ بمعنی شیرِ شرزہ بودم، و بظاہر از فاقہ کشیہا گربہ لادہ، چون مرا دید، آن نیم نان را انداختہ گریخت[7]۔ نصف دل خوش برفاستم، و برداشتم، آبے میسر نبود کہ پاکش کنم۔ منتظرِ خضرے[8] نشستم۔ بعد از ساعتے آواز سقّائے بگوشم خورد، کوزۂ دستہ[9] شکستۂ خود را بُردہ آب آوردم و آن نیم نانِ خشک را شستہ تر کردم و خوردم۔ خدا شاہد است کہ لذتِ نعیمِ بہشت میداد۔"

"عزیزِ من۔ درسخنِ درویشان تصنّع و تکلّف نمیباشد۔ ایشان شاگردِ چرخِ دولابی نیند کہ اگر صد کوزہ بسازد یکی دستہ ندارد۔ درصحبتِ این طائفہ شیشہ بند کردن سنگ بدل[10] زدن است۔ زبان را نگہ باید داشت کہ شکرآبِ[11] ایشان شربتِ شہادتِ بے ادب میشود۔"

عمِ بزرگوار از خطاب[12] خجالت کشید، و عذرِ ہرزہ چانگی خواست[13]۔ چون تنبیہ[14] یافت، برسرِ عنایت آمد[15] و گفت کہ "اے عزیز۔ من تُرا از جان عزیز تر دارم، این قدر تنبیہ ضرور

---

[1] ن ۲: نمی شکنی۔ [2] ن ۲: باچند۔ [3] ن ۲: کہ ندارد۔ [4] ن ۲: درزیر سر۔
[5] ن ۲: بزور ندارد۔ [6] ن ۲: درآمد۔ آن نیم نان را انداختہ گریخت من کہ بمعنی شیرا لخ۔
[7] ن ۲: چون مرا دید ... تا گریخت ندارد۔ [8] ن ۲: نقیرے۔
[9] ن ۲: کوزہ ... تا خوردم۔ ندارد۔ [10] ن ۲: بر دل۔ [11] ن ۲: سکرات۔
[12] ن ۲: خطاب از۔ [13] ن ۲: نمود۔ [14] ن ۲: متنبہ۔ [15] ن ۲: آمدہ گفت۔

بود کہ جامہ[1] بیجا زدن از ادب[2] درویشی دُور است۔"

ہمدران ہنگام شب افتاد،[3] رخصت خواستیم[4]۔ گفت: "خدا برو۔"[5]

ازانجا کہ آمدیم بخدمتِ شریفِ پدر رفتہ، سلام و پیامِ فقیر رسانیدیم۔ گفت[6] کہ "عنایتِ ایشان۔ اگر باز باعمِ خود بروی، البتہ نیازِ من ہم برسانی۔"

(صحبتِ سوم[7]) بخدمتِ او رسیدیم۔ دیدیم کہ بے حضور[8] است، و بیک پہلو افتادہ آہ آہ میکند۔[9] چون عمِ مرا دید، دم سرد کشید و پیش خواند، و این بیتِ شفائی[10] بر زبان راند:

پرستارے ندارم بر سرِ بالینِ بیمارے
مگر آہم ازین پہلو بآن پہلو بگرداند

پرسید کہ[11] "چہ حالت است۔ کہ اینقدر ملالت است؟" گفت: "اے عزیز، سینہ ام بحدّے میسوزد کہ گوئی در درونِ من کسی آتش می افروزد۔ نالہ کہ میکشم زبانہ[12] آن آتش است آہے کہ میکنم لائحہ ہمان شعلۂ سرکش۔

من نمی دانم کہ دل می سوزد از غم یا جگر
آتش افتاد است درجائے و دودے میکند

اگر مرگ بفریادِ من رسد خوش بہشتے است، وگرنہ دوزخے است کہ نتیجۂ عملِ زشتے است۔ اکنون باربستنِ جان فتوح است، کہ آمد و رفتِ دم سوہانِ روح است۔ شب بخوابم و[13] روز بیتابم، چہ سازم، بچہ پردازم، کہ تا بمیرم قرار بگیرم[14]۔

روزے[15] بشب کنم بصد اندوہِ سینہ سوز
شب را سحر کنم بامیدِ کدام روز؟

---

[1] ن ۲: جامہ۔ [2] ن ۲: آداب۔ [3] ن ۲: روز تمام شد و شام افتاد۔
[4] ن ۲: خواستم۔ [5] ن ۲: جلد برو۔ [6] ن ۲: دوم۔ [7] ط: سیوم۔
[8] ن ۲: بحضور۔ [9] ن ۲: آہ میکند۔ [10] ن ۲: حکیم شفائی۔ [11] ن ۲: کہ ندارد۔
[12] ن ۲: نالہ میکشم کہ زبانہ۔ [13] ن ۲: واو ندارد۔ [14] ن ۲: کنم۔ [15] ط: روز۔

بادے کہ میوزد دامن بر آتش میزند آبے کہ میخورم کارِ روغن میکند۔ دوائے مناسب مناسبتے ندارد۔ تدبیر[1] موافق موافقتے نمیکند۔ اگر با غم بسری، از سوزِ درون ناخوشم۔ و ربعانم بنیاذی من ہمان در آتشم۔ کاش سینۂ من بشگافند[2] و دل و جگر را زود برآرند۔ یا مرا ازینجا برند و زندہ بزیرِ خاک بسپارند[3]۔"

القصہ، احوالِ آن دل[4] سوختۂ جگر کباب، تا بزوالِ آفتاب بہمین[5] یک و تیرہ بود۔ گاہے دست بدیوار[6] دادہ می ایستاد، گاہے[7] می نشست و می اُفتاد۔ گاہے چشم میکشاد و نومیدانہ می دید۔ گاہے چون ماہیِ بے آب می تپید[8] ناگاہ از زبانِ من شنید کہ وقتِ نمازِ ظہر[9] رسید۔ بخضوع و خشوع سجودے برد[10] "سبحانَ ربیّ الاعلیٰ[11]" گفت و بمرد۔

آتشِ عشقش لبے را سوختست
لیک زین سان کم کسی را سوختست

عمِّ بزرگوار[12] با چند غلام بہ تجہیز و تکفینِ او بپرداخت و در ہمان حجرۂ شکستہ تر از دلِ عاشق، مدفون ساخت۔ از شنیدنِ این خبر، جنابِ پدرم پشتِ دست گزید و گفت کہ "آدمی رُوشے اینچنین دیر پیدا میشود۔ صد حیف کہ زود رفت۔"

نقل[13] شبے در خوابِ عمِّ من آن دل سوختۂ ازجہان رفتہ می آید[14] و میگوید: "دیدی کہ عشق چہ آتشی در من زد و چسانم سوخت[15]۔ چارۂ کار[16] جز مرگ نبود۔ چون بیتابیِ جانِ مرا دیدند، در بحرِ امواجِ رحمتم انداختند، و با گوہرِ مقصود ہمکنارم ساختند۔ یعنی تسلّی گردیدم و آرام گرفتم۔ و بکامِ جان از آن نگارِ بہشت رُو کام گرفتم۔" از دیدنِ این واقعہ[17]

---

[1] ن ۲: و تدبیر۔
[2] ن ۲: واؤ ندارد۔
[3] ن ۲: سپارند۔
[4] ن ۲: دل ندارد۔
[5] ن ۲: ہمین۔
[6] ن ۲: بردیوار۔
[7] ن ۲: وگاہے۔
[8] مط: طپید۔
[9] ن ۲: نماز و ظہر۔
[10] ن ۲: نبود۔
[11] ن ۲: سبحان اللہ علی۔
[12] ن ۲: بزرگ۔
[13] ن ۲: ندارد۔
[14] مط: آمد۔
[15] ن ۱ و ن ۲: جانم۔
[16] ن ۲: کارِ من۔
[17] ن ۱: واقعۂ حیرت فزا۔

وحشتے[1] در مزاجِ شریفِ اوْ پیدا آمد۔ مدّتے باکس اُنس نگرفت۔ اکثر اوقات میگفت کہ" بایزید عجب سوختہ جانے بود، داغِ جدائیِ او کہ[2] برجانِ[3] نست،"تا زندہ ام سیاہی نخواہد افگند"۔ برسبیلِ حکایت این خواب را بخدمت پدرم[4] نقل کرد گفت: چہ عجب کہ حق تعالیٰ کریم مطلق است۔ نشنیدہ ای

حکایتِ تمثیلی[5]

کہ[6] عارفِ نامی بایزید بسطامی ہمسایۂ دیوار بدیوارِ ترسائے بود[7] و از چہل سال با او آشنائی داشت۔ او ہر سحر تختہ میزد، و[8] این میگفت کہ اے ترسا از این تختہ زدن درِ فردوس بروے[9] تو باز نخواہد شد۔ اگر نجات میخواہی بیا اسلام قبول کن۔" یکے بخاطرش رسید کہ بایزید آدمے سہل نیست: چہل سال است کہ دعوت اسلام میکند خالی از چیزے[10] نخواہد بود۔" سرزدہ در مجلسِ او رفتہ میگوید: "اے شیخ تو کہ ہر صبح میگوئی مسلمان شو ضامنِ نجاتِ من میتوانی شد؟" شیخ را حالتِ سُکر بود، کاغذے از کاغذگر طلبید و ضامنیِ نجاتِ او نوشتہ داد۔ رفت و مسلمان شد۔ اتفاقاً در ہمان ہفتہ فجاءۃً بمرد۔ ورثہ آن نوشتۂ شیخ را بگریبانِ کفن چسپاندہ بخاکش سپردند۔ چون شیخ بخود[11] آمد بخود فرو رفت۔ مریدے باعثِ حیرت پرسید۔ گفت: "در حالتِ مستی[12] متعہد امرے شدہ ام کہ از عہدۂ آن بیرون[13] نمیتوانم آمد۔" گفتا دران حال ترسائے دوست[14] روئے از دست شیخ ضامنیِ نجات خود نویسانیدہ بردہ بود، میگویند کہ مسلمان شرو مرد"۔ شیخ غش کرد، چون این سخنش بگوش آمد۔ آب بسیارے بر رویش زدند[15] تا بہوش آمد۔ سر کرد کہ "من در نجات خود تردّدے داشتم۔ این جگر از کجا بہم رسانم کہ متکفلِ نجاتِ دیگرے شدم[16]" افتان و[17]

[1] ن ۲: وحشت۔ [2] ن ۲: کہ ندارد۔ [3] ن ۲: جگر
[4] ن ۲: برسبیل حکایت بخدمت پدرم این خواب را۔ [5] ن ۲: ...
[6] ن ۲: کہ ندارد۔ [7] ن ۲: واؤ ندارد۔ [8] ن ۲: واؤ ندارد [9] ن ۲: بر روے
[10] ن ۲: خیرے۔ [11] ن ۲: بخود در آمد۔ [12] ن ۲: مستی ندارد [13] ن ۲: آمدن نمی توانم آمد
[14] ن ۲: دوست ندارد۔ [15] ن ۲: زد۔ [16] مط: شوم [17] ن ۲: واؤ ندارد

خیزانِ برگورِ آن نومسلمان شده رفت و متوجہ باطن شد۔ در معاملہ اش دید کہ ہمان کاغذ بدست دارد و میگوید کہ: "اے بایزید۔ نوشتۂ تو ہیچ بکارِ من نیامد۔ پیش از نمودنِ این پرچہ کہ دست پیچِ نجاتِ خود کردہ بودم، بطرزِ کریم[۹۱] سوے خودم خواند کہ چشمِ فرشتگانِ مقرّب حیرانِ کارِ من ماند۔ موجبِ دل پریشانیِ خود مشو۔ قلمبند کردۂ توانیست بگیر و بَرَد۔"

ہرگاہ کرمِ او بدان را اینچنین دَرمی یابد، آن فقیر خود از خوبانِ روزگار بود اگر بدریاے رحمتش غوطہ بانخوردے، این ماجرا آب[۹۲] بُردے۔"

سخنِ آن نغز[۹۳] "اے برادرِ عزیز۔ چون دانستی کہ آن گلِ ہمیشہ بہار بہزار رنگ برمی آید، دَ این چمن رسانیدۂ اوست، و این رنگہا ریختۂ او۔ اگر بینا شوی[۹۴] بتأمّل شو۔ وگر قدم کشائی، فہمیدہ رَو۔ در ہمہ ذرّاتِ کائنات، پرتو ہمان آفتاب است۔ اگر شناساے طرزِ او شدہ ای، دلت کامیاب است۔ کسی را کہ دیدہ و دل بیناست، میداند کہ حباب و موج از دریاست۔ حق برطرفِ غافل است، اگر غافل ماند[۹۵]۔ برساحل افتادہ از دریا چہ داند۔ بیا کہ برخیزیم، و از میان رَدیم[۹۶] شاید کہ بکامِ جان ہمہ او شویم۔ موسمِ جوانی رفت، لطفِ زندگانی رفت۔ عمر بشست[۹۷] سالگی کشید۔ پیرانہ سالی دررسید۔ قامت خم شد۔ طاقت کم شد۔ دماغ ضعیف، جسم نحیف، روانی از طبیعت رفت، و تیزی از ہوش۔ بینائی از چشم و شنوائی از گوش۔ ذوق بیذوق۔ دندان بے زور۔ پا ناتوان سر بے شور۔ موے سفید، دل ناامید[۹۸]۔ زنگ و زنجیر از کمر وا کن، ایامِ آرایشِ فقیری رفت۔ زنجیر سر در پاکن، ہنگامِ زینتِ قلندری گذشت۔"

نکتہ[۹۹] "درمعاش پاسِ مشہور کن و در معاد مراعاتِ معقول۔ یعنی ظاہر را ــــ

---

۹۱ ن ۲: کرم کریم۔
۹۲ ن ۲: بسیار آب بردے۔
۹۳ ن ۲: ندارد۔
۹۴ ن ۲: مائل شو۔
۹۵ ن ۲: عاقلیست اگر غافل ماند۔
۹۶ ن ۲: بردیم۔
۹۷ ن ۲: شصت۔
۹۸ ن ۲: نومید۔
۹۹ ن ۲: ندارد۔

مطابقِ باطن[1] بیارا[2] و باطن را مطابقِ[3] عقل نما۔ اگر یار در حرم جلوہ گر است، مسلمان شدن هنر[4] است۔ مقصودِ دل اوست، از هر دریکه برآید۔ دگر جلوهٔ[5] او در دیر لاریب است، پس کافر شدن چه عیب است۔ منظورِ چشم اوست، از هر جا که رو نماید۔

بدیر و کعبه میگردیم، گاه[6] اینجا و گاه آنجا
که مطلب جستجوے اوست، خواه اینجا و خواه آنجا

نصیحتِ درویشانه[7]

باید که عزلت گزینی و چندے تنہا نشینی۔ سر مرهٔ خفا در چشم کش و به هیچ چیز التفات مکن۔ نظر[8] بر خدا دار و هرگز باکسی ملاقات مکن۔ بسیار با مردم سَر دَر[9] هوا برخوردی، وقت آنست که مژگان برهم[10] زدی و مُردی۔ سر بهیچ زدن تا کجا؟ غفلت را بگذار۔ اگر دقیقه فهمی سر از این مضمون برآر۔

دیده ام در علمِ صحبت های رنگین صد کتاب
کرده ام یک مصرعهٔ تنها نشینی انتخاب

نمیدانم که چه میسگالی، که سر زخمِ خود نمی مالی۔ بیش از [illegible] سرگران [illegible] هوا و هوس ممان۔ سر را از نشهٔ یادِ حق سبک گردان۔ نظر بر ریشِ[11] سفید شا [illegible] نمانی۔ قصد [illegible] عادت نکنی۔ گاو در خرمنِ او نه بندی[12]۔ چون خدا بستن خود [illegible] شهر کرده [illegible] است۔ ور بے اراده کرامتے ظاهر شود چون شجر شاخ بر دیوار نکنی، که ثمرهٔ آن شاخ از پشیمانی برآورد۔ شاه اندازی را فقیران عیب میدانند، یعنی مُتکبّر و مُغنّی[13] را آدمی نمیخوانند۔ [illegible] خدمت شد، باخود قرار داد که آینده جاے نروم، و روزے دو بار حاضر شوم۔

---

[1] ن ۱ و ن ۲: نقل۔ [2] مط: بیار۔ [3] ن ۲: موافق۔ [4] [illegible]

[5] مط: دگر۔ [6] ن ۲: گر۔ [7] ن ۲: [illegible] [8] [illegible]

[9] ن ۲: سر و هوا۔ [10] ن ۲: بهم۔ [11] ن ۲: [illegible] تا یاری نمائی [illegible]

[12] مط: گاو در خرمن زور مندی۔ مط: کار در خرمن [illegible]

[13] ن ۲: بدعت۔ [14] ن ۲: متنفّر۔

یکے پدرم گفت که "اے برادرِ عزیز- دماغ آخر میرود، یعنی هر روز ضعیف میشود- اگر صَرف حفظِ قرآن[1] شود چه طَور است؟" التماس کرد که "خوب بخاطر گذشت." چنانچه در مدّتِ یک[2] و نیم سال مصحفِ مجید را یاد گرفتند-

نقلِ عجیب[3]

روزے باهم نشسته بودند، و دَور میکردند، که درویشے[4] اسدالله نام، پیراهنِ نیلی دَر بر، وکلاهِ[5] نمد بر سَر، وارد شد- چون دو چار پدرم گشت، گفت[6] که "اے سیرابه پزِ کبود جامه، چرا[7] سفرِ دور و دراز اختیار کردی، و شما این راهِ خوابیده بر خود هموار ساختی-" آن عزیز دَویده[8] دَر قدم افتاد- سَرش در کنار گرفت و پیش[9] خود جا داد- عمّ من حیرانِ این اختلاط شده[10] پرسید که "این بزرگ کیست؟" گفتا: "آشنایانِ قدیم منست-" حیران تر شد، و التماس نمود که "برائے رابطهٔ این چنین، ملاقات بسیار شرط است- (من) که[11] این مرد را گاهے ندیده ام-" گفت که: "من و این مرید یک پیریم- در دو سال یک بار بخدمتِ ایشان حاضر میشد- یکی سوال کردم: "چه شود که آثارِ مرگ بر من ظاهر شود، تا بکارِ گور پردازم، و دل را بچیزے[12] دیگر مشغول نسازم-" ارشاد شد که "هرگاه این[13] سیرابه پزِ کبود جامه را بینی، یقین بدانی که تا سالِ دیگر زنده نمانی-" دانسته باش فرصتِ[14] عمرِ من بسیار کم است-"

عمِّ بزرگوار[15] از استماعِ این کلمات، سخت متألّم شد و گفت[16]: "ان شاء الله من این واقعه را نخواهم دید- یعنی آن روز در جهان نخواهم بود، و این غم نخواهم کشید-" دمیکه با آن تازه واردِ سرحرف واشد، نقل کرد که از چندے دکّانِ من نمیگردید، یعنی سیرابه

---

[1] ن ۲: قرآن شریف۔
[2] ن ۲: واو ندارد۔
[3] ن ۲: ندارد۔
[4] ن ۲ و مط: درویش۔
[5] ن ۲: واو ندارد۔
[6] ن ۲:
[7] ن ۲: چارا۔
[8] ن ۱: دُوید و دَر قدم۔
[9] ن ۱: پیش خود۔
[10] ن ۲: شدو۔
[11] ن ۲: (من) که ندارد۔
[12] ن ۲: بچیز دیگر مط۔
[13] ن ۲: این ندارد۔
[14] ن ۲: که فرصت۔
[15] ن ۲: بزرگ۔
[16] ن ۲: که۔

مرا کسی نمیخرید۔ شب می پختم و[1] روز می انداختم، دم و دُود دیکه داشتم، صَرفِ خسارت شد ناچار دل بدریا افگنده، لب خشک و چشم تر بر خاک اُفتاده بودم، ناگاه خوابم در رُبود۔ دیدم که پیر[2] بر سر ایستاده است و میگوید که: "اے اسد اللہ ہر چند صعوبتِ سفر بسیار است و راه دور، اما یکبار برخوردنِ تو باعلی متقی ضرور۔ درمیانِ من و اُو اشاره ایست همین که تو خواهی رسید، اُو خواهد فهمید۔ باید که زُود بِروی، و از کساد بازاری پریشان نشوی که چون ازانجا برگردی، دکانت آنچنان گردد، که سیرابهٔ تو تبرّک گردد۔" برخاستم و دکّان رابشاگرد گذاشتم و[3] نیم نانِ خشک بطریقِ زادِ راه برداشتم۔ باندک زمانے از جهانے بجهانے آمدم یعنی ازکبودجامه باکبرآباد رسیدم، و تُرا بمرادِ دلِ مشتاق دیدم۔ اکنون رفتنِ من باختیارِ تُست، هرگاه خواهی گفت، اندازِ آنطرف خواهم کرد۔"

پدرم متبسّم شد و گفت که "اے اسد اللہ اینهمه با آهو سوار شدن از برائے چه؟ سیرابه ضائع نمیشود، که اینهمه[4] دست پاچه میشوی۔ از گردِ راه رسیده ای، رنجِ بے[5] پایان کشیده ای۔ اگر مشتاقِ ما فقیران نه ای، چندے برائے رفعِ ماندگیِ خود بمان۔ شتاب چیست؟ رخصت هم اتّفاق میشود۔" بغلامے اشارت رفت که فرشِ خوابش در حجرهٔ عمّ من درست کند، و آب بدستِ اُو ریزد۔ حاصل که، ساعتی از خود جدا نمیگذاشت، و بدلجوئی و مزاح گوئی میداشت۔

مسئلہ رؤیت

(فائده[6]) یکی آن مهمانِ عزیز سوال کرد که "درمسئلهٔ رؤیت تردّدے دارم۔ خدا خوانان دو جماعت اند، جماعتے برآنست که روزے آن غیبتِ ماه را، چون بدرِ کامل تماشا خواهیم کرد۔ عقیدهٔ جماعت دیگر این که ادراک آن آفتاب ازل لبشر[7] امکان ندارد۔ فرمود که: "ما فقیران را هیچ تردّدے

---

[1] مط: [illegible]

[2] ن۲: [illegible]

[3] ن۲: واو ندارد۔

[4] ن۲: این همه ندارد۔

[5] ن۲: [illegible]

[6] ن۲: ندارد۔

[7] ن۲: نظر بشر

نیست۔ چون مقرر شد کہ او عینِ عالم است، بہر جا[۱] کہ نظر افگنیم[۲] او بنظر می آید۔ در ہر کہ می نگریم[۳] او رو مینماید۔ آن معنی بہر صورت جلوہ گر است، و دیدارِ او بشرطِ نظر میسّر۔"

القصہ بعد[۴] یک ہفتہ رخصت شد، و گلبانگ برقدم زد۔

حکایتِ جانسوز[۵]

صبحِ عید عموے من، تبدیلِ رخت کردہ، بمصلّی رفت۔ از انجا کہ آمد، در سینہ اش دردے[۶] ظاہر شد، بشدتی کہ رنگِ رویش شکست، و قرار از دل رخت بست۔ والدِ مرا طلبید، و گفت: "دردے دارم کہ بکمالِ بیدردیست۔ یافتہ ام کہ[۷] این درد عاقبت ندارد۔ و خفگی بمرتبہ ایست کہ نفس تنگی میکند۔ غالباً جانِ ناتوان طاقت ندارد۔ عبائے[۸] را از تنِ من بکشید کہ خوش نمی آید۔ کلاہم دور بیندازید کہ بر سر گرانی مینماید۔ جانم ناتوان است۔ بیمارِ من گران است۔ چون شام شد، آن درد عام شد۔ شورِ آہ آہش بلند گشت۔ ہمگی یک دلِ دردمند گشت۔ دمیکہ بضبط پرداختے، خود را غنچہ ساختے۔ گہے کہ از درد نالاں شدے، چون گل پریشان شدے۔ وقتیکہ دلش[۹] بسیار گرفتے، آہِ آتشناک کشیدے۔ دودِ جگر، کہ کبابِ گذشتہ بود، بآسمان[۱۰] رسیدے۔ اگر سخن راندے، این رباعی[۱۱] خواندے۔ (لمصنّفہ)

دقت است کہ رو بمرگ یکبارہ کنیم
آن درد نداریم کہ ما چارہ کنیم
بیماریِ صعبِ عشق دارد دلِ ما[۱۲]
گر جامہ گذاریم، کفن پارہ کنیم

---

[۱] ن ۲: ہر۔ [۲] ن ۲: افگنم۔ [۳] ن ۲: نگرم۔
[۴] مط: ابعہد۔ [۵] ن ۲: ندارد۔ [۶] ن ۲: دردے در سینہ اش۔
[۷] مط: کہ ندارد۔ [۸] ن ۲: عبایی را۔ [۹] مط: وقتے دلش۔
[۱۰] ن ۲: دودِ جگر او کباب گذشتہ۔ [۱۱] ن ۲: اگر سخن راندے، برخواندے (این رباعی ندارد)
[۱۲] ن ۲: مصرع سوم و چہارم ندارد۔

چون پاسے از شب گذشت[1]، کار از بیطاقتی بر و تنگ شد۔ با پیر گفت کہ: "آخر دل سختی کشیدۂ من[2] کباب سنگ شد، تو خود آگاہِ رازِ این میخانہ ای۔ اگر تہ شیشۂ[3] از عمرِ من باقی ماندہ باشد، بکسے دیگرے بدہ، کہ دُرد نوشی باین دَرد کشیدن جگرے میخواہد۔ من ازین جانِ شیرین تلخیِ مرگ را صد مرتبہ گوارا تر می بینم[4]۔ توجہی کن کہ[5] آسان بمیرم۔ بخشای کہ آرام بگیرم[6]۔" آخرِ شب، کلاہِ شب[7] پوش را بمن بخشید، وچشم از غلبۂ ناتوانی بپوشید۔ دمیکہ شب شکست، یعنی سفیدۂ[8] صبح دمید، جانِ المناکِ اوُ برلب رسید۔ مؤذّنِ مسجد "اللہ اکبر" گفت، آن بیمارِ شب زندہ دار، بخفت۔ یعنی دست بردل نہاد، وجان بجان آفرین داد۔

پیرِ اُو دستار برزمین زد، وگریبان درید، وازین واقعۂ جانکاہ اَلفہا بر سینہ بُرید۔ مُریدانش خاک برسر، وداغ برجگر باصد پریشانی، چنانکہ میدانی، برسمیاتِ مُردۂ او پرداختند، وجنازۂ آن دردمند را دُرست ساختند۔

عشق دردے بے دوائے بودہ است
بہرِ جان و دل، بلائے بودہ است

ہرگاہ برائے نماز استادند، اکثرے برخاک اُفتادند۔ پدرم گفت کہ "اے ناواقفِ پاسِ آشنائی دیر معلوم شد کہ بیوفائی۔ آنچنان گرم رفتی کہ سینۂ ما تَفتی۔ یاران اینچنین نمی روند غمخواران بے مروت نمیشوند۔

چہ شد آن وفا و عہدے، کہ تو وعدہ با نمودی
بتو من چہ گفتہ بودم، تو بمن چہ گفتہ بودی!

بزرگانش دوش بر تابوت[9] گذاشتند یعنی بعزتِ تمامش برداشتند۔ [illegible]

---

[1] ن ۲: چون پاسے گذشتہ۔ [2] ن ۲: دل سختی دیدۂ من [illegible] شد۔
[3] ن ۲: از ندارد۔ [4] ن ۱: [illegible]۔ [5] ن ۲: [illegible] ندارد۔
[6] ن ۲: بگیرم ندارد۔ [7] ن ۲: سیہ پوش۔ [8] [illegible]۔ [9] ن ۲: [illegible]۔

عَلَمِ مُژگان پیش پیش روان۔ معتقدانش سیلاب سیلاب سرشک اُفشان۔ مردۂ اورا بیرونِ شہر بُردند و بگوشۂ باغے[۱] بخاک سُپردند۔ گُلہا افشاندند، فاتحہ خواندند۔ ملالتِ بیحد کشیدند، چارۂ جز صبر ندیدند۔

روزِ سوم[۲] کہ عزیزانِ شہر برائے فاتحہ آمدند، پدرم گفت: "کسیکہ این چنین — عزیزش مُردہ باشد اگر اُورا "عزیزِ مُردہ" گویند می اُفتد۔ از امروز مرا "عزیزِ مُردہ" بگفتہ باشند۔" چنانچہ در شہر بہمین[۳] لقب شہرت گرفت۔ روزے صد بار گریستے۔ بہ حالِ مردگان زیستے۔ منکہ بغل پروردۂ اُو بودم، حوائجِ خود را باو میگفتم، باو میخوردم، باو میخفتم روزہا یاد میکردم، شبہا[۴] فریاد میکردم۔ درویشِ 'عزیزِ مُردہ' بدلجوئی میپرداخت، دہیچ[۵] وجہ آزردہ دلم نمیساخت۔ گاہ میگفت کہ: "اے پسر، من ترا بسیار میخواہم، امّا ازین[۶] غم میکاہم کہ من نیز بر سرِ راہم۔" گاہ میگفت کہ: "ماہِ من نہ طفلِ ہالہ ای، الحمدللہ کہ دہ سالہ ای۔ چہ بکاہش اُفتادہ ای، آخر درویش زادہ ای۔ دل را قوی دار، خود را بخدا سپار۔ شاد بزی، و[۷] خوش بمان۔ مراطرح کشِ خود بدان۔ جانِ من مگر طفلِ شیری کہ ہر زمان دلگیری؟ اندیشۂ خود[۸] چرا داری، وارثے چون خدا داری۔ رفتگان باز نمی آیند۔ گذشتگان رُو نمی نمایند۔ اے پسر، دنیا درگذر است، و ہر کرا می بینی در جناحِ سفر۔ نہ پنداری کہ جاے بودنت جہان است[۹]۔ این قرار دادۂ مجلسِ رُوان است۔ حاضران رفتہ اند۔ نشستگان گذشتہ اند۔ غنچہ پیشانی مشو، چون گُلِ شگفتہ رُو می باش۔ بہارِ این چمن[۱۰] رفتنی است۔ بہ عبث دل مخراش۔ مقامرخانۂ آفاق را چنین ساختہ اند کہ درو چون تو بسیارے دل باختہ اند۔ تا واقفِ راہ و رسمِ اینجا نشوی، زینہار کہ این راہ نروی۔ در حریفانِ سخت باز و طرار، متلیست "قمار و راہ قمار"۔ ہر روز ازین قسم سخن کردے، و بنازِ تمام پروردے۔

---

[۱] ن ۲: باغ۔ [۲] مط و ۲، ن: بیوم۔ [۳] ن ۲: ہمین۔ [۴] ن ۲: نالہ و فریاد۔
[۵] ن ۲: ہیچ۔ [۶] ن ۲: درین۔ [۷] ن ۲: واو ندارد۔
[۸] ن ۲: خود را۔ [۹] ن ۲: کہ جائے بودنست۔ [۱۰] ن ۲: غنچہ۔

(نقل است[1]) روزے تبلیغ کامی تمام، حلواے مرگ قسمت میکرد، کہ جوانے سروِاندام، احمد بیگ نام، شکّری رنگ، دانۂ چند شکر انگور بر دست گذاشتہ، نذر گذرانید، وگفت: "تازہ از ولایت آمدہ ام، و ارادۂ حج دارم۔ چون واردِ شہر شدم، آوازۂ درویشیِ تو شنیدم، مشتاق شدہ بخدمتِ سامیِ تو[2] رسیدم۔" گفت: "مگر نشنیدہ ای؟:

چرا بپاے خود اے کعبہ رَو، نمی اُفتی

ہمان توئی، کہ بہ فرسنگ مینمایندت

اولاً خود را دریاب، آنگاہ براۓ کعبہ شتاب۔ کعبہ عبارت از دلہاے خستۂ درویشان است، ومقصود دست و بغل باین جگر ریشان۔ اگر دلِ ایشان بدست آید، کعبۂ مراد بے سعی رُو مینماید[3]۔ ازینجا[4] ست کہ کسی گفتہ رفتہ است:

زکعبہ آیم و رشک آیدم زخونابے

کہ از زیارتِ دلہاے خستہ می آید

دلِ درویشان جاۓ خوشیست[5]۔ این ویرانہ را ہواۓ خوشیست[6]۔ دل را منزلِ آن ماہ میگویند مقصود از ہمین[7] درمیجویند۔ سالکے بطوافِ کعبہ رفتہ بود، کسی را دران خانہ ندید، بادلِ پُر آرزو ناکام برگردید، در ہمان حال گفت:

کعبہ را دیدم، دلم از دردِ تنہائی گداخت

مجلس آراۓ کہ مارا خواند، خود مہمان کیست؟

آنچہ تو میگوئی، حَرم حَرم نیز ہمین[8] گوید۔ کسی را کہ تو میجوئی، کعبہ ہم اُورا میجوید:

ہر کرا دیدم، چو من گم گشتۂ تحقیق بود

کعبہ را ہم بے تکلّف در بیابان یافتم

---

[1] ن ۲: ندارد۔ [2] ن ۲: تو ندارد۔ [3] مط: بے سعی نماید۔ تصحیح از ن ۲۔
[4] ن ۲: وازین۔ [5]، [6] ن ۲: خوشیست۔
[7] ن ۲: ازین۔ [8] مط: گوید۔ ن ۲: نیز ہمی گوید۔

گردِ دلہا بگرد، کہ طوافِ حرم اینست[۱] ۔ بلاگردانِ خود شو، کہ مطلبِ عمدہ ہمین[۲] است ۔ وجودِ غیر موجود نیست، وکسی بے اُو مشہود نے :

گفتم بحرم، محرمِ این خانہ کدام است؟
آہستہ بمن گفت کہ بیگانہ کدام است؟

مرا بر جوانیِ تو رحم می آید، کہ رنجہا خواہی کشید، و بمطلب نخواہی رسید۔ سخنِ درویشان بگوشِ جان بشنو۔ چندے فروکش کن، و[۳] ازینجا مَرو۔ جوان چون[۴] رُوے دل از درویش دید، سر را از فرمان نہ پیچید۔ یعنی رحلِ[۵] اقامت انداخت، و بہ ریاضتِ شاقہ پرداخت ۔ ذہنِ سلیمے داشت ۔ کسب کرد و در مدّتِ ہفت ماہ بمرتبۂ کمال رسید۔ پیرے باین خوبی، جوانے باین محبوبی۔ پیرے باین[۶] حالت، جوانے باین کیفیت، پیرے باین کمال، جوانے باین حال، پیرے باین عنایت، جوانے باین ارادت، پیرے باین نظر، جوانے باین اثر، دیدۂ روزگار کم دیدہ، وگوشِ جہانیان کم شنیدہ ۔ روز و شب چون شکّر و شیر، یعنی صحبت بسیار درگیر۔ پیر را دے نمیگذاشت ۔ بجوانِ عزیز شہرت داشت ۔ اتفاقاً[۷] زرِ توفیقی از جائے بدستِ پیر[۸] آمد، جوان را گفت کہ برین متصرّف شو، و بسفرِ حجاز برو۔ بعد از نمازِ صبح، زیرِ پیچِ دستار و سجّادۂ محرابی عنایت کرد، و رخصتش[۹] نمود۔

حکایتِ جانکاہ[۱۰] روزے درویشِ "عزیز مردہ" برائے عیادتِ ہمشیرزادۂ برادرِ عزیز کہ محمّد باعث نام داشت۔ عالم[۱۱] فاضل متصوّفِ کامل بود، بہ "عالم گنج[۱۲]" کہ محلّہ ایست مشہور از اکبرآباد، در آفتابِ گرم رفت ۔ چون

---

[۱] ن ۲: ہمین است۔
[۲] ن ۲: این است۔
[۳] ن ۲: واوٗ ندارد۔
[۴] ن ۲: جوان ... چون دید سر۔ الخ۔
[۵] ن ۲: رخت۔
[۶] ن ۲: حالت تا حال ندارد۔
[۷] ن ۲: اتّفاق۔
[۸] ن ۲: برآمد۔
[۹] ن ۲: رخصت۔
[۱۰] ن ۲: ندارد۔
[۱۱] ن ۲: عارف، عالم فاضل۔
[۱۲] ن ۲: در عالم گنج۔

شام بروز[۱] سیاهی زدن آغاز کرد، ازان جا باندازِ خانه رَوان شد. عشائین را در مسجدِ خود آمده ادا نمود[۲] هرگاه برفرشِ خواب رفت ومن حاضر شدم گفت: "اے پسر، حرارتِ آفتاب در مزاجِ من تاثیرے کرده است. صُداعے دارم، از آثار معلوم میشود که تب خواهم کرد. غذاے شب نخورد[۳]، وخوابید. صبح که برخاست تبے بشدّت داشت. طبیبے ابوالفتح نام معالجِ قدیم او بود، آمد، وتبرید کرد. تسکین نیافت. مبالغه در[۴] مُبرّدات فوق الحدّ نمود، سُودمند نیفتاد. تبِ درویش بندی شد، یعنی بر روز شام می آمد وتمام شب میماند. برائے تب بستن تدبیر هائے بیشمار میکردند، اما از هیچ یکے این عقدهٔ سخت کشاده نشد. پس از ماهے مُتشخص گردید که این تب مُتشبث بقلب است. واُستخوانی شده است. یعنی این درویش نحیف کہ مشتِ استخوانے بیش نیست، مُبتلاے رنجِ باریک است. بمن گفت که: "اے پسر، جانِ من صرفِ نیاز است، وجسم[۵] وقفِ گداز. رغبتے با غذایم نیست، اگر میخورم گرانی میکند. روزانیکه صبح طبیب میدید، تا صبح دیگر کفایت است. میخواهم که تا بیرم ترکِ غذا بگیرم. پنج شش دسته های نرگس از بازار بطلب، که بشرطِ حیات گاه گاه بُو کرده آید." بموجب ارشاد طلب داشتم، وپیشِ او برابر گذاشتم. به گاه چشم میکشاد، دسته بدست گرفته بُو میکرد ومیگفت: "الحمدلله که سیر شدم." چون بترکِ غذا پرداخت، مابکیان [illegible] خود ناامید[۶] ساخت. طاقت[۷] از دست وپا رفت، کار ناتوانی بالا رفت، [illegible] بسیار کم [illegible] راندے، نماز باشارت خواندے. بیست ویکم رجب، حکیم [illegible] آمد [illegible] درویش ابرو ترش کرد ونخورد، وآن کاسهٔ دوا را بر زمین زد [illegible] گفت [illegible] بُرده، تاثیر دوا از روز اوّل [illegible] بود، من پاس تو میکردم [illegible] بُرو دست [illegible] تا قیامت فهمی مضیبت که [illegible]

[۱] [illegible]　[۲] [illegible] نموده　[۳] [illegible]　[۴] [illegible]

[۵] [illegible]　[۶] [illegible]　[۷] [illegible]

[illegible] پا رفت ... [illegible]

آنگاه حافظ محمد حسن برادرِ کلانِ مرا، که برادر اندر بود[1]، طلب نمود، و فرمود که "من فقیرم و هیچ ندارم - مگر سه صد جلدِ کتاب. رو بروے من بیارید و حصّهٔ برادرانه کرده بگیرید" او التماس کرد که "من طالبِ علم - کرمِ این کار مرا بیشتر است"، و این برادران ربطے به کتاب ندارند، کناره های اوراق چیده خواهد شد - یکی کاغذ باد خواهد ساخت، یکی در آب خواهد انداخت - اگر پیشِ من امانت گذارند، خوب است - وگرنه مختار اند" پدر از مزاجِ ناسازِ او خبر بود - شانه گیر شد و گفت: "چه شُد که ترکِ لباس کرده ای، لیکن کج پلاسیِ تو هنوز نرفته است - میخواهی که طفلانِ بیچاره را بازی دهی، و پس از مرگ (من) دل بخرابیِ ایشان نهی - دانسته باش که حق تعالیٰ غیور است، و غیور را دوست میدارد - غالب که میر محمد تقی دست نگرِ تو نشود - اگر بنوعِ دیگر پیش خواهی آمد، کاسه بر سرت خواهد شکست و نقشِ عزتِ تو پیشِ این بابا نخواهد نشست - خواهی دید، اگر بمراد خواهی رسید، برائے یک جلدِ کتاب پوستِ تو خواهد کشید - کم کاسه شایستهٔ بی اعتباری است - بُخل و حسد دلیلِ ذلت و خواری است - خوب است، کتابها را ببَر، و نگاهدار."

پس آنگاه روے سخن بمن کرد، گفت که: "اے پسر - قرضدارِ سه صد روپیهٔ بدّالانِ بازارم - اُمید که تا ادا نکنی، مردهٔ مرا بَر نداری، که من سگِ دُرست مردے بودم، و در همه عمر دغا بازی نه نموده ام -" عرض کردم که "غیر از جلدهای کتاب، دم و پوستے بنظر نمی آید - آنها را به برادرِ کلاں سپردید - ادائے قرض چسان توانم کرد؟" چشم پُر آب نمود و گفت: "خدا کریم است - دل تنگ نباید شد - کاغذ زر در راه است - قریب میرسد میخواستم که تا رسیدنِ زر زنده بمانم، امّا فرصتِ عمر کم است، ماندن نمیتوانم -" در حقِ من دعا کرد، و حوالت با خدا کرد - ساعتے نفس شمرد، آخر حساب سپرد -

بے مُروّتیِ برادر درویش چون چشم پوشید، جهان در چشمِ من سیاه گردید، حادثهٔ عظیمے

---

[1] ن ا: برادرِ بے مات -

رؤداد۔ آسمان برمن بیفتاد۔ دریا دریا گریستم، لنگر از کف دادم۔ سر را بر سنگ زدم، بر خاک اُفتادم۔ کل کل بسیار شد۔ قیامت پدیدار شد۔ برادرِ کلانِ من، ترکِ مردم داری گرفت، و بے چشم و ردئی اختیار نمود۔ دید کہ پدر آستینِ کہنہ داشت و بہ بیکسی جامہ گذاشت قرض خواہان دامنگیرِ من خواہند شد، پہلوتہی کرد و گفت: "کسا نیکہ ہمگیر ناز و نعم بودند، آنہا دانند و کارِ آنہا ـــ من در حیاتِ پدر دخیلِ کارے نگشتم، از وقفِ اولادی ہم گذشتم۔ سجّادہ نشینان[۵۱] او سلامت باشند۔ سر را می کُنند، وَجہ را میخراشند، آنچہ مصلحتِ وقت خواہد بود، خواہند نمود۔"

منکہ تازہ بیکس شدہ بودم، چون سخنانِ بے تہِ او را شنودم غم و غصہ بسیارے خوردم۔ التجا باُو نبُردم۔ کمر را مُحکم بستم۔ نظر بر خدا نشستم۔ بدّالانِ بازار دو صد روپیہ دیگر آوردند و سماجت از حد بُردند۔ پاسِ وصیّتِ درویش بود[۵۲]۔ قبول نکردم۔ ہمہ (را) بزبان داشتم یعنی مَلول نکردم۔

درہمین حال، آدمِ سید مکمّل خان، کہ مریدِ عمِّ بزرگوارِ من بود، باہنڈوی پانصد روپیہ تازہ سکّہ رسید، و دردِ شریکِ من گردید۔ سہ صد روپیہ بہ قرضخواہان دادہ، فارغخطی گرفتم، و بصد روپیہ درویش را برداشتہ بُردم، و در پہلوے پیرِ اُو بخاک در آوردم۔

(خفیفتِ من دلریش بعدِ واقعۂ درویش[۵۳])

بیمروتیہاے آسمان را دیدم۔ ستمہای روزگار کشیدم۔ نَی نی[۵۴]، گناہِ فلک و جرمِ[۵۵] زمانہ چیست۔ من ستارہ نداشتم، کہ سایۂ چنین آفتابی از سرِ[۵۶] من رفت۔ ــ چہ کرد، طالعِ من کرد۔ غیر از دستِ خود بر سر[۵۷] نیافتم، یعنی کسی را سایہ گُستر نیافتم۔ نانمان بر سرِ غیرت[۵۸] نہادم، زینہار بر درِ کس نہ ایستادم۔ لبم بحرفِ طالب

[۵۱] از عبارت گذشتہ "طاقت از دست دپا رفتہ"... تا این جا، از نسخۂ رامپور اُفتادہ است۔

[۵۲] ن ۲: بود ندارد۔ [۵۳] ن ۲: عنوان ندارد۔ [۵۴] ن ۲: نَی نی ندارد۔ [۵۵] ن ۲: جرم ندارد۔

[۵۶] ط: از سر من۔ [۵۷] ن ۲: بر سر خود۔ [۵۸] ن ۲: غیرت۔

آشنا نگردید، چشمِ من بہ ہیچ چیز نَدَوید۔ سایۂ دستِ کسی نگرفتم (دسر دستے بمن کسی نگرفت یعنی خداے کریم مرا شرمندۂ احسانِ کسی نکرد) و دست[1] نگرِ برادر کہ سربسر[2] من داشت، نساخت، نُقلِ ماتمِ درویش قسمت ساختم، کار را بلُطفِ خداوند[3] انداختم۔ دمِ خود را برادرِ خورد سپردہ، بتلاشِ روزگار در اطرافِ شہر استخوان شکستم، لیکن طرفے نہ بستم۔ یعنی چارۂ کار در وطن نیافتم، ناچار بغربت شتافتم۔ رنجِ راہ برخود ہموار[6] کردم، شدائدِ[5] سفر اختیار[4] کردم۔ بشاہجہان آباد دہلی رسیدم، بسیار گردیدم، شفیقے[7] ندیدم۔

خواجہ محمّد باسط کہ[8] برادرزادۂ صمصام الدّولہ امیرالامراء بود[9]، عنایتے بحالِ من کرد و بپیشِ نوّاب بُرد۔ چون مرا دید، پرسید کہ "این پسر از کیست؟" گفت: "از میر محمّد علی است۔" فرمود[10]: "از آمدنِ این پیداست[11] کہ ایشان از جہان رفتہ باشند۔" پس از افسوسِ بسیار سخن زد کہ "آن مرد بر من حقہا داشت۔ یک روپیہ روز از سرکارِ من باین پسر میدادہ باشند۔" التماس نمودم[12]: "اگر نوّاب لطف میفرماید، دستخط کردہ بدہد[13] کہ جاے سخنِ متصدّیان نماند۔" اِلتماسے کہ نوشتہ بودم، از کیسہ برآوردم۔ ناگاہ از زبانِ خواجۂ مذکور برآمد کہ: "وقتِ قلمدان نیست۔" چون این سخن[14] شنیدم، بقاہ قاہ خندیدم۔ نوّاب در رُوے من دید، و سببِ خندہ پُرسید۔ عرض نمودم کہ: "این عبارت را نفہمیدم۔ اگر ایشان میگفتند قلمدان بردار حاضر نیست، (این حرف گنجایش داشت، یا آنکہ وقتِ دستخطِ نوّاب نیست، یا باقی بود[15])۔ "وقتِ قلمدان نیست" انشاے[16] تازہ است۔ قلمدان چوبے بیش نمیباشد وقت وغیرِ وقت نمیداند، بہر نفریکہ اِشارت رود، برداشتہ بیارد۔"

---

[1] ن ۲: عبارت بین القوسین ندارد۔ [2] ن ۲: سر برسرِ من۔ [3] ن ۲: خدا۔
[4] ن ۲: اختیار۔ [5] ن ۲: و شدائد۔ [6] ن ۲: ہموار۔ (کردم ندارد)۔
[7] ن ۲: آنا شفیقے۔ [8] ن ۲: کہ ندارد۔ [9] ن ۲: بود ندارد۔
[10] ن ۲: گفت۔ [11] ن ۲: معلوم می شود۔ [12] ن ۲: کہ۔ [13] ن ۲: دہد۔
[14] ن ۲: این چنین سخن۔ [15] ن ۲: یا وقت دستخط نواب باقی بود (کذا)۔ [16] ن ۲: عبارت تازہ۔

نواب بخنده درآمد و گفت که "معقول میگوید." غرض تکلیفِ مرا بر خاک نیفگند، قلمدان طلبید[1] و آن التماس بشرفِ دستخط رسید. روزِ دربارِ بادشاه بود، کمربسته بایستاد[2]، به عنایتِ تمام میان داد. تا عهدیکه نادرشاه بر محمدشاه که حالا به "فردوس آرامگاه" ملقب است، مسلط شد، و نوابِ مذکور بسببِ پیش جنگی کشته افتاد، آن روزینه می یافتم. نان[3] و نمک میخوردم، و بسر می بُردم.

بعدِ این انقلاب باز[4] روزگارِ سنگین دل، کار را بر من تنگ گرفت. کسانیکه پیشِ درویش خاکِ پاے مرا کحلِ بصر میساختند، یکبار از نظرم انداختند. ناچار[5] بارِ دیگر بدهلی رسیدم، و منت هاے بی منتهاے خالوے برادرِ کلان که سراج الدین علی خانِ "آرزو" باشد، کشیدم. یعنی چندے پیشِ او ماندم، و کتابے چند از یارانِ شهر خواندم. چون قابلِ این شدم که مخاطبِ صحیح کسے میتوانم شد، نوشتهٔ اخوان پناه رسید که "میر محمد تقی فتنهٔ روزگار است زینهار به تربیتِ او نباید پرداخت و در پردهٔ دوستی کارش باید ساخت." آن عزیز دنیادارِ واقعی بود، نظر بر خصومتِ همشیرزادهٔ خود، بدِ من اندیشید[6]. اگر دو چار میشدم چار چار[7] میزد، و گر اعراض[8] میکردم، نوا خوانی می نمود[9]. هر روز چشمش بدنبالِ من می بود. اکثر سلوکِ مدعیانه میکرد[10]. چه بیان کنم که ازو چه دیدم، چه گویم[11] که چه حالت کشیدم. هر چند نیز دهانی اختیار میکردم، او از حلاجی دست[12] نمیداشت. باهمه از احتیاجِ یک دو پیه ار[13] نمیخواستم، اما سلاخی نمیگذاشت. خصمی او را اگر بتفصیل بیان کرده آید، دفترے جداگانه می باید. خاطرِ گرفتهٔ من گرفته تر شد، سودا کردم. در حجره که می بودم، درش می بستم، و با[illegible] کثرتِ غم تنها می نشستم. چون ماه برمی آمد[14]، قیامت بر سرم می آمد[15]. [illegible]

[1] ن ۲: قلمدان طلبید ندارد.
[2] ن ۲: [illegible]
[3] ن ۲: [illegible]
[4] ن ۲: باز ندارد.
[5] ن ۲: ناچار باز بدهلی.
[6] ن ۲: [illegible] اندیشید.
[7] ن ۲: خار خار.
[8] ن ۲: اعتراض.
[9] ن ۲: می کرد.
[10] ن ۲: نمی نمود.
[11] ن ۲: چگوید.
[12] ن ۲: برنمی داشت.
[13] ن ۲: ازو ندارد.
[14]، [15] ن ۲: آید.

دایہ اَم دمِ رُو شُستن ''ماہ ماہ'' میگفت و من بَسُوے آسمان میدیدم، نظرے بہ ماہ میداشتم، لیکن نہ باین مرتبہ کہ کارم بدیوانگی کشد، و وحشت بجائے رَسد کہ درحجرۂ من باندیشہ باز کنند و از صحبتم احتراز نمایند۔

نقل تحفہ[۱]

در شبِ ماہ، پیکرے خوش صورت، باکمالِ خُوبی، از جرمِ قمر انداز طرف من میکرد و مُوجبِ بیخودی یشد۔ بہرطرف کہ چشمم[۲] می اُفتاد، بران رشکِ پری[۳] می اُفتاد۔ بہرجا کہ نگاہ میکردم، تماشاے آن غیرتِ حور میکردم۔ در و بام و صحنِ خانۂ من ورقِ تصویر شدہ بود، یعنی آن حیرت افزا[۴] از شش جہت رُو مینمود۔ گاہے چون ماہِ چہاردہ[۵] مُقابل۔ گاہے سیرگاہِ اُو منزلِ دل۔ اگر نظر بر گُلِ مہتاب می اُفتاد، آتشے در جانِ بیتاب می اُفتاد[۶]۔ ہرشب بااُو صحبت، ہرصبح بے اُو وحشت۔ دمیکہ سفیدۂ صبح میدمید، از دلِ گرم آہِ سرد میکشید، یعنی آہ میکرد، و اندازِ ماہ میکرد۔ تمام روز جنون میکردم، دل دریادِ اُو خون میکردم[۷]۔ کف برلب[۸]، چون دیوانہ و مَست۔ پارہ ہائے سنگ در دست من اُفتان وخیزان، مردم از من گریزان۔ تا چار ماہ آن گلِ شب افروز، رنگِ تازہ میریخت، و از فتنۂ خرامہا[۹] قیامت می انگیخت۔ ناگاہ موسمِ گُل رسید۔ دَاغِ سَودا سیاہ[۱۰] گردید یعنی چون پَریدار شدم۔ مطلق[۱۱] از کار شدم۔ صورتِ آن شکلِ وہمی در نظر۔ خیالِ زلفِ مشکینش در سر۔ شایستۂ کنارہ گیری شدم۔ زندانی و زنجیری شدم۔

ہمسر[۱۲] فخر الدین خان کہ مریدِ درویش بود، قرابت[۱۳] قریبہ داشت۔ زرے بسیارے خرچ نمود۔ پریخوانان اَفسون دمیدند۔ طبیبان خون کشیدند۔ تدبیرِ اطبا رسُود مند اُفتاد۔ پائیز آمد، و بہار ریخت، سلسلۂ جنون از ہم گسیخت۔ نقشیکہ وہم بستہ بود، از

---

۱ ن ۲: ندارد۔ ۲ ن ۲: چشم۔ ۳ ن ۲: ندارد۔ ۴ ن ۲: آثار حیرت افزائی
۵ ن ۲: چہار دہم۔ ۶ ن ۲: اگر نظر بیتاب می افتاد آتشے درجان می افتاد۔ ہرشب الخ۔
۷ ن ۲: دل دریاد او خون میکردم۔ ندارد۔ ۸ ن ۲: بلب۔ ۹ ن ۲: خرابیہا۔
۱۰ ن ۲: سیاہ تر۔ ۱۱ ن ۲: دمطلق۔ ۱۲ ن ۲: ہمشیرہ۔ ۱۳ ن ۲: و قرابت۔

صفحۂ خاطر محو شد درسیکہ از جنون خوانده بودم، فراموش گشت۔ لب با سکوت مالوف شد، پریشان گوئی موقوف شد[1]۔ ترطیبِ دماغ کردند، خواب افزود۔ طاقتِ رفتہ باز رُو نمود۔ یعنی بحال آمدم، و بدخوابی رفت۔ از پیشِ نظر آن چہرۂ مہتابی[2] رفت۔ پس از چندے رُو بصحتِ کامل آوردم، و شروع بخواندنِ ترسّل کردم۔

میر جعفر عظیم آبادی

(نقل[3]) روزے بر سرِ بازار، جزءِ کتابے در دست۔ نشستہ بودم۔ جوانے میر جعفر نام، ازان راه گذشت، نظرش برمن اُفتاد، وتشریف داد[4]۔ بعد از ساعتے گفت کہ "اے عزیز دریافتہ میشود کہ ذوقِ خواندن داری۔ من ہم کشتۂ کتابم، امّا مخاطبے[5] نمی یابم۔ اگر شوقِ[6] کاملے داشتہ باشی چندے میرسیده[7] باشم۔" گفتم: "دستے ندارم کہ خدمتے از من بیاید اگر للّٰہ[8] این رنج برخود گوارا کنی، عینِ بنده نوازی است۔" گفتا: "اینقدر ہست کہ تہ پا[9] تا نباشد پا بیرون نمیگذارم۔" گفتم: "خداے کریم آسان خواہد کرد، اگرچہ من ہم چیزے ندارم۔" پاورقہاے آن نسخۂ درہم را مطابقِ سرصفحہ ہای آینده کرد، داد و رفت۔ از آنروز اکثر ملاقات آن مَلَک سیرت و آدم صورت، اتفاق می افتاد۔ و بلطفِ نہایتم زبان میداد۔ یعنی دماغِ خود می سوخت و مرا چیزے می آموخت۔ تا مقدور من[10] نیز بالشِ نرم زیرِ سرِ اُو میگذاشتم یعنی صرفِ اُو بود اُنچہ میسر داشتم۔ ناگاه خطّے از وطنِ اُو، کہ عظیم آباد بود، رسید، و آن مرد رختِ خود، کام و ناکام[11]، بآن صوب کشید۔

سعادت امروہوی

بعد از چندے[12]، با سعادت علی نام سیّدے کہ از امروہہ بود برخوردم۔ آن عزیز، مرا تکلیفِ موزون کردن ریختہ

---

1. ن ٢: شد ندارد۔
2. ن ٢: آفتابی۔
3. ن ٢: ندارد
4. ن ٢: آورد۔
5. ن ٢: مخاطب۔
6. ط: شوق داشتہ
7. ن ٢: پرسیده۔
8. ن ٢: البتہ۔
9. ن ٢: اگر تہ پا نباشد
10. ن ٢: من ندارد۔
11. ن ٢: واو ندارد۔
12. ن ٢: چندگاه۔

— کہ شعر یست بطورِ شعرِ فارسی بزبانِ اُردوے معلاّے[1] بادشاہِ ہندستان و دران وقت رواج داشت — کرد۔ خودکُشی کردم و مشقِ خود بمرتبہ رساندم[2] کہ موزونانِ شہر را مستند[3] شدم۔ شعرِ من در تمام شہر دَوید و بگوشِ خورد و بزرگ رسید۔

یکروز، خالوے کذائی، بر طعامم طلبید۔ تلخے ازو شنیدم، بیمزہ شدم۔ دست[4] در طعام ناکردہ برخاستم۔ چون پاے چراغے نداشتم، شام از خانۂ او برآمدہ راہِ مسجدِ جامع پیش گرفتم۔ اِتّفاقاً راہ غلط شد۔ بر حوض قاضی کہ آبگیر خوردے نزدیک بحویلی وزیر الممالک اعتماد الدولہ واقع است رسیدم، و آب کشیدم۔ آنجا علیم اللہ[5] نام شخصے پیش آمد و گفت کہ "شما میر محمد تقی میر نباشید[6]؟" گفتم: "از چہ شناختی؟" گفتا: "طورِ سودائیانۂ شما مشہور است۔ رعایت خان کہ پسرِ عظیم اللہ خان، یزنۂ اعتماد الدولہ قمر الدین خان، باشد از روزیکہ زادۂ طبعِ نکتہ انگیز باُو رسیدہ است، اشتیاقِ ملاقات بیش از بیش دارد۔ اگر بدستِ من اُو را دیدہ شود سببِ مجرائیِ من گردد۔" رفتم و[7] دیدم۔ آدمیانہ برخورد و باخود رفیقم کرد۔ تمتّعے ازو بستم، و از قیدِ تنگدستی رستم۔

ہنگامیکہ شاہِ درّانی بہ لاہور آمد و شاہنواز خان، پسرِ زکریا خان، کہ صوبیدارِ آنجا بود، گریخت، وزیر و صفدر جنگ و ایشر سنگھ، پسرِ راجا جے سنگھ، کہ زیندارِ کلانے بود، بادشاہزادۂ احمد شاہ را باخود[8] گرفتہ بجنگِ اُو برآمدند۔ آنطرفِ سرہند بوزیر گولہ رسید، و زیندارِ مذکور پس خم زد، صفدر جنگ و مُعین الملک کہ پسرِ وزیرِ شہید باشد، احمد شاہ را سوار کردہ، جنگِ افغانان[9] زدند۔ من درین سفر با خانِ مسطور بودم[10]، و خدمتہاے نمودم۔ ہرگاہ شکستِ فاحشے بر لشکرِ افغانان[11] اُفتاد، و گریخت، معینُ الملک ناظمِ

---

[1] ن ۲: معلّی بادشاہان۔
[2] ن ۲: رسانیدم۔
[3] ن ۲: مستفید۔
[4] ن ۲: و دست۔
[5] ن ۲: علیم الانام۔
[6] ن ۲: نباشند۔
[7] ن ۲: واوَ ندارد۔
[8] ن ۲: باخود ندارد۔
[9] ن ۲: افغان۔
[10] مط: منظور۔
[11] ن ۲: افغان۔

لاہور شد۔ خانِ مذکور چون عفوِ از جا رفتہ، ترکِ رفاقتِ اُو گرفتہ، با صفدر جنگ روانۂ شہر شد۔

قریبِ پانی پت، کہ شہریست مشہور، چہل کروہی شاہجہان آباد، خبر رسید کہ محمد شاہ بآن جہان خرامید۔ عالمے لکدِ روزگار خورد۔ صفدر جنگ لکد برابر زدہ، چتر و تختِ پیشِ احمد شاہ آورد۔ نوبتِ سلطنت باُو رسید۔ باکرّ و فرِّ تمام داخلِ شہر شد۔ اینجا جاوید خان، کہ خواجہ سرائے بادشاہ [illegible] بود، بخطابِ "نوّاب بہادر" مخاطب گشت۔ و اختیارِ سلطنت بدست [illegible] و افتاد۔

ہر روز اختیارِ جہان پیشِ دیگریست

دولت مگر گداست کہ ہر روز بر دریست

وقتیکہ نظام الملک آصف جاہ در دکن فوت گشت[۱]، منصبِ وزارت بہ صفدر جنگ رسید، و سادات خان ذوالفقار جنگ بہ بخشی گری سرفراز گردید[۲]۔ امارتِ وزیر حال بجائے رسید کہ پال و کوپالِ او را شاہ ہم نداشت۔ بخشیِ حال، راجا بخت سنگھ را، کہ زمیندار[۳] کلان کارِ نام گرفتہ بود، و برادرِ کلانش ابھے سنگھ، ریاستِ جودھپور داشت، نیابتِ صوبۂ اجمیر دادہ، بر روے اُو دوانید۔ راجۂ مذکور [illegible] را سردارِ فوج نمودہ، با خود برد۔ در ظاہرِ سانبھر کہ قصبہ ایست معروف، بیست کروہ این طرفِ اجمیر، ہر دو لشکر طرف شدند، و جنگ توپخانہ بمیان آمد۔ مردمانِ طرفِ ثانی پاسِ نمک نکردہ[۴]، چون غیرت بجا ماندن، یک روز ہم تن ندادند، تا بجان دادن[۶] چہ رسد! ناچار[۷] رئیسِ آن طرف، کلہار را، کہ در سردارانِ دکن نام برآوردہ مردے[۸] بود، درمیان دادہ [illegible] کرد و [illegible][۹] من پس از صلح، برائے حصولِ سعادتِ زیارتِ درگاہِ فلک اشتباہِ خواجہ بزرگ رفتہ

---

۱ ن ۲: کرد۔

۲ ن ۲: [illegible]

۳ ن ۲: [illegible]

۴ ن ۲: [illegible]

۵ ن ۲: کردہ۔

۶ ن ۲: [illegible]

۷ ن ۲: ناچار [illegible]

۸ ن ۲: [illegible]

۹ یعنی [illegible] رفت۔

دسیرِ آن نواحی کرده برگشتم۔

اینجا در اَمرے زبانبازی بمیان آمد۔ راجا بخت سنگھ ابرو تُرش کرد۔ صحبتِ خان[51] و اُو قردتی شد۔ ستار قلی خان کشمیری کہ صوتبازے بیش نبود، بر وصد دہن خواند[52]۔ کار بنزاع کشید۔ خان صرفہَ خود ندیده مرا فرستاد و عذرِ ده زبانی[53] خواست۔ رفتم، و از جانبِ او مصحف خوردم[54] کہ آینده چنین نخواهد شد۔ اما دلش آبے نخورد[55] و صرفہ نداد[56]۔ زرِ تنخواهِ مردمانِ رسالہ همگی فرستاد، و خیر باد کرد۔ بارے بخیر گذشت۔ خان از انجا واسوخته[57] بشهر آمد و چندے درخانه[58] نشست۔

نقل[59] شبِ ماه برمهتابی پسرِ خوانندهٔ[60] رو بروے خان نشسته بود و میخواند۔ چون مرا دید گفت کہ[61] "میر صاحب، دو سه شعرِ ریختۂ خود باین بیاموزید کہ این طفل دربستۂ نگار درست کرده بخواند۔" گفتم کہ "من نقشِ این کار ندارم۔" گفت: "شما را بسرِ من!" چون[62] پاے تبعیّت درمیان بود، ناچار حکمِ او کشیدم۔ پنج[63] شعرِ ریختہ به او آموختم۔ امّا بسیار برطبعِ نازکِ من گران آمد۔ آخر بعد از دو سه روز، خانه نشین گشتم۔ هر چند لطف فرمود، نرفتم۔ و ترکِ آن روزگار گرفتم۔ مُروّتِ ذاتیِ آن مرد نگذاشت کہ فقیر را ناکام گُذارد۔ برادرم میر محمد رضی را، نظر برفاقتِ من، اسپ از خانۂ خود داد و نوکر کرد۔ چون پس از مُدتِ مَدید رفته ملا[illegible] نمودم عذرِ بسیاری نمود۔ گفتم: "گذشته را صلواة۔"

هرگاه چندے برین گذشت تلاشِ روزگار بخانۂ نوّاب بهادر کردم، و نوکر شدم۔ اسدیار خان بخشیِ فوجِ اُو، احوالِ مرا نقل کرده، اسپ و تکلیفِ نوکری معاف کنانید،

---

[51] ن ۲: خان ندارد۔ ن ۱: "خان و اُو" ندارد۔ (قردتی شد۔ یعنی صحبت بے مزه شد۔)

[52] یعنی صد قسم سخن۔

[53] هرزه گوئی۔

[54] یعنی قسم خوردم۔

[55] یعنی اعتبار نکرد۔

[56] یعنی فرصت نداد۔

[57] ن ۲: دل سوخته۔

[58] ن ۲: بخانه۔

[59] ن ۲: نقل ندارد۔

[60] ن ۲: خوانند۔

[61] ن ۲: کہ ندارد۔

[62] ن ۲: چو۔

[63] ن ۲: دچهار پنج۔

پاسِ من از حدّ بیشتر میکرد، "پهلو میداد - خدا[1]یش خیر دهاد.

ایا[2]میکه قائم خان پسرِ محمد[3] خان بنگش بجنگِ روهیله ها کُشته شد، و صفدر جنگ برائے ضبط کردنِ خانۂ[4] او رفت، من بتقریبے[5] با اسحٰق خان نجم الدّوله، جهت[6] سیرِ آنطرف رفتم. چون با احمد خان برادرِ خوردِ قائم خان، جنگِ عظیم رُو داد، فوجِ وزیر شکست خورد، و اسحاق خان کُشته اُفتاد - بآن لشکرِ شکست خورده، باز بشهر رسیدم[7]، و تصدیع بیحد کشیدم - وزیر بارِ دیگر لشکر کشید، و افغانان را مغلوب ساخته، بتسلّطِ تمام در حضور آمد.

درحینیکه، ذوالفقار جنگ میر بخشی بسببِ خصومتِ نوّاب بهادر از پایۂ خود اُفتاد، و[8] نوبتِ امیر الاُمرائی به غازی الدّین خان فیروز جنگ، پسرِ آصفجاه رسید، او[9] برائے نظم و نسقِ صوبۂ دکن رفت، و در راه هیضه کرده درگذشت - خلعتِ بخشیگری عماد الملک پسرش پوشید - بنده ترکِ ملاقاتِ عزیز[10]ان گرفته، بخواندنِ مُطوّل مشغول شدم -

موسمیکه، صفدر جنگ، نوّاب بهادر را بدغا کُشت، روزگارِ عالمے برهم خورد - من نیز بیکار شُدم - مهانراین دیوانِ وزیر، بدستِ داروغۂ دیوان[11]خانۂ خود، میر نجم الدّین علی (سلاّم) تخلّص، که پسرِ میر شرف الدّین علی "پیام" بود، چیزے فرستاد، و باشتیاقِ بسیار[12] مرا طلبید - دست در دامنِ پهلو دارِ او زدم، (و چند ماه بفراغت گذرانیدم -

هنوز خونِ خواجه سرائے مظلوم نخوابیده بود[13]) که روزگار سر پائے زده، فتنۂ عجیبے[14] را از خواب بید[15]ار ساخت، و طرحِ هنگامۂ عظیمے انداخت - یعنی وزیر را توجّهے پیدا شد، سر از

---

[1] ن ۱: خدایش.
[2] ن ۲: در ایامے که.
[3] ن ۲: احمد خان.
[4] ن ۲: خ[illegible]ادر.
[5] ن ۱: بتقریبے رخصت گرفته با اسحٰق خان.
[6] ن ۲: [illegible].
[7] ن ۱: آمدم.
[8] ن ۲: وا[illegible]دار د.
[9] ن ۲: و[illegible].
[10] [illegible]
[11] ن ۲: توپخانه.
[12] ن ۲: بیش از بیش.
[13] ن ۱: [illegible] تا خوابیده بود [illegible].
[14] ن ۲: عجب.
[15] ن ۱: [illegible]

فرمانِ بادشاہ پیچید۔ ہر چند بدرِ صلح زدند، امّا سر از غُرورِ ثروت فرود نیاورد، ناچار بادشاہ از پئے او رَسن تابید[1]۔ آخر از شہر برآمدہ، آمادۂ جنگِ خداوندِ نعمت شد۔ اینجا عماد الملک نبیرۂ آصفجاہ، کہ منصبِ بخشیگری داشت، و انتظام الدولہ خالوے او، پسرِ اعتماد الدولہ شہید، و دیگر سرداران فوجِ بادشاہی بحفاظتِ شہر پر داختند۔ شہرِ کُہنہ تمام بغارت رفت۔ تا شش[2] ماہ جنگ درمیان بود۔ اگرچہ بالقوۂ خصمانہ اونداشتند، لیکن کسانِ فوجِ شاہ آنچنان پا فشردند، کہ کار را پیش بُردند۔ پاے ثباتِ وزیرِ سرکش، از پیش بدر رفت۔ ناچار پیغامِ صلح فرستاد۔ بادشاہ ہزیمتِ او را غنیمت دانستہ، دستوریِ صوبہ اَش داد۔ وزیر انتظام الدّولہ شد۔

درین ایام، من از نا[3] مُساعدتِ ایام، ہمسایگیِ خالو گذاشتہ، نظر برین کہ مرا بچشمِ کم خواہد دید، در حویلیِ امیر خانِ مرحوم — کہ امیرِ کلانِ عہدِ محمّد شاہی بود، و صوبہ داریِ الہ آباد، و رگِ خوابِ سلطنت در دست داشت، و انجام تخلّصِ اوست — بخوش سلیقگی و طلاقت[4] لسان زبان زدِ مردم است، و مُوجبِ فُہمِ علی محمّد روہیلہ شدہ، بادشاہ را برآوردہ، اُو را بگیر آوردہ بود[5]۔ انجامِ کار از دستِ[6] یکی از نوکرانِ خود، بر دروازۂ دیوانِ خاص کُشتہ شد[7] — سکونت اختیار کردم، و بلطائف الحِیَل بسر بُردم۔

عماد الملک در اندک مدّت زور بہم رسانیدہ، سردارانِ دکن را از خود ساختہ، بجرمِ رفاقتِ صفدر جنگ، بر[8] سورج مل، کہ[9] زمیندارِ زور آور[10] بود، لشکر کشید، و از سرِ تہوّی قلعۂ اُو محاصرہ کردہ، کار را تنگ گرفت۔ پسرِ ملہار درہمان[11] جنگ کُشتہ اُفتاد۔ زمیندارِ مذکور نوشت و خواندے با وزیر داشت۔ این معنی سببِ نفاقِ[12] طرفین شد۔

---

[1] ن ۲: آتش۔ [2] ن ۲: تاندارد [3] ن ۲: تا ندارد۔

[4] ن ۲: لطافت۔ [5] ن ۲: او را بگیر آوردہ بود ندارد۔ [6] ن ۲: بدست۔

[7] ن ۲: گردید۔ [8] ن ۲: کہ بر۔ [9] ن ۲: کہ ندارد۔

[10] ن ۲: زمیندار داوری (کذا) [11] ن ۲: درہمان روز در جنگ۔ [12] ن ۲: اتّفاق۔

بادشاه برآمده، بست[1] کروه آنطرفِ آبِ جمن، قریبِ سکندرآباد خیمه کرد. روزے شام خبر رسید که سردارانِ دکن و عماد الملک با سورج مل طرحِ آشتی انداخته، باراده غارتِ دایرهٔ لشکرِ بادشاه حاضر یراقِ جنگ گردیده، دویده[2] اند، قریب است که برسند. بادشاه بمصلحت، صمصام الدوله میرآتش، و حرام کوزهٔ چند، که بکار پردازانِ بخشیگری ساخته بودند، ناموس را هم گذاشته، مضطرب و سراسیمه گریخت. آنجا نزدیک بصبح، فوج دکن رسید، و لشکر را همگی بغارت برده، متعاقب آمدند، و آنروے آبِ جمن[3] خیمه ها زدند. نسق شد که از مردمانِ بادشاهی کسے در[4] قلعه نماند. اگرچه آن حرام[5] توشه ها پیشتر ازین برخاسته رفته بودند. بعد از بند و بست عماد الملک آمد، و قلمدانِ وزارت گرفت. وزیر مغز[6] خر خورده، از غردلی[7] بکنجے خزید، و بادشاه خرد گم کرده، متوجه باغ گردید. بعد از ساختے یارانِ غدار بغدر دستگیر نمودند، و میل در چشمش کشیدند. نبیرهٔ بهادر شاه را بر تخت نشاندند، و عالمگیر ثانیش خواندند. مردمانِ بے ته درعرصه درآمدند[8]. هرچه شد بیجا شد. صمصام الدوله که از عقل بهره نداشت، امیر الامرا شد. من درین سفر وحشت اثر[9] با احمد شاه بودم[10]. آمده عزلت اختیار نمودم.

درین[11] حال خبر رسید که صفدر جنگ بساطِ حیات در پیچید. و ریاستِ صوبه به شجاع الدوله پسرِ او قرار یافت[12]. خالوے من بادیه پیماے طمع[13] شد. یعنی در لشکرِ شجاع الدوله باین توقع رفت که برادرانِ اسحق خان شهید آنجا هستند، نظر بر حقوقِ سابق، رعایتے خواهند کرد. جز باد بدستش نیامد. لگدِ زمانه خورد، و بهمانجا مرد. مردهٔ او را آوردند، و در حویلی اش بخاک سپردند.

---

۱ ن ۲: وبست.　۲ ن ۲: دویده اند رو.　۳ [illegible]
۴ ن ۲: در قلعه کسے.　۵ ن ۲: حرام زاده توشه ها.　۶ ن ۲: [illegible] خورده.
۷ ن ۲: از غردلی ندارد.　۸ ن ۲: در ندارد.　۹ ن ۲: [illegible]　۱۰ ن ۲: [illegible]
۱۱ ن ۲: و درین حال خبر رسید که.　۱۲ ن ۱: رسید.　۱۳ ن ۲: [illegible]

بعد از دو سہ ماہ، راجا جُگل کشور، کہ در وقتِ محمّد شاہ وکیلِ بنگالہ بود، و بہ ثروتِ تمام میگذرانید، مرا از خانہ برداشتہ بُرد و تکلیفِ اصلاحِ شعرِ خود کرد۔ قابلیّتِ اصلاح ندیدم، بر اکثرِ تصنیفاتِ اُو خط کشیدم۔

درین ہنگام، راجا ناگرمل کہ در سلطنتِ فردوس آرامگاہ بدیلوانیِ خالصہ وتن[1] ممتاز بُود، بہ نیابتِ وزارت و خطابِ مہاراجگی و عمدۃ الملکی، سرفراز شد۔ چون مظلومانِ شہر را در خانۂ خود جا میداد، و بدادِ ایشان میرسید، کارِ آن سرکردہ بدشمنی کشید۔ اگر بہ دربار می رفت، خودش باحزمِ تمام، و کمالِ طمطراق۔ و فوجِ اُو ہمہ حاضر یراق۔ فریبِ یارانِ بد پرداز[2] نمی خورد، بہ بالا چاقی بسر می بُرد۔

درین ولا، صمصام الدّولہ، کہ عبارت از میر بخشیِ حال باشد، بمرضِ سل درگذشت پسرش کہ بے حقیقتِ محض است، بجاے او مقرّر شد۔

درین اثنا، شاہ دُرّانی، کہ ہزیمت خوردہ از سرہند رفتہ بود، و در سر خیالِ ہندستان داشت، بالشکرِ[3] گران بہ لاہور آمد۔ وضیع و شریفِ آنجا، چہ ستمہا کہ نکشیدند و[4] چہ جفا ہا کہ ندیدند۔ چون مانعے نبود، از انجا قصدِ شہر نمود۔ یعنی مُعین الملک پیشتر مغلوب[5] شدہ، بعد از چندے از اسپ اُفتاد و رُو بوادیِ عدم نہاد۔ و[6] از آمد آمدِ اُو رنگ از کلّۂ یاران پرید۔ از بادشاہ و وزیر ہیچ نشد۔ آخر برسمِ پذیرۂ اُو[7] رفتہ، قید شدند۔ راجا ناگرمل با بعضے رؤسا، مثلِ سعد الدین خان خان سامان وغیرہ، برائے حفظِ خود بقلعہ جاتِ سُورج مل رفت۔ قریب یک ماہ بر شہر سختیِ مُصادرہ ماند۔ آنگاہ شاہ بعالمگیر سلطنت بخشیدہ، وزیر را با خود گرفت و اندازِ اکبرآباد کرد۔ فوجِ اُو دستِ[8] غارت کُشاد۔ متھرا کہ تیرتھ کردہ اینطرف شہرے بُود باکمالِ رونق و آبادی، قتل شد۔ چون ہوا متعفن گردید، شاہ از

---

[1] ن ۲: وتن ندارد۔
[2] ن ۱: بے تہ۔
[3] ن ۲: لشکر۔
[4] ن ۲: واوَ ندارد۔
[5] ن ۲: مغلوب اُو۔
[6] ن ۲: واوَ ندارد۔
[7] ن ۲: او ندارد۔
[8] ن ۲: در دوست۔

خوفِ طاعُون معاملتِ سورج مل[1] ملتوی گذاشته، دفعةً کوچید، و دخترِ محمّد شاه را به حبالهٔ نکاح درآورده، بالا بالا رفت۔ عماد الملک در نواحِ اکبر آباد ماند۔ نجیب الدّوله[2] که در جنگِ صفدر جنگ نوکرِ وزیر شده بود، ترقّی نمایان کرده میر بخشی گردید و مختارِ سلطنت شُد۔

اینجا، راجا ناگرمل، با سردارِ[3] دکن برخورده[4]، وزیر و احمد خان و آنها را بر نجیب الدّوله بُرد۔ اُو شهر بند گشت۔ جنگِ توپخانه بمیان آمد۔ بعضے از سرداران که برائے خویش بودند، باندک غلبه اندازِ خرابیِ شهر میکردند۔ راجهٔ مذکور که مدّعایش جُز نیکنامیِ وزیر هیچ نبود، برائے ممانعت برکار سوار شده، آنها را باز میداشت، و میگفت که "بر شهر زدنِ شما بر قالب زدن است۔ فوجِ دکن ناموسِ عالمے برباد خواهد داد۔ شما ره بندِ این کار نه اید، نشود که شهر بغارت رَود، و بدنامی عائد شود۔ اَصلح آنست که روهیله را بالصُّلح برآریم و شهر را سلامت نگهداریم"۔ پایانِ کار با نجیب الدّوله سر[5] کرد، و از شهر برآورد[6]۔ اُو به سهارن پور که در فوجداریِ خود داشت، رفت۔ وزیر و اَعزّهٔ دیگر داخلِ شهر شده فوجِ دکن را رخصت نمودند۔ داروغگی[7] توپخانه به پسرِ[8] راجا تقرّر یافت۔ میر بخشی احمد خان شد[9]۔

یکے پیشِ راجا جگل کشور شکایتِ روزگار کردم۔ آن عزیز از خجلت سرخ و زرد شده گفت که "من شالِ کهنه دارم، اگر دستے میداشتم، چشم نمی پوشیدم"۔ روزے سوار شده بخانهٔ ناگرمل رفت و تقریبِ من کرده، طلب داشت۔ رفتم و بدستور ملاقات نمود، لطفِ بسیارے کرد و گفت: "ضیافتِ شیراز حاضر است"۔ یعنی حقیقت ... رسید، بارے تسلّی شدم و برخاستم۔ روزِ دیگر که صحبتِ شعر اتفاق شد گفت که "... میر مانا بعقدِ گُهر است۔ طرزِ این جوان مرا بسیار خوش می آید"۔ همین و تیره چند ...

---

[1] ن ۲: را ملتوی۔
[2] ن ۲: نجیب خان روهیله۔
[3] ...
[4] ن ۲: برخورد۔
[5] ن ۲: کرده
[6] ن ۲: ...
[7] ن ۲: واردگی۔
[8] ن ۱ و ن ۲: برائے ...
[9] ن ۱ و ن ۲: میر بخشی گری ...
[10] ...

امّا چیزے بدست نیامد۔ چون کارد باستخوان رسیده بود، اضطراب بسیارے لاحق شد۔ یکے بعد از نمازِ صبح بَر درِ ایشان رفتم[1]۔ جے سنگھ نام میرده چوبداران پیش آمد، وگفت[2] کہ "این کدام وقتِ دربار است؟" گفتم کہ "حالتِ اِضطرار است[3]۔" گفتا: "شُما را مردمانِ درویش میگویند، مگر گوش زد نشده است کہ: لا تتحرّك ذرّة إلّا بإذن الله اینجا از علوے مرتبت پَروائے کسے نیست۔ صابر و شاکر باید بود، ہمہ چیز درگرو وقت است۔ این راه اندکے دوُر است۔ دیدنِ پسرِ کلانِ[4] ایشان ضرور است۔" ترآمدم وبرآمدم شبے بگفتۂ اوُ پیشِ پسرِ ایشان رفتم[5]۔ دربانے ممانعت کرد وگفت: "دیدنِ ایشان اینوقت اِمکان ندارد۔" ناچار برگشته آمدم۔ دیگر[6] بعد از نمازِ عشا باز رفتم۔ دیدم کہ در بے دربان است۔ پُرسیدم کہ دربان کجا رفت؟ گفتند: "امروز[7] دردِ سرش بجدّے گرفته بُود کہ نمیتوانست نشست۔" دانستم کہ ارادۂ حق تعالیٰ متعلّق است۔ بدیوان خانہ درآمده دریافتم وصحبتِ شعر داشتم۔ خواجہ غالب[8] کہ جوانِ زورمندے بود، و[9] با من تعارف داشت، احوالِ مرا مفصّل گفته چیزے مقرّر کنانید۔ تا یک سال می یافتم۔ شبے بخدمتِ راجا حاضر شدم، ایشان زرِ یک سالہ مرا تنخواه نموده گفتند: "اکثر[10] مرا می دیده باشید[11]۔" ازان روز بعد نمازِ عشا بطریقِ ملازمان درخانہ باغ ایشان میرفتم وتا دوپہرِ شب میماندم۔ گُلِ این خدمت آن بود کہ بشگفتگیِ خاطر اَوقات میگذرانیدم۔

اکنون خامۂ زبان دراز طرحِ سخن بطورِ دیگری اندازد۔

سانحہ[12] سردارانِ دکن ملک را از (آنِ) خود[13] میدانستند وخیالِ جنگِ شاه درسر

---

[1] امّا چیزے تا ایشان رفتم در نسخہ ۲ ندارد۔ [2] ن ۲: وپرسید۔ [3] ن ۱: از تنگدستی بجان آمده ام۔
[4] ن ۱ و ن ۲: دیدنِ صاحبزاده ضرور۔ [5] ن ۱ و ن ۲: بر درِ رائے بہادر سنگھ رفتم۔
[6] ن ۲: شب دیگر۔ [7] ن ۲: کہ امروز۔ [8] ن ۱: خواجہ جالب۔ [9] ن ۲: واوٴ ندارد۔
[10] ن ۲: کہ ترا۔ [11] ن ۲: باشند۔ [12] ن ۲: ندارد۔
[13] این جا "از آنِ خود" می باید امّا در نسخہ ۲ ہمین است۔ تصحیح قیاسی۔

میداشتند۔ تیمور شاہ پسر شاہ دُرّانی و جہان خان سردارِ فوج را با مردم قلیل شنیده، و از دنبالۂ آن پروا نکرده، یلغر بہ لاہور رفتند۔ فوجِ کمِ شاہی، تابِ جنگ نیاورده، گریخت۔ اینہا تا برود خانۂ "اٹک" متصرف شده صاحبا نام سردارے را برائے ضبطِ آن طرف گذاشتہ روانۂ وطن کہ عبارت از دکن است گشتند۔

چون نوشتنِ این سانحات بر سبیلِ اجمال منظور داشتم، اکثر مقدّمات مثل چشم سخت کردنِ عماد الملک بر شجاع الدولہ و مُصلح بودنِ راجا، و ہنگامۂ بے ادائی بدخشیان، و زبون گشتنِ آنہا از جرأتِ وزیر و راجا و نجیب خان، و رفتنِ وزیر بہ لاہور برائے ضبطِ اموالِ مُعین الملک کہ خسرِ اُو بود، و برآوردنِ زنِ صوبہ دارِ مذکور از شہر مسطور، وکُشتنِ عاقبت محمود کشمیری، وکُشتہ شدنِ ستار قلی خان کشمیری، و خرابی شہر دہلی، و بغارت رفتنِ خانہائے مردم، از جورِ بے تہے چند، کہ تازه بر روئے کار آمده بودند، و غافل بودنِ این خران، از چوبِ خدائی، و رفتنِ عالی گہر بائی از سرداران دکن، کہ دلالہ تہمتِ بادشاہت است، و بدستِ فرنگیان گرفتار۔ و پس از چندے آمدنِ اوبتہ برائے ملازمتِ پدر، و برسم پذیره رفتنِ راجا، و نذر کردنِ یاران، و زخمی شدنِ [illegible] رفتنِ او بجانب شرقی، و لگدِ بخت خوردن، و بادشاه شدن، و قید کردنِ [illegible] از دولت [illegible] و برآوردنِ سلاطین از قلعہ [illegible] و باز آمدنِ آنہا [illegible]

است [illegible] آوردن [illegible] ہنگامہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

را بعرصهٔ ظهور آورد۔ آشوبے عجیبے[1] برخاست۔ یعنی سردار[2] جنکو نام بافوجِ بسیارے از دکن رسید و گذار[3] لشکرش در سوادِ شهر[4] افتاد۔ دلِ اکثرے از جا شد۔ قیامت برپا شد۔ رئیسان رنگِ رُو باختند، شاه و وزیر باؤ ساختند۔ دتّا نام[5] سردارے که مدار المهام آن سردارِ جگردار و جوانِ چار شانه بود، از خود کرده، به[6] نجیب الدوله، که[7] بکنارِ گنگ در جاے قلب ثبات قدم ورزیده تمکّن داشت، دوانید۔ آنجا جنگِ عظیم اتفاق افتاد۔

اینجا عزیزان بخانهٔ وزیر انجمن شدند، که اگر این فوجِ سنگین برگردد و بَر ما ریزد، قیامتے برانگیزد که عالم تہ و بالا شود، و شهر بغارت رود۔ اگر دست دهد شریک شده کارِ نجیب الدوله بسازیم، وگرنه واسطه گردیده[8] بصُلح پردازیم۔

هرگاه قرار یافت، وزیر برآمد و آنطرفِ آب خیمه کرده، مکلّفِ بادشاه گشت اُو تمارض نموده جوابِ صاف داد۔ یاران چون از بادشاه دلجمعی نداشتند، مشورت کردند که بشهر بروند، و بادشاه را از میان بردارند، و انتظام الدوله را نیز زنده نگذارند۔ راجا همان شب آنروے آب رفت۔ سفیده[9] دم آن سیاه درونان از لشکر بشهر آمده، پیشِ بادشاه حاشا زدند که ما با وزیر بدیم، امّا زمانه سازی میکنیم۔ فوزِ عظیمے دست بهم داده است اگر حضرت دریابند۔" آن ساده لوح فریبِ آن ناسرانجامان خورده، پُرسید که "چیست؟" گفتند: "فقیرِ صاحبِ کمالے دست از دُنیا برداشته، از دو سه روز در قلعچهٔ[10] فیروزشاه وارد است۔ فردا خواهد رفت۔ آخرِ روز اگر دیده شود غالب است که از دعاے این[11] بزرگ ازین بلا[12] رهائی یابیم[13]، و بر وزیر غالب آئیم۔" بادشاه از زبان در تہ زبان داشتنِ عزیزانِ عصرِ غافل بُود، وعده داد که البتّه خواهیم دید۔ آخر نزدیک بشام[14] سوار کرده، بُردند۔ چون

---

[1] ن ۲: و آشوبے عجیبے۔ [2] ن ۲: سردارے۔ [3] ن ۲: گذر۔ [4] ن ۲: شهر ندارد۔
[5] ن ۲: یارانِ دتّا۔ [6] ن ۲: بر۔ [7] ن ۲: که ندارد۔ [8] ن ۲: دیده۔
[9] ن ۲: د سفیده۔ [10] ن ۲: قلعه۔ [11] ن ۲: آن۔
[12] ن ۲: بلا با۔ [13] ن ۲: بیابیم۔ [14] ن ۲: شام۔

در قلعچه رسید بزخمِ کارد کارِ آن بیگناه ساختند، و مردهٔ اُورا[1] پائینِ دیوار انداختند. بعد از[2] شام ازانجا برگشته در نماز رسن بگلوے خانخانان افگنده کشیدند، و بسختی تمامش کشته لاشهٔ اُورا[3] از نظرِ مردم پنهان ربودند و غرقِ دریا نمودند. مُردهٔ پادشاه تمام روز برسوائی تمام بر رُوے[4] خاک اُفتاده ماند. هرکه میدید بر مُرتکبانِ این امرِ ناشایسته لعنت میکرد. آخر وارثانِ اُو جگر از سنگ کرده، شباشب زیر[5] خاکش پنهان ساختند، و از هراسِ آن بے چشم و رُویان ماتم نگرفتند. صبح دیگر آن ستم کیشان، در قلعه آمده، شاهجهان نام جوانے را بر تخت نشانیدند و نذر ها گذرانیدند. مدتِ سلطنتِ عالمگیر ثانی هفت سال بود.

هرگاه این زبون گیر چند از کشتنِ بادشاه و انتظام الدوله فراغت کردند، وزیر را کوچ بکوچ[6] بُردند. اُو بعد از قطعِ منازل وطیِ مَراحل بفوجِ دکن پیوسته، شریکِ جنگ شد. هفته برین نرفته بود که[7] خبر رسید فوج[8] شاهی از اٹک گذشته، صاحبا[9] را شکست داد. سردارانِ دکن جنگِ نجیب الدوله را گذاشته، سراسیمه برائے سدِّ راه شدن، روانه گشتند و برابر پانی پت از آبِ جون عبور نموده، فرود آمدند. در اثنائے راه[10] جهانے سر سخت خورد، ازانجا سنگ بسنگ زنان، آنطرفِ کرنال که قصبه ایست مشهور، و آستانهٔ شاه شرف بُوعلی قلندر آنجاست، خیمه گاه ساختند. شام شنیده شد که لشکرِ شاهی بر سمتِ دریا سیاهی کرد. ایشان نیز سیاهیِ فوج نمودند. روزِ دیگر پیش از تیغ کشیدنِ آفتاب، جوانانِ جرّار کارگذار، قریب هشت هزار سوار، و یکی از سرداران جدا کرده فرستادند. وقتیکه رفتند، و بروے[11] آن فوج ایستادند بیک تنگ تنگ ... افتادند. سخت دلانِ کوه پیکر، بر سرِ سنگ نشستند[12]. زخم زبان ...

---

[1] ن ۲: را ندارد.
[2] ن ۲: از ندارد.
[3] ن ۲: و ندارد.
[4] ن ۲: روے ندارد.
[5] ن ۲: بزیر.
[6] ن ۲ و ط: کوچ بالوچ.
[7] ن ۲: که ندارد.
[8] ن ۲: که فوج.
[9] ن ۲: صاحب.
[10] ن ۲: راه ندارد.
[11] ن ۲: برروئے.
[12] ن ۲: نشسته.

خونخواران آنطرف بوضعے آویختند کہ خونِ بساکس بیکدم ریختند۔ چشم[1] لشکریانِ این جانب ترسید، و دلِ جوانان بخود لرزید۔ اگر خدا نخواستہ آن دستہ بر دائرۂ لشکر میزد ہمانروز، کار بتمامی کشیدے، و از[2] ما مردمان یکے بشہر سلامت نرسیدے۔ اینان شاخ از پشیمانی برآوردہ برگشتند۔ آنان سر گاوے زدہ از آب گذشتند۔

ہرگاہ مخیمِ شاہ دوآبہ شد، و نجیب الدّولہ ملحق گشت، دکھنیان وزیر را، جہت محافظتِ لشکر[3] و شہر، دستوری دادند، و خود کنارِ آب گرفتہ آمدند، و شش کروہ آنطرف خیمہا زدند۔ اینجا وزیر، شہر را محکم کردہ، ملچارہا قسمت نمود، و[4] حویلی داراشکوہ کہ بر دریا واقع است، بہ راجا سپردہ، بادشاہِ نو را، کہ شاہجہان باشد، دید۔

پس از چہار[5] روز، فوجِ شاہ، و نجیب الدّولہ، باجُفت دویدہ، بدریا رسید۔ دلاورانِ پیکار خو[6] و سوارانِ جنگجو[7] (درپے پوزمال گردیدند۔ پیادگانِ روہیلہ پیش قدمی نمودہ ہنگامۂ جنگ[8]) را گرم ساختند، و چنان تردد کردند[9] کہ پایہاے شان پوست انداختند۔ ازین طرف دتّا کہ سرکردۂ فوج دکن بود، بکارگذارانِ خود پہلو دادہ، بیک پہلو اُفتاد[10]، و مقابل آن فوجِ سنگین ایستاد۔ نخستین تفنگے کہ ازان سو سرزدہ[11] شد، تیرِ اُو بہ دتّا رسید، و بہ[12] پہلو غلطید۔ دکھنیان دست و پا گم کردہ، لاشِ اُو را برداشتند، و کنارِ آب گذاشتند۔ آنان این طرفِ آب آمدہ، دستِ جلادت کشادند۔ اینان سر بہ[13] بیابانِ ہزیمت نہادند۔ وزیر سرداران خود را بر ملچارہا گذاشتہ، با فوجِ دکن آمیخت زمانۂ غدّار رنگ غرابی[14] ریختہ۔ دکنیان دنبالِ گریختگان اُفتادہ، اکثرے را علفِ تیغ بیدریغ کردند[15]

---

[1] ن ۲: چون چشم۔ [2] ن ۲: پاے۔ [3] ن ۲: لشکر و ندارد۔ [4] ن ۲: واو ندارد۔

[5] ن ۲: ... چہار روز۔ [6] مط: پیکارجو۔ [7] ن ۲: جو ندارد۔

[8] ن ۲: عبارت بین القوسین ندارد۔ [9] ن ۲: نمودند۔ [10] ن ۲: فتادہ مقابل آن۔

[11] مط: سرزدہ، ن ۲: سرزادہ (تصحیح قیاسی از مرتب)۔ [12] مط: بہ ندارد۔

[13] ن ۲: ... ندارد۔ [14] ن ۲: خرابی عالم۔ [15] ن ۲: کردہ و برگشتہ آمدہ اند۔

و برگشته انداز تاراجِ شهر نمودند۔

راجا شام از شهر برآمده، قصدِ قلعجات سورج مل کرد، و سلامت رفت۔ بنده برائے حفظِ ناموسِ خود، بشهر ماندم۔ بعد از شام، منادی شد که شاه امان داده است، باید که ـــــ رعایا پریشان دل نگردد۔ چون لختے از شب گذشت، غارتگران دستِ تطاول دراز نموده شهر را آتش داده، خانها سوختند و بُردند۔ صبح که صبحِ قیامت بود، تمام فوج شاهی و روهیله ها تاختند و بقتل و غارت پرداختند۔ دروازها شکستند، مردمان را بستند، اکثرے را سوختند، و سر بُریدند۔ عالمے را بخاک و خون کشیدند۔ تا سه شبانروز دستِ ستم بر نداشتند از خوردنی و پوشیدنی هیچ نگذاشتند۔ سقفها شگافتند۔ دیوارها شکستند، جگرها سوختند سینه ها خستند۔ آن زشت سیرتان بر در و بام۔ اکابران به بے سیرتی تمام۔ شیخانِ شهر بحالِ خراب۔ بزرگان محتاجِ دمِ آب۔ گوشه نشینان بیجا شدند، اعیان همه گدا شدند۔ وضیع و شریف عُریان۔ کدخدایان بے خان و مان۔ اکثرے به بلاها گرفتار، رُسوائے کوچه و بازار۔ بسیارے خداگیر، زن و بچه اسیر۔ بر سرِ شهرے هجوم، قتل و غارت علی العُموم۔ حالِ عزیزان به ابتری کشید۔ جان لبے بلب رسید۔ زخم میزدند و زبان تلخی میکشودند، زر را می گرفتند و تلافی مینمودند۔ باهر که بر میخوردند تا سترِ پوشش میبُردند۔ جهانے از جهان ناشاد رفت۔ ناموسِ عالمے بر باد رفت۔ شهر نو بخاک برابر شد۔ روزِ سوم نسق مُقرر شد۔ انزلا خان نام نسقچی باشی رسید۔ کُلاه ... و نیم تنِ مردم او کشید۔ بارے قدغنچیان غارتگران را از شهر برآوردند، باحتیاط پرداختند، و آن ... مردمان، بشهر کهنه چپیده، جهانے را هلاک ساختند۔ ...

ن ۲: نمود … [illegible]

ن ۲: رعایا پریشان … [illegible]

ن ۲: شب و روز … [illegible]

ن ۲: بر بازار … [illegible]

گرم بود۔ اسبابِ پوشش و قوتِ یکروزہ در خانۂ کسے نماند۔ سرِ مردمان بیکلاہ، زنان بے رومالِ سیاہ، جمعے، چون راہہا قفل بود۔ روزی از زخمِ پراگندہ خوردند[1]۔ جماعتے را، از سردیِ ہوا دندان بدندان کلید[2] و مُردند۔ بہ بے حیائیِ تمام تاختند روہا بر زمین[3] انداختند۔ غلّہ ہا را[4] از گرسنہ چشمی می آوردند، و بدستِ غربا بنطرح می فروختند۔ شورِ غارت زدگانِ شہر تا آسمانِ ہفتم میرسید۔ امّا شاہ خود را، کہ[5] نقیر میگرفت، بہ سببِ استغراق نمی شنید۔ ہزاران خانہ سیاہ، درعینِ آن آتشِ تیز، با داغِ دل[6]، جلاے وطن کردہ سر بصحرا زدند، و چون چراغِ صبحگاہی در راہ از ہواے سرد، خانہ روشن کردند۔ بے[7] شمار بیدست و پایان را، آن[8] سیہ درونان، در رکاب انداختہ، اسیرانہ بدائرۂ لشکرِ خود بردند۔ دست دستِ ظالمان بود۔ دست کجی میکردند، دست پلشتی مینمودند، دستِ چوب برسر[9] میکشیدند۔ دست ببازوے زنان میرسیدند، تیغہا می آختند، دستگاہ می ساختند۔ از دستِ شہریان ہیچ نمی آمد، زیراکہ دست و دلِ ایشان سرد شدہ بود۔ کسے دست پا چہ میشد، و کسے دست بزیر سرِ ستون مینمود۔ بر ہر درے درون سیاہے، در ہر برزنے بزنگاہے۔ بازارے و گیر و دارے۔ ہر طرف[11] خون ریزی، ہر سمت[10] بزآویزی۔ پاتا بہ پیچی میکردند، بناگوشی میزدند۔ غریبان از خوف خشک بودند دیدہ دارایان تر بہا مینمودند۔ خانہا سیاہ۔ کوچہ ہا داغگاہ۔ صدہا از چوبکاری ہلاک شدند۔ جامۂ خون بستہ یکے بر سرِ چوب کردہ نشد، عالمے از زخمِ ستم جامہ در خون کشید و جان داد۔ امّا کسے دم نزد۔ زمینِ شہرِ کہنہ، کہ جہانِ تازہ اش میگفتند، دیوارِ صورت کاریِ افتادہ را مانا شد۔ یعنی تا ہر جاکہ نظر میرفت، سر و سینہ و دست و پاے کشتگان بود۔

---

1 ن۱: ہم نخوردند۔
2 ن۱ و ن۲: کلید شد۔
3 ن۲: بزمین۔
4 ن۲: ہا ندارد۔
5 ن۲: کہ ندارد۔
6 ن۲: دل ندارد۔
7 ن۲: دبے۔
8 ن۲: آن ندارد۔
9 ن۲: برسر ندارد۔
10 ن۲: ہر سمت۔
11 ن۲: ہر طرف۔

خانهہاے آتش زدهٔ سینه سوختگان از نارِ[1] بتخانه بیاد میداد. یعنی تا چشم بینندگان کار میکرد، سیه مینمود. سخت خوردهٔ که خود را بکشتن داد آرامید. چشم خوردهٔ آنها روے بهبود ندید. منکه غنی تر بودم، فقیر تر شدم. حالم از بے اسبابی و تهی دستی ابتر شد. تکیه که بر سر شاهراه داشتم، بخاک برابر شد. غرضکه آن بیمروتان تمام شهر را بار کرده بردند. عزیزان همه ذلیل شده[2] جانها سپردند.

هنوز از نهیب[3] و غارت دست برنداشته بودند، مشهور شد که فوج هزیمت خوردهٔ دکن، بافوجِ دیگر که در نواحِ میوات بود، پیوست. ارادهٔ فاسدے دارد. شاه از استماع این خبر مهیاے آنطرف گشته، شاهجهان را، که تهمت زدهٔ چند ماهه[4] سلطنت بود، بدستورِ سابق در سلاطین فرستاد، و جوان بخت پسرِ عالی گهر را ولی عهدِ او گردانیده، از شهر کوچید و رفت. عماد الملک، همراهیان[5] سردارانِ دکن گذاشته، بقلعجاتِ سورج مل آمد[6] و نشست. وقتیکه شاه در نواحِ میوات رسید، و دکنیان دیدند که تیغِ ما نمی بُرد، و چشم لشکریان ترسیده است، جنگِ گریز کنان، بطورِ قدیم خود، تا شاهجهان آباد آمده، از دریا عبور کردند. شاه نیز متعاقب[7] در رسید، و شب در سوادِ شهر گذرانیده، از راهِ پایاب گذشت.

آنروے آب چون معسکر شد، جهان خان سردارِ فوجِ پیش رفته قریب سکندر آباد بافوجِ ملهار که احوالِ او گذارش یافت، در آویخت. شاه، از اینجا با سه هزار غلام سوار شده در عرصهٔ دو پاس شریکِ او شد. سردار آنطرف تابِ مقاومت ... دمِ خود را بیکے[8] از سردارانِ دکن سپرده، پنهان[9] گریخت. آن سرگرده ... داد و کشته افتاد. کسانِ دیگر دندان بحرف گذاشته، از زد بروے جراران فوجِ شاهی گریخته

---

[1] ن ۲: تعزیت خانه ها.
[2] ن ۲: شدند.
[3] ن ۲: نهیب.
[4] ن ۲: چند ماه.
[5] ن ۲: همراهی.
[6] ن ۱: رفت.
[7] ن ۲: بتعاقب.
[8] ن ۲: جلی از سران.
[9] ن ۲: تنها.

پراگندہ شدند۔ شاہ تاکول کہ قصبہ ایست معروف، تعاقب کنان رفت۔ گریختگان بقلعجات سورج مل پناہ بُردہ[1]، بعد از دو سہ روز، روانۂ پیشتر گردیدند۔ فوجِ شاہ[2] با یکے از قلعہ ہاے اُو، کہ اینطرفِ آبِ جون[3] بود، چسپید، و کار[4] بر مردمِ حصار سخت گرفت۔ زمیندارِ مسطور امدادِ آنہا بالقوۂ خود ندیدہ، بدرِ تغافل زد۔ ناچار حصاریان انتہازِ[5] فرصت یافتہ، ہنگامِ شب گریختند، و میاندار[6] فرستادہ صلح نمودند۔

سانحہ[7] ہنوز لشکر میانِ دو آب بود، شہرت یافت کہ فوج سنگینے از دکن باندازِ جنگ، در نواحِ اکبرآباد رسیدہ است، و زود میرسد۔ نجیب الدّولہ سرداران سمتِ مشرق مثلِ شجاع الدّولہ، و احمد خان، و حافظ رحمت وغیرہ را براے ملازمت آورد و ہر یکے را بوعدۂ ملکے خوش دل ساختہ، سراپا دہانید و آمادۂ جنگ گردانید درین نزدیکی بھاؤ —— کہ سرِ سردارانِ دکن بود۔ با انبوہ بیش از بیش از ملکِ سورج مل گذشت و وزیر و راجا اُو[8] را متمالی ساختہ با خود آورد، و متصرفِ شہر گشت۔ یعقوب علی خان کہ قرابتے با شاہ ولی خان وزیرِ شاہ دُرانی داشت، و در قلعۂ بادشاہی بتوقعِ آنکہ فوجِ شاہ آنطرفِ آب است، کمِ مددی نخواہد کرد، بخود سپردہ، بدست و دندان در جنگ چسپید۔ دکنیان[9] محاصرہ نمودہ، بباد لیبجہا گرفتند، اکثر مکاناتِ بادشاہی را کہ نظیر نداشتند، بخاک یکسان[10] ساختند۔ چون دریا بسببِ برشگال عسیر العبور بود و شاہ نمی توانست گذشت، خانِ مذکور بدستِ راجا سر بسر کردہ، از قلعہ بر آمد۔ نظر بر عہد و پیمان کسے مزاحمِ احوالِ او نشد۔ درین ایام من بخدمتِ راجا حاضر شدم و التماس کردم[11] کہ از گرم و سردِ روزگار در آتش و آبم، میخواہم کہ ازین شہر بر آیم و جاے دیگر

---

[1] ن ۲: آوردہ۔ [2] ن ۱: فوج شاہی را۔ [3] ن ۲: جون ندارد۔
[4] ن ۲: کارہا۔ [5] ن ۲: آنہا۔ [6] ن ۲: بمیان۔
[7] ن ۲: ندارد۔ [8] ن ۲: و ادرا۔ [9] ن ۱: جنوبیان۔
[10] ن ۱: برابر۔ [11] ن ۲: نمودم۔

بروم شاید کہ آسودہ شوم۔ ایشان رعایتے نمودند و رخصتم فرمودند۔ لواحقان را ہمراہ گرفتہ برآمدم[1]۔ جائے مدِ نظر نداشتم، بتوکّل قدم در راہ گذاشتم۔ در تمام روز پس[2] از خرابیِ بسیار ہشت و نہ[3] کروہ راہ طے شد۔ شب در سرائے زیرِ درختے بسر کردم[4]۔ صبحِ آن، زن راجا جگل کشور کہ احوالش نگاشتہ آمد، ازان راہ گذشت۔ ماکم پایان را از خاک برداشتہ ہمراہِ خود تا برسانہ — کہ معبدِ ہنود الست[5]، و قصبہ ایست ہشت کروہِ این طرف قلعجاتِ سورج مل — برد، و بانواعِ مراعات، دلدہی کرد۔

سلخِ ذی حجہ[6]، او بہ "کامان" — کہ سہ کروہیِ آن مکان شہر لیست سرحدِ[7] راجا جے سنگھ — رفت۔ بندہ با اہل و عیال در عشرہ آنجا اقامت نمودم[8]۔ فردائے عاشورہ قدم کشیدم و بہ کمھیر رسیدم۔

اینجا بہادر سنگھ نام — پسرِ لالہ رادھا کشن کہ پیشتر خزانچی گریِ صفدر جنگ داشت، و درین اوقات با راجا بود — شام[10] آمد و سر دستی بمن گرفتہ آدمیانہ سر کرد۔ احسانمندِ اویم کہ غیر از دوست روئی حقّے بر و نداشتم۔ چندے بفراغت ماندم، و روز و شب گذراندم۔

حکایت[11] روزے بسببِ فقدانِ اسبابِ معیشت، دلتنگ نشستہ بودم۔ بخاطر رسید کہ با اعظم خان — پسرِ اعظم خانِ[12] کلان کہ در عہدِ فردوس آرامگاہ امیر ششش ہزاری بود، و دست و دلے[13] داشت — اگر ملاقات کردہ شود، یکدو دمِ خوش برآوردہ شود۔ رفتم و در طویلہٴ سورج مل — کہ تازہ اقامتگاہِ خانہ خرابانِ شہرِ دہلی شدہ بود — برخوردم آن عزیز — خداش بیامرزاد

---

[1] ن ۲، ۱: پیادہ پا برآمدم
[2] ن ۲: پس ندارد۔
[3] ن ۲: و ا و ن [illegible]
[4] [illegible]
[5] ن ۲: ہنود است۔
[6] ن ۲: سلخ محرم۔
[7] ن ۲: [illegible]
[8] ن ۲: بے [illegible]
[9] ن ۲: نمودیم۔
[10] ن ۲ و مط: کذا۔
[11] ن ۲: حکایت [illegible]
[12] ن ۲: پسر اعظم خان ندارد۔
[13] ن ۲: و رو دے داشت۔

لب را بخیر پرسشِ[1] سن کشاد. سرِ رفتهٔ خود برزبان آوردم[2] سامعان را[3] از هوش بُردم. چون قهوه و قلیان[4] بمیان آمد این بیتِ[5] آمده برزبان آمد:

اِمروز که چشمِ من و عُرفی بهم اُفتاد
باهم نگریستیم و گریستیم و گذشتیم

چند شعر ازین قبیل خواندم. دوسه[6] اشک از مژه افشاندم. پس از نفسے چند، خان[7] را متفکر دیدم. گفتم[8]: "چه بخود[9] فرو رفته ای؟" گفت: "خیر." گفتم: "آخر؟" گفت: "سر گاه از شهر می آمدید،[10] اقسام شیرینی و انواعِ حلویات می آوردیم و باهم میخوردیم. امروز عجب اتفاقی است که دست به شکرِ خام هم نداریم تا کاسهٔ شربتے برائے شما بیاریم." گفتم که "توقعِ[11] اینهمه نیستم. آنهم بر سبیلِ تفنن بود. صاحب خوب میداند که گاہے شکم را نان شماد نکرده ام. اوقات مختلف است. آن هنگامِ شربت و شیرینی بُود، این موسمِ تلخی کشیدن است." همین گفت و شنود بود،[12] که زنے خوانے برسر، از در درآمد و گفت: "همشیرهٔ[13] سعدالدین خان خانساماں[14] دعا گفته است، و قدرے حلوائے نزاکت و شیرینیِ شنبه فرستاده." خان چون سرِخوان کشاد نگاهش بر گُلِ حلوا اُفتاد. گُل گُل شگفت، و بامن گفت که "این روسیاه قدرِ[15] خود خوب میداند. عمریست که بفاقه کشی میگذراند. گاہے از جائے دمِ آبے، لبِ نانے نرسیده،[16] تا به حلوا و شیرینی چه رسد. شما مهمانِ عزیزید. این اقامتِ شماست. حصهٔ مرا بدهید، و بخانهٔ خود فرستید."[17] گفتم: "بسیار است. من

---

[1] ن ۲: را ندارد۔
[2] مط: خبر پرسش ن ۲: خیر۔
[3] ن ۲: بیان نمودم۔
[4] ن ۲: از ندارد۔
[5] مط: حقّه و قلیان۔ تصحیح از ن ۱ و ن ۲۔
[6] ن ۲: آمده ندارد۔
[7] ن ۱: دودسه۔
[8] ن ۱: خان مذکور۔
[9] ن ۲: پرسیدم۔
[10] ن ۱: بخود چه۔
[11] ن ۱ و ن ۲: برمی خوردند۔
[12] ن ۱: این هم موقع نیستم۔
[13] ن ۱: شنید۔
[14] ن ۱: که همشیره۔
[15] مط: سعیدالدین خان، تصحیح مرتب۔
[16] ن ۱: خود ندارد۔
[17] ن ۱: نرسیده است۔
[18] مط: فرستید۔ تصحیح از ن ۱۔

چه خواهم کرد۔" گفتا: " بکارِ میر فیض علی پسرِ شما خواهد آمد:" غرضکه مردِ[1] خوشے بود، کاسه بند نموده، قاب حلوا و خوانِ شیرینی بخانهٔ من فرستاد و خندان خندان دلم داد۔ دو روز بهمان[2] شیرینی گذرانیده شد۔ روزِ سوم رائے بشن سنگه پسرِ خوردِ راجا[3] مرا طلبید، و احوال گیری کرده گفت[4]: " تا تشریف آوردنِ[5] راجا صاحب پیشِ من باشید[6]۔" گفتم که[7]۔ " اسبابِ معیشت مفقود است۔" گفت: " دل را جمع کنید[8]۔ اینجا همه چیز موجود است" آں نوگُلِ باغِ کرم که شاداب و خرّم باشد بشگفتگیِ خاطر، مایحتاجِ مرا می رسانید[9]۔

سانحه[10] اینجا چنان مسموع شد که بشهر شهرت گرفت که صمد خان[11] فوجدارِ سرهند، با چند زمیندار، و فوجِ بسیار، می آید، و ارادهٔ لشکرِ شاه دارد۔ بهاؤ سردارِ دکن، که جوانِ بر خود پیچیده بود، کسے[12] را بپیشِ خود وجود نمیگذاشت۔ اسبابِ زائد در قلعهٔ شاهجهان آباد گذاشته بمقتضائے حرارتِ ذاتی، قصدِ حرکتِ آنطرف نمود۔ بخاطر داشت که وزیر جواهر بسیارے دارد، و سورج مل زمیندار کلانے است، اگر زمانه فرصت دهد، ازیشان چیزے بگیرد راجا ناگرمل بسببِ ملاقاتِ سردارانِ او، ازین معنی خبر بود[13]، روزے براجا پیغام فرستاد که تصدیتِ[14] ممالکِ محروسه باختیارِ شما میگذارم۔ این عزیز، نظر بران[15] معنی، گفت که از مدّتے با وزیرم، مناسب نیست که او ناکام باشد و من کارِ خود برم[16]۔ پس انسب آنست که اُو را دستوری بهر ثپور شود۔ من و سورج مل بطریقِ مشایعت رویم و از سرِش وا کرده، موافقِ گفته کاربند شویم۔ غرضکه از چرب زبانی روغنِ قاز مالیده، روزِ کوچِ دکهنیان،

---

[1] ن ا: ادمرد۔ [2] مط: بهمان۔ [3] مط: رائے بشن سنگه ندارد۔
[4] ن ا: گفت کر۔ [5] ن ا: تا تشریف آوردنِ ایشان صاحب۔
[6] ن ا: باشند۔ [7] ن ا: [illegible]۔ [8] مط: کنند۔
[9] ن ا: برسانید۔ [10] ن ا: [illegible]۔ [11] ن ا: [illegible]۔
[12] ن ا: وکسے۔ [13] مط: [illegible]۔ [14] ن ا: نظامت۔
[15] ن ا: برین۔ [16] ن ا: [illegible]۔

خود و سورج مل به بهانۂ که نگارش یافت، با بهیر و بُنه، از لشکرِ آنها، بجگرداریِ تمام، سوار شده، در بلّم گدّهه، که حصاریست محکم، دوازده کروهیِ شهر، آمده نشستند. وزیر و اسباب[1] خیمه ها روانۂ پیشتر شدند. وُکلاے دکهنیان هرچند بسماجت گفتند، امّا بشنیدنِ حرفِ آنها نپرداختند، و نسبتِ خود به شاه درست ساختند. رئیسِ دکهن، که استقلالِ واقعی داشت، و نظر بر لشکرِ بیشمار، و آلات و اسبابِ بے حدّ، جمعیّتِ ایشان را بحساب نمیگرفت، چون شنید، بخود پیچید، و گفت که[2] اینها چه چیز اند! چراغِ دولتِ اینها به پُفے دربنداست. من باعتمادِ اینان از دکن نیامده ام، در مژگان بهم زدن بخاک برابر خواهم کرد." تدارک[3] این حرکت، بر وقتِ دیگر موقوف داشته رفت، و قلعۂ نجابت خان روهیله سَرسواری[4] گرفته، صمدخان[5] را کُشت، و آن اَنبوه را پراگنده ساخت. چشمِ دکهنیان از برهم زدنِ این فوج خیره شد. از انجا برگشته، مُتّصلِ پانی پت سنگر بستند. و آمادۂ جنگِ میدانِ شاه گشتند. وقتیکه آبِ جون رُو بکمی آورد، شاه بصد جوش و خروش، بر سردارانِ[6] سمتِ مشرق، از دریا عبور نموده، دستِ جلادت کشود. چند روز پیش از جنگِ صف، خبر رسید که گوبند پنڈت با جمِّ غفیر آمده است، و اندازِ پیوستنِ لشکرِ دکهنیان دارد. سردارے[7] با فوجِ سنگین از لشکرِ شاه جُدا شده[8] دوید، و بے خبر رسیده، اُورا بخاک و خون کشید ــ اَسبابش همه بغارت بُرد. آن اجماع برهم خورد.

در بینولا، راجا در کهیر، که قلعۂ سورج مل است، باز[9] تشریف داد، منکه بسببِ قسمت دران‌جا بودم،[10] رفته التماس نمودم، که از چندے انتظارِ قُدومِ فرحت لزوم داشتم. اکنون[11] اجازت شود بطرفے بروم که با روزگارِ ناساز طرف نمیتوانم شد. از راهِ عنایتے که بحالِ من

---

[1] ن ا: پیش رو.
[2] ن ا: که ندارد.
[3] ن ا: بر تدارک.
[4] ن ا: سرسواری.
[5] ن ا: سمند خان.
[6] ن ا: باسرداران.
[7] ن ا: سرداران.
[8] ن ا: جدا گشته
[9] ن ا: باز ندارد (درمط: باد).
[10] ن ا: دراین جا.
[11] ن ا: اکنون اگر.

میداشتند، گفتند[1]: "معلوم میشد که قصدِ بیابان مرگ شدن[2] دارید۔ امّا اگر من هم گذارم۔"
هما نروز چیزے جهتِ خرچ فرستادند، و علوفهٔ من بدستورِ سابق دستخط کرده دادند۔

چون این بزرگوار، بسببِ آنکه شاهجهان آباد خرابهٔ بیش نمانده است، و مردمان سالے دو بار خانها را بر خردش بارمیکنند، کسے تا کجا خانه بر دوش باشد، و[3] درین سرزمین که[4] گوشهٔ عافیتے است، و رئیس اینجا مرد آرمیده هست، بر خود نمی شکند [illegible] توطن اختیار کرد۔ ما مردم نیز در سایهٔ دیوارِ او مقرِّ خود مقرّر[5] ساخته افتادیم۔

سانحه[6] حقیقتِ هر دو لشکر آنکه اگر دکهنیان بسببِ گریز، که طورِ قدیم[7] آنها بودی جنگ [illegible] اغلب که غالب[8] می گردیدند۔ ایشان لوی [illegible] گرد کرده نشستند۔ فوج شاهی در پے آن شد که رسد نرسد[9]۔ وقتیکه کار تنگ شد سردارِ دکن مستعدِّ[10] حرب گشت۔ سران از سنگر و سنگ چین برآمده، میخ دوز ایستادند، و جگرداران شاه میخِ چشمِ آنها بوده، بیک پهلو افتادند کارگذاران میدان کشیدن و برهم[11] کردن آغاز کردند۔ دلاورانِ پیکار جو[12]، بند بر بندِ قبا با بر پشت کمان گرفتند۔ نبرد آزمایانِ جنگ جو، بند و قبا گرفته، بدست و دندان چسپیدند برزدا [illegible] استادگان، تیغها آخته، بر سرِ هم دویدند۔ بیدل رقصانِ معرکهٔ کشت و خون، برکار سوار گشتند۔ پیش جنگان پیاده شده[13] در آویختند، و از هم گذشتند۔ [illegible] جامه با درخون کشیدند۔ جنگ آورانِ عرصهٔ تنگ آوران، از دو طرف [illegible] آویختند۔ سردارِ دکن ثبات ورزیده پا میدان گذاشت، و اکثر [illegible] فوجِ شاهی از پیش برداشت۔ چون فتح از شاه [illegible] کارے نشود [illegible] و بیک نفر اینطرف نمی رسید، و از دستِ تفنگ اندازانِ سهل مردان کار آمد [illegible]

---

۱ ن: کہ معلوم — ۲ ن: شدن ندارد — ۳ ن: [illegible]
۴ ن: از کسب ظاهر — ۵ ن: مقرر ندارد — ۶ ن: [illegible]
۷ ن: قدیم ندارد — ۸ ن: غالب ندارد — ۹ ن: [illegible] رسید — ۱۰ [illegible]
۱۱ ن: برهم کردن — ۱۲ ن: پیکار جو — ۱۳ ن: [illegible] شده — ۱۴ [illegible]

چنانچه در[1] اوّلِ وہلہ تیرِ تفنگ به وِسواس راؤ، که ریاست بنامِ او بود، رسید۔ و بخاک و خون غلطید۔ میگویند که بھاؤ جوانِ غیورے بود، و دادِ مردانگی میداد، دمیکه این سانحه را بچشمِ خود دید، بر زبان راند که حالا روے رفتنِ دکن نماند۔ دل از جان برداشته، دندان بجگر افشرده، بر قلبِ سپاه زد۔ یعنی دیده و دانسته خود را بکشتن داد۔ ملھار بیر گرگِ بغل زن، با دو سه ہزار کس ازان مہلکه[2] بیرون رفت، و تمام لشکر غارت شد۔ سردارانے که زنده برآمده بودند، برہنه بحالِ فقیران آواره شدند، و اسپ و سلاحِ ہزار ہزار سوارِ فرار نموده را، ده ده زمیندارِ اطرافِ شہر گرفتند۔ چه نویسیم که چه روزِ سیاه برین قوم آمد۔ ہزاران عریان گریه[3] کنان، از ہر راہے که میگذشتند باعثِ عبرت می گشتند۔ مردمِ دیہات حبوب بریان کرده بہر نفر یک مشت میدادند، و احوالِ آنہا را باحوالِ خود سنجیده زبانہا بشکر میکشادند۔ شکستے اینچنین[4] کم اتفاق افتاده باشد۔ بسیارے از گرسنگی مردند و بسیارے از سردیِ ہواجان سپردند۔ فوجے را که در قلعه گذاشته رفته بودند، از خوفِ دست اندازیِ مردمانِ شاه[5] ہنگامِ شب گریخته[6] رفت۔ جنسِ کرورہا بدستِ لشکریانِ شاه و سردارانِ مشرق افتاد، و باہم تسمت شد[7]۔ توپخانه، و آلاتِ دیگرِ حرب، و فیل و گاؤ، شتر و اسپ، سوائے نقد و جنس شجاع الدّوله وغیره بیاے خود گرفتند۔ درّانیان که فقیرانِ محض بودند، صاحبِ دولت گردیدند۔ با ہر دہ باشی[8]، صد شتر بار، با یک نفر دو خروار۔ دولتِ عظیمے[9] دست بہم داد۔ ہر یک کلاه کج نہاد۔ شاه بعد ازین[10] گونه فتحے که شاہانِ سلف را ہم کمتر نیامده باشد با کرّ و فرِ تمام داخلِ شہر شده، رقمہا بنامِ سردارانِ اطراف و جوانب نوشت[11] که بیایند و نوکری نمایند۔ نوشته به راجا نیز رسید۔ ایشان بگمانِ آنکه شاه، بادشاهِ ہندستان شد، و

---

[1] ن ا: در ندارد۔
[2] ن ا: تہلکه ہا۔
[3] ن ا: و ہزاران گریان۔
[4] ن ا: ہم چنین۔
[5] ن ا: شاه ندارد۔
[6] ن ا: گریخت۔
[7] ن ا: نشد۔
[8] ن ا: با ہیزده باشی صد۔
[9] ن ا: عظمی۔
[10] ن ا: این گونه۔
[11] ن ا: نوشت ندارد۔

ازین ملکِ زرخیز نخواہد رفت، و مارا نوکری[1] باید کرد، رفتند۔[2] و نجیب الدّولہ پیشوا آمدہ بُرد۔ و ملازمتِ شاہ، بدستِ شاولی خان وزیرِ اُو نمودند۔ صحبت باآن دستورِ[3] دانشور برآرشد۔ مُہرِ خود حوالہ کرد، و[4] نیابتِ وزارت داد۔ چنانچہ موجبِ رفاہ اُمرائے عظام گشتند۔ وزیر[5] یکبار گفت کہ "پدرِ شجاع الدّولہ باشما، تہ دلی داشت[6] و این[7] باباطفل است، و غیرِ بابائی[8] کارے ندارد، و نمی[9] فہمد کہ این شاہ است، بیک پُشتِ چشم نازک کردن جہانے را برباد میدہد۔ خبر شرط است۔ باد پرّانی اینگونہ بسیار بدماغش میخورد۔ نظر بر رفاقت[10] ہیچ نمیگوید، لیکن برین غرّہ نباید شد۔

پادشاہان و نکویان دوگروہِ[11] عجب اند
کہ نبوُدند و نباشند بفرمانِ کسے

بہتر آنست کہ شما و نجیب الدّولہ رفتہ، اُورا معقول کنند، وگرنہ فردا جُرم ازمانیست۔ رفتند، و اُورا باتیغ و کفن آوردہ، از وزیر رخصت[12] گرفتند۔ بارے صحبت کوک شد، و کدورت بصفا انجامید، من درین سفر بایشان بودم۔

حکایت[13] روزے پرست زدم۔ راہم بر ویرانۂ تازہ شہر اُفتاد۔ بر بہ قدمے گریستم و عبرت گرفتم، و چون بیشتر رفتم، حیران تر شدم۔ مکانہارا نشناختم۔ دیارے[14] نیافتم۔ از عمارت آثار[15] ندیدم، از ساکنان خبر نشنیدم۔

از ہرکہ سخن کردم گفتند کہ اینجا نیست
از ہرکہ نشان جستم گفتند کہ پیدا نیست

---

1. ن ا: روزگار۔
2. ن ا: واو ندارد۔
3. ن ا: دستور [illegible]
4. ن ا: واو ندارد۔
5. ن ا: چنانچہ وزیر۔
6. ن ا: داشتہ۔
7. ن ا: واو ندارد۔
8. مط: غیر بابا۔
9. ن ا: واو ندارد
10. ن ا: برفاقت۔
11. ن ا: گروہ۔
12. ن ا: رخصتش۔
13. ن ا: ندارد۔
14. ن ا: دیارے
15. ن ا: آثارے

خانہہا نشستہ[۱]، دیوارہا شکستہ، خانقاہ بے صوفی، خرابات بے مست۔ خرابہ بود ازین دست تا بآن دست۔

ہر کجا اُفتادہ دیدم خشت در ویرانہ ای
بود فردِ دفترِ احوالِ صاحب خانہ ای

بازارہا کجا کہ بگویم، طفلانِ تہ بازار کجا، حسن کو کہ بپرستم[۲]۔ یارانِ زرد رخسار کو۔ جوانانِ رعنا رفتند، پیرانِ پارسا گذشتند، محلہا[۳] خراب، کوچہا نایاب، وحشت مویدا، اُنس ناپیدا۔
رباعیِ اُستادے بیادم آمد:

اُفتاد گذارم چو لبویرانۂ طوس
دیدم چُغدے[۴] نشستہ برجائے خروس
گفتم: "چہ خبر داری ازین ویرانہ"؟
گفتا: "خبر اینست کہ" افسوس۔ افسوس"

ناگاہ در محلۂ رسیدم، کہ آنجا میماندم۔ صحبت میداشتم۔ شعر میخواندم، عاشقانہ می زیستم، شبہا می گریستم۔ عشق با خوش قدان می باختم، ایشان را بلندی اندا ختم۔ باسلسلہ مُویان می بودم۔ پرستشِ نکویان مینمودم[۷]۔ اگر دمے بے ایشان[۵] می نشستم، تمنا بر تمنای شکستم۔ بزم می آراستم۔ خوبان[۶] را میخواستم۔ مہمانی میکردم۔ زندگانی میکردم[۸]۔ دوست روئے (بنظر) نیامد کہ باو نفسِ خوش برآرم۔ مخاطبِ صحیحے نیافتم، کہ صحبت دارم۔ بازار وحشت گاہے، کوچہ بصحرا راہے استادم و بحیرت دیدم۔ مکروہ بسیارے کشیدم۔ عہد کردم کہ باز نیایم تا باشم قصد شہر ننمایم۔
سانحہ ہرگاہ قرار یافت کہ شاولی خان با راجا برآید، و ملک گیری نماید، فوجِ شاہ کہ از غنیمت مالا مال بود، بر درِ خانہ ہنگامہ آرا شدہ گفتند، کہ مالوطنِ[۹] خود می روید اگر شاہ[۱۰]

۱؎ ن ا: نشستہ ندارد۔ ۲؎ ن ا: بپرستم۔ ۳؎ ن ا: محلہا۔
۴؎ مط: چندے۔ ۵؎ ن ا: بایشان۔ ۶؎ ن ا: دخوبان۔
۷؎ ن ا: می نمودم۔ ۸؎ ن ا: ندارد۔ ۹؎ ن ا: لبوطن مالوف خود۔ ۱۰؎ ن ا: شاہ ندارد۔

خواستہ باشد، بماند۔ مدت است کہ برائے کار[1] برکار سواریم، از زن و فرزند خبر نداریم، شاہ چون فکر نمود، دید کہ بے فوج در ملکِ بیگانہ نمیتوانم بود۔ ناچار رفتنِ قندہار کہ دارالملک او بود، مقرر گردانید۔ وزیر خیمہ برآمدہ را باز[2] طلبید، و از روے سردارانِ اینجا خجالت کشید۔ دو روز[3] پیشتر شجاع الدولہ و راجا را مرخص کرد۔ شہزادہ جوان بخت را[4] ولیعہدِ شاہ عالم نمود[5] و شہر را باختیارِ نجیب الدولہ گذاشتہ، برخاستند[6]۔ و در راہ فوجدارِ سرہند، زین خان نام افغانی را، کہ از قوم و قبیلۂ آنہا بود، کردہ، بہ لاہور رفتند۔

چون غرورِ این قوم از حد گذشت، غیرتِ الٰہی از دستِ سکھان — کہ عبارت از ناکسان، و شتربانان، و ندافان، و بزازان، و سمساران، و بدالان، و نجاران، و قزاقان و مزارعان و کم بغلان، و پاچناریان، و کلل خسپان، و بازاریان[7]، و بے تہان، و بے مایگان و تہیدستانِ آن نواح باشد — ذلیل ساخت۔ قریب چہل و پنجاہ ہزار کس گرد آمدہ، خود را بر روے آن لشکرِ گران کشیدند۔ گاہے برنگِ چہرہ[8] می شدند کہ زخمہا بر میداشتند و رو نمی گردانیدند، و گاہے طرف شدہ، باطراف پریشان گردیدہ[9]، صد دو صد را بدنبال می بردند و میکشتند۔ ہر صبح گردِ فتنہ می انگیختند۔ ہر شام از چار سو میریختند۔ لشکریان را سگان روے یخ ساختہ بودند۔ یخ بسیار آب می گشت، تا فرار مینمودند[10]۔ گاہے سفید می شدند و بر بہیر و بنہ می افتادند[11]۔ گاہے سیاہی مینمودند و می ایستادند، و شبہ می ریختند، و سنگ بہ سنگ میزدند۔ مو پریشان و سر پیچدار، در اردو میشدند۔ شب شر[12] و شور۔ روز نعرہ و کوس۔ پیادۂ آنہا شمشیر بر سوار زدے، و قدحِ زین را خونریز کردے۔ دست کش شان قدر[illegible] را گرفتہ بردے[13] و شست آویز نمودے۔ غرضکہ این بے ناموسانِ بے دولت آن[14] [illegible]

---

[1] ن ۲: کار او۔ [2] ن ۱: باز ندارد۔ [3] ن ۱: [illegible] [4] [illegible]
[5] ن ۱: نمود ندارد۔ [6] مط: برخواستند۔ [7] ن ۱: و بازاریان ندارد۔ [8] ن ۱: [illegible]
[9] ن ۲: نگردیدہ۔ [10] ن ۱: تا فرار می نمودند ندارد۔ [11] [illegible]
[12] ن ۱: بشر۔ [13] ن ۱: بردے شست آویز۔ [14] ن ۱: [illegible]

حقیقتان[۹۱] را آنقدر رُسوا ساختند[۹۲] که سردارانِ اطراف این[۹۳] صیحت[۹۴] را شنیده، از نظرہا انداختند۔ مُقاوَمت بواقعی نتوانستند، سلامت رفتنِ خود غنیمت دانستند۔ آخر سراپاے نظامتِ آن شہر به[۹۵] ہندوے داده، راهِ پیش گرفتند۔ این انبوه دُنباله گردان غارت کُنان، سرگله زنان تا آبِ اٹک رفت و شُست و شُوے خُوبے داده، متصرّفِ آن صوبه، که دو کرور روپیه حاصل داشت، شد[۹۶]۔ بعد از چندے، آن ہندوے خون گرفته شہر نشین را کُشته، مالک گشتند۔ چون وارثے درمیان[۹۷] نبود، آن عوام کالاَنعام، مُلک را باہم قسمت نمودند، و بر روے رعایا درِ احسان کشودند۔ یعنی آگاهِ رسمِ مُلک داری نبودند[۹۸]، ہر چه مزارعان دست بَرداشته دادند، مُفتِ خود[۹۹] شمرده گرفتند۔

سانحه[۱۰۰] در ہمین سال، سورج مل، که زیندارِ زور آورے است، آبا و اجدادِ او ہمیشه مَوردِ عنایاتِ[۱۰۱] بادشاہانِ اُولوالعزم مانده اند، در حالتے که خبر بود، راہداری[۱۰۲] مابینِ اکبرآباد و شاہجہان آباد باُو تعلّق داشت۔ درین ایام، از سستیِ رؤسایِ اسلام، سرے کشید و متصرّفِ اکثرِ محالات گردید۔ بسبب حرام توشگیِ قلعه دارِ سیه روزگار، حصنِ حصینِ اکبرآباد گرفت۔ شاه عالم بتحریکِ شجاع الدّوله، که حالا وزیرِ اوست، با لشکرِ بے شمار حرکت کرد[۱۰۳]۔ زبان زدِ خلق شد که برائے اِخراجِ سُورج مل می آید۔ زیندارِ مذکور، جہتِ مُحافظتِ شہر و حصارِ مسطور، از قلعه جاتِ خود رفته، باراده پرخاش نشست، و به راجا نوشت که آمدنِ شما مناسب تَر است۔ ایشان، که آشنا از چوبِ خشک می تراشیدند، میاندار فرستاده آن انبوه را باز گردانیدند۔

من باین تقریب، بعد سی سال، به اکبرآباد رفتم، و زیارتِ مزاراتِ پدر و عمِ بزرگوار

---

۹۱ ن ۱: بے حقیقتانِ بے مروت۔
۹۲ ن ۱: ساخته۔
۹۳ ن ۱: این ندارد۔
۹۴ مط: این صحبت (تصحیح از مرتب)۔
۹۵ ن ۱: به ندارد۔
۹۶ ن ۱: شد ندارد۔
۹۷ ن ۱: درمیان ندارد۔
۹۸ ن ۱: نمی نمودند۔
۹۹ ن ۱: منّت بر خود شمرده می گرفتند۔
۱۰۰ ن ۱: سانحه ندارد۔
۱۰۱ ن ۱: عتاب۔
۱۰۲ ن ۱: در راہداری۔
۱۰۳ ن ۱: نمود۔

کردم۔ شعراے آنجا، مرا سرآمدِ این فن دانسته اکثر ملاقات میکردند۔

حکایت[۵۱] آوازهٔ عالمے شُنیدم۔ رفتم و دیدم مُلّاے[۵۲] قشری برآمد۔ یعنی بمغزِ سُخن نمی رسید۔ هنوز نفس درست نکرده بودم، که ازبے تهی سخن سرکرد[۵۳] که اکثر جوانانِ این عهد رافضی[۵۴] می باشند، و در حقِ بزرگان، از سقیفه[۵۵] سازی، چها که نمی تراشند۔ این تسبیح خاکِ امامِ شما که موجبِ غبارِ خاطرِ ما صفا پیشگان است ـــــ دلیل است که شما میل برِ نفس[۵۶] دارید۔ اگر در واقع چنین است، مرا بحالِ من واگذارید۔" گفتم که "مرا نیز همین تردّد بود۔ الحمدلله که صاحب سُنّی برآمدند۔" مغزِ خرخورده، کنایه نفهمید و بسیار خوش گردید۔ چون مرا موافق یافت، پَر و پوچ چندے بافت۔ بے مزه تر شُدم، و برخاسته آمدم۔

حکایت[۵۷] صبح و شام برلبِ دریا که بسیار بخوبی واقع است ـــــ آن طرف باغات، و این طرف قلعه، و حویلی هاے اُمراءِ عظام، گوئی که نهر بهشتی است ـــــ میرفتم و چشم آب میدادم۔ شور بکرتراشیِ من آفاق را گرفته بود، بکرنگاهان[۵۸]، مژگان سیاهان، خوش ترکیبان، جامه زیبان، پاکیزه طینتان، موزون طبیعتان، مرا نمی گذاشتند، و بعزّت می داشتند۔ دو سه بار سراسرِ شهر رفتم۔ علما، فقرا، و شعرا، آنجا را دیدم۔ مخاطبے که از دلِ بیتاب تسلّی شود نیافتم۔ گفتم: "سُبحان الله۔ این آن[۵۹] شهر ایست که بر برزنِ او عارفے، کاملے، فاضلے[۶۰]، شاعرے، منشیے، دانشمندے[۶۱]، فقیهے، مُتکلّمے، حکیمے، صُوفیے، مُحدّثے، مُدرّسے، درویشے، مُتوکّلے، شیخے، مُلّاے، حافظے، قاریے، امامے، مُؤذّنے، مدرسه، مسجدے، خانقاهے، تکیه، مهمان سراے، مکانے، باغے، داشت۔ اکنون جاے نمی بینم که درو شاد کام نشینم۔ آدمی بهم نمیرسد، که باو صحبت گزینم۔ خرابه وحشت ناکے دیدم۔ رنجے کشیدم و برگردیدم۔ مدّت، چار ماه ازین قرار در وطن

---

[۵۱] ن۱: ندارد۔ — [۵۲] ن۱: ملّاے دیدم۔ — [۵۳] ن [illegible]

[۵۴] ن۱: راجزی۔ — [۵۵] ن۱: براز۔ — [۵۶] ن [illegible]

[۵۷] ن۱: ندارد۔ — [۵۸] ن۱: تیز نگاهان۔ — [۵۹] ن [illegible] شهر است

[۶۰] ن۱: [illegible] فاضلے۔ — [۶۱] ن۱: دانشورے

مالوف گذرانیده، وقت رفتن آبِ حسرت بچشم گردانیدم، و به قلعه جاتِ سورج مل رسیدم۔

سانحه[1] | آنجا[2] آمده شنیدم که با[3] قاسم علی خان ناظمِ بنگاله، و نصرانیانِ تجارت پیشه — که آنجا از مدت سکونت داشتند — جنگ واقع شد۔ رعایا و زمینداران آن ملک، از ستم و جورِ بے نهایتش بجان آمده بودند، جانبِ او نگرفتند۔ پایانِ کار هزیمت خورده[4]، با لشکرِ شکسته و زر و[5] جواهر و اَقمشه و اَمتعهٔ بسیار، به عظیم آباد — که این صوبه هم باو بود — آمد۔ فرنگیان نیز در رسیدند۔ خواست که شهر بند شود، و بجنگ لشکرش پشت داد۔ باز[6] شکست افتاد۔ مال و اسبابِ خود را بار نموده، با نُه ده هزار[7] کس بسرحدِ شجاع الدوله رسید۔ آنها بالفعل دست برداشتند و قدم پیش نگذاشتند۔ وقتیکه متصلِ بنارس رسید، خیمه کرده[8]، بوزیر نوشت که من باُمیدِ اعانتِ شما آمده ام۔ اگر سرِ دستے بمن بگیرند، و بجنگِ نصرانیانِ مخالفِ مذهب در آیند، خرچ سپاه و ملازمانِ حضور متصدیانِ من سرانجام نمایند۔" ایشان نوشتند که "اول شما بیاید[10] و ملازمت بادشاه نماید[11]۔ آنچه بحضور قرار خواهد یافت[12]، موافقِ آن بعمل خواهد آمد۔" آن فلک کردهٔ آسمانِ غدار، ناآگاه از تهِ کار، مع اسباب و آلات[13] و پانصد فیل، باعتمادِ خام دستانِ چند که واسطه بودند، از آبِ آن رودخانه که زیرِ شهرِ مذکور واقع است، گذشته، داخلِ لشکر شد۔ و دائره کرد۔ نظرِ تنگ چشمانِ اینطرف بر اسبابِ بادشاهانهٔ او افتاد۔ چشم سیاه کردند، و کهنه نعلهٔ چند فرستاده بفریب و غدر محبوسش ساختند۔ بعد از دو سه روز از زرِ بسته و خرده و جواهر و اجناسِ دیگر و اسپ و فیل و گاو و شتر[14] و خیمه و فرش هرچه داشت، وزیر بگفتهٔ آن[15] نا مآل اندیشان پیشِ او هیچ نگذاشت۔ بدعهدان که درمیان بودند، نظر به عهدنامه نداشتند۔

---

۱ ن ۱: ندارد۔	۲ ن ۱: این جا۔	۳ ن ۱: باندارد۔
۴ ن ۱: خورد۔	۵ ن ۱: زیور و جواهر۔	۶ ن ۱: باز ندارد۔
۷ ن ۱: نموده، هزار کس بسرحد۔	۸ ن ۱: کرد۔	۹ ن ۱: برآیند۔
۱۰ ن ۱: بیایند۔	۱۱ ن ۱: نمایند۔	۱۲ ن ۱: قرار یابد۔
۱۳ ن ۱: آلات و اسباب۔	۱۴ ن ۲: اشتر۔	۱۵ مط: آن ندارد۔

چون خامهٔ سیه رُو دندان بحرفِ خود گذاشتند۔ آمده بود که کسے دستِ اُو خواہد گرفت، اینجا انگشت باشد۔ چون انگشت از ستمِ روزگار برآورد، وحلقه بر درِ وزیر زد۔ یومیه[1] از سرکارِ بیگم — که عبارت[2] از مادرِ شجاع الدوله باشد — برائے اُو مقرر شد۔ باقی داستان بفردا شب میگذارم، که افسانهٔ دیگر برزبان دارم۔

سانحه[3] جواہر سنگھ که پسرِ کلانِ سُورج مل، که سردارِ جگر دار لیست، از مدت خیالِ ریاست در سر دارد۔ چنانچه پیش ازین با پدر در آویخته خونِ بسیارے[4] ریخته بود، و دو سه زخمِ دامن دار برداشت۔ درین ایام به فرخ نگر — که سه منزلی شاہجہان آباد شہر[5] ایست بسمتِ مغرب، و سرحدِ آن بسرحدِ مُلکِ پدرِ اُو پیوسته است — رفت، و با زمیندارِ آنجا که بپدرش فوجداری گردِ شہرِ[6] دہلی میکرد — آویزشے نمود، وطول داد۔ اُو نیز سر فرود نیاورده، درافتاد۔ چون دو ماه[7] برین گذشت سُورج مل با فوجِ سنگین قصدِ آنطرف نمود[8]۔ بخانه راجا برائے رخصت آمد۔ ایشان گفتند که "شما زینہار نروید۔ مبادا باعثِ فتنه و ہنگامه شوید۔ آمدنِ نجیب الدوله ہم قریب است، اگر مراعاتِ اسلام کند، جنگ بمیان آید۔ معہذا طرفِ ثانی قلعه[9] دارد، وصاحبِ الوش[10] است۔ اگر مماجت نماید[11]، و دیر شود خطرِ شانِ شما نماند۔ در آدابِ ریاست نوشته اند که تا کار[12] از نظر برآید، باید که به پسر نفرمایند۔ و تا از پسر شود، خود نروند۔" خاصیهٔ انسان است[13] که چون وعده قریب میشود حرفِ معقول نمی شنود۔ گوش بر حرفِ ایشان نینداخت۔ رفت و رئیسِ آنجا را اسیر ساخت۔ سپاہیان دستِ تعدّی دراز نموده، نہبِ شرفائے آنجا را بغارت بُردند۔ برادرانش که با نجیب الدوله بودند، دستارہا بر زمین زدند

1 ن: یومیه ندارد۔
2 ن: ... عبارت ... ؛ مط: عبارت از ... [illegible] ترتیب۔
3 ن: ندارد۔
4 ن: بسیارے را۔
5 ن: [illegible]
6 ن: فوجداری شہر مذکور۔
7 ن: دو ندارد۔
8 ن: [illegible]
9 ن: قلعه دارد۔
10 مط: [illegible]
11 ن: [illegible]
12 مط: نظیم۔
13 ن: کار ندارد۔
14 مط: [illegible]

و بیطاقتی نمودند۔ اُو برائے خاطرِ آنہا ملتجی شُد کہ ایشان بسزاے کردہٗ خود رسیدند، اکنون ازسرِ تقصیر باید گذشت۔" نشنید[1] و دلیرانہ بشاہجہان آباد رفت۔ اُو بدرِ تغافل زدہ، دروازہ ہاے شہر را بند نمود[2] و سر بر نکرد۔ این بَرخود چیدہ (و) مُتکبر[3] از آبِ دریا گذشتہ بر سرِش دَوید و مُوجبِ آشوب گردید۔ در آدمی[4] گیری اُو شبہ نیست۔ صد بار پیغام داد، کہ من با شما سرِ پرخاش ندارم، لہذا فوج[5] خود را بَرنمی آرم۔ غُرباے شہر تصدیع میکشند۔ دائرہ کردن اینجا مناسب نیست۔" یک جوابِ آدمیانہ نداد، وبسفاہت گفتہ فرستاد کہ "من فوجِ نوّاب را دیدہ خواہم رفت۔ اگر زُود برآیند احسان[6] است کہ کارہاے دیگر در پیش[7] دارم، وگرنہ فوجی[8] کہ در اختیارِ من نیست صبح و شام بشہری تازد۔" آن سردار گفت کہ "البتہ صبح بَرمی آیم و شانِ[9] فوجِ خود می نُمایم۔"

نقل[10] شخصیکہ درمیان بود، بمن میگفت کہ دلِ شب فوج را رخصتِ عبورِ دریا داد، و خود وَاکشید، و بعد از ساعتے چشم کشاد[11] و گفت کہ: "عجب واقعہ[12] دیدہ ام" گفتند: "چطور[13] است؟" گفت "کُلاغے بر درختے نشستہ است، و زاغان بسیار بَرو گرد آمدہ، شورے دارند۔ منکہ ازان راہ گذشتم، بیک تیرش بَرخاک اَنداختم۔ زاغان کشتہٗ اُورا دیدہ ہمہ یکبارگی پَریدند۔ غالب کہ فتح از من است۔ اِنْ شاءَ اللہ صبح سَوار میشوم و این سیاہ دُرونان را می کُشم۔"

چون صبح دمید، آسمان تیغِ حادثہ بچرخ کشید۔ جارچیان جار[14] زدند۔ خود بر فیل نشستہ از آب گذشت و باستقلالِ تمام مُقابل گشت۔ حریف چون گاوِ چہار پہلو بر خود شکستہ،

---

[1] مط: نشنید۔
[2] ن ۱: نمودہ۔
[3] ن ۱: برخود چیدہ منکر۔
[4] ن ۱: آدم گری۔
[5] ن ۱: از افواج۔
[6] ن ۱: آنست۔
[7] ن ۱: نیز پیش دارم۔
[8] ن ۱: فوج
[9] ن ۲ و مط: سان فوج۔
[10] ن ۱: ندارد۔
[11] ن ۱: کشادہ گفت۔
[12] ن ۱: واقعہ عجبی۔
[13] ن ۱: است ندارد۔
[14] ن ۱: اخیار زدند۔

دخترِ خود را دراز بسته، صفوفِ فوج بر رُوے ایشان کشید۔ تفنگچیان گرمِ انداختنِ تفنگ آزموده کاران، نظر بر اُسلوبِ جنگ۔ سردارِ اینطرف آمادهٔ کین استاده بود، و پا از وضع[1] خود بیرون نمیگذاشت۔ رئیس[2] آن طرف دامن بالا زده، خودکُشی مینمود، و دست از شوخی برنمی داشت۔

هرگاه روهیله ها سرگرمِ دو تیغه بازی شُدند، اُو در دسته خود را پنهان ساخت و بالا بالا رفته، غافل ازین که اجلِ چیره[3] دست در کمین است[4]، بر سپاهے که بسمتِ[5] شهر بود، زد۔ شورے برخاست۔ رؤدارانِ قلب[6] بمددِ آنها شتافته، این بلا را برچیدند۔ درمیان گرد و غبار، آن اجل رسیده زخمے برداشت که از اسپ بر خاک اُفتاد، و جا مرگذاشت۔ امّا کسے ندانست که این سُورج مل است۔ باهم میگفتند: "وقتیکه اُو سمند را جلو خواهد داد، قیامت در جلوِ[7] اُو خواهد بُود۔" ندانستند[8] که جماعت دراز بسته از پیش جنگی خود را کشتن داده است۔ ازانوقت تا شام باز جنگ بمیان نیامد۔ آنجا کار تمام شد، و اینجا هراسان که شب اُفتاده است، مبادا شب خون زنند، و ما را بر خاکِ هلاک افگنند۔ بعدِ شام فوجے[9] که روبرو شده[10] بود، پراگنده شد، و رفت۔ تا نصفِ شب مهیاے کار، بر اسپ و فیل سوار استاده ماندند۔ امّا همه متأمّل که چه بلاست، از انطرف صداے برنمی خیزد۔ نشود که فوجِ حریف غافل بریزد، و قیامت برانگیزد۔ جاسوسان از لشکر برآمده دوسه کروه اینطرف آنطرف کافتند[11]۔ احدے را نیافتند۔ قریبِ بشکستنِ شب آمده گفتند که از مردمِ دیهات شنیده شد که جماعتے بسراسیمگی می رفت و می گفت: "افسوس[12] سردارے چون

---

[1] ن ا: ازصلح۔ [2] ن ا: رئیس۔ [3] ن ا: خیره۔
[4] ن ا: داشت۔ [5] ن ا: سمت۔ [6] ن ا: قبله۔
[7] ن ا: جلوه [8] ن ا: دانستند۔ [9] ط: فوجے روبرو۔
[10] ن ا: شده ندارد۔ [11] ن ا: کرتافتند۔ [12] ن ا: افسوس از

سُورج مل کُشتہ شود و ما بہمرہّان[1] لاشِ اُو را بر خاکِ میدان گذاشتہ از ترسِ جان بردیم۔"
ازینجا بظہور می پیوندد کہ اُو در شورشِ آخر روز کہ بہ فوجِ التمش بود، کشتہ شد و لشکرش گریختہ رفت۔

درین گفتگو بودند کہ صبح سفید شد، و[2] سوارے دستِ بُریدہ آورد[3] و گفت کہ "این دست، آن دستِ خشک شُدہ اُوست کہ جراحت داشت۔" دیگران نیز شناختند و کوسِ شادی نواختند۔ و[4] چون بیقین پیوست، قدم بتعاقب کُشادند و دنبالِ گریختگان اُفتادند اگر از دریا می گذشتند، باعثِ خرابی جہانے می گشتند۔ امّا راجا نوشت کہ نوّاب این دولت را، کہ عبارت از چنین فتح است، از صحرا یافتہ، باید کہ غنیمت بدانند،[5] و عنان بگردانند[6]۔ اینجا انبوہِ بسیار است، اگر ایستادگی نمایند باز کار دشوار است۔" رائے درستے و قلبِ سلیمے داشت۔ نوشتہ ایشان را دید، و[7] برگردید۔

جواہر سنگھ، کہ از استماعِ این خبر جان در تن نداشت، و بظاہر خود را بسمار دوختہ قائم بود، آمد و بر مسندِ ریاست نشستہ[8] در فکرِ گرد آوردنِ لشکر اُفتاد۔ در ہمت و شجاعت و مُروت صد مرتبہ از پدرِ خود بہتر است۔ "دولت ندہد خدائے کس را بغلط۔"

حقیقتِ حال لشکرِ بادشاہ و وزیر

سانحہ[9] | حال آنکہ شجاع الدولہ، بگفتۂ ناکسان و ناتجربہ کارانِ چند، کہ در مزاجش تصرّف داشتند، بطمعِ صوبۂ عظیم آباد، کہ اگر بیک تگ تگ[9] پا بدست بیاید، مُفت است، شاہ عالم را با خود گرفتہ، لشکر بآن صَوب کشید۔ کششِ عیسائیان۔ یعنی سردارِ فرنگیان[10]، شہر را محکم کردہ، نوشت کہ "سر بر سرکشے[11] کہ داشتیم، اُو را زدیم، و ازین ملک برآوردیم۔ با

---

[1] ن ا: ہمراہان۔ [2] ن ا: واو ندارد۔ [3] ن ا: آوردہ۔ [4] ن ا: واو ندارد۔
[5] ن ا: شمارد۔ [6] ن ا: بگرداند۔ [7] ن ا: و بفرخ نگر برگردید۔ [8] ن ا: ندارد۔
[9] ن ۲: تگ و دو۔ [10] ن ا: [یعنی سردارِ فرنگیان] ندارد۔ [11] ن ا: بر سرکشی کہ داشتم۔

نوّاب و بادشاه کارے نداریم. سببِ این حرکت معلوم نمی شود که چیست. و مُحرّکِ سلسلۂ فتنہ[۱] و فساد کیست. اگر انقیاد منظور است ما مُطیع و منقادیم، حاجت بکشیدنِ این رنج بے فائدہ نیست. وگر استیصالِ ما بگفتۂ نوکیسگانِ نافہم، مقصود است گذر نداریم. مزاجِ بزرگان حکمِ سَیلِ تُند دارد. بہر جانب که رُو می آرد، می آرد. ما خسان را چہ سَر و سامان که سدِّ راہ توانیم شُد. طبیعتِ سرداران را بباد صرصر نسبت میکنند، ما کُشتِ خاکیم چہ ساز و برگ داریم که راہ بر توانیم گرفت.... نا معاملہ فہمانِ حضور، که بے بہرہ از شعور بودند، نوشتن بادِ مکری[۲] آنہارا، محمول بر بد دلی نمودہ، باصرار باعثِ کوچ شدند.

ہرگاہ تلاقی[۳] فریقین در ظاہرِ آن شہر دست بہم[۴] داد فرنگیان بندوقہا گرفتہ در آویختند. مُغلانِ غیرت بحرام، بر خزانۂ آقا[۵] ریختند. نصرانیان قدمِ جرأت پیش گذاشتند. عیسیٰ نام چیلۂ نواب، جسارتے کرد و جان داد. بادشاہ چون تماشائیان ایستادہ ماند. شکستِ اُفتادِ نوّاب که بطرفے از اطراف[۶] می جنگید، توقّف مصلحت ندیدہ، با معدودے راہِ صوبہ پیش گرفت. [مسافتِ بعید را بیک نیم روزے طے نمودہ، بمقرِ خود رسید. ازانجا نقد و جنس و ناموس][۷] بضرورت بر آوردہ، روانۂ فرّخ آباد شد.

اگرچہ این عالم دارالجزا نیست، اما گاہے چنین ہم اتفاق می اُفتد[۸] که[۹] این شکست فاحش بر این چنین لشکرگران، کیفرِ آن بود که بہ قاسم علی خان کردہ بودند.

آنجا نصرانیان مُتصرّفِ خیمہ با و آلاتِ حرب وغیرہ گشتہ[۱۰]، بادشاہ را با خود گرفتہ، و بآرمیدگی عازمِ اینطرف شدند. در عرصۂ ہشت[۱۱] ہفت روز بہ "اودھ" که دارالقرار شجاع الدولہ باشد، آمدہ، شکرانۂ این فتح که فوقِ تصورِ آنہا بود، مُجوّزِ آزار اعدے

۱ن: فتنہ ندارد ۲ن: مکری ۳ن: تلاقی ۴ن: بہم دست داد
۵این عبارت مغشوش است ... بر خزانۂ ... ی باید ...
۶ن: اطراف شہر ۷... ۸ن: شود
۹ن: کہ ندارد ۱۰ن: گشتند ۱۱ن: ہشت ندارد

نگشتند. بعد از ہفتہ، بادشاہ را دو لک روپیہ ماہیانہ کردہ، بہ الہ آباد رخصت کردند[1] کہ حضرت بطورِ خود باشند. ما دانیم و مُلک.

سانحہ[2] | در خِلالِ ہمین حال، جواہر سنگھ با لشکرِ جرّار[3]، و ملہار کہ احوالِ او نوشتہ آمد، بدعویِ خونِ پدر، بر نجیب الدّولہ رفتہ، بہ دہلی چسپیدہ بُود. خلقے از گرانیِ غلّہ بجان آمد. قتل و قتال، جنگ و جدال، قریب دو ماہ ماند. عماد الملک کہ[4] در فکرِ کنارہ کردن بود، مع ناموس از قلعۂ[5] بر آمدہ، مردمان زائد را بفرخ آباد فرستاد، [و خود شریک جواہر سنگھ شد. ـــ آخر از آمد آمدِ شاہ،][6] کہ درین سال تا شاہ آباد آمد، و از[7] تشویشِ سِکھانِ بے سر و پا برگشت، مسوّدہ ہا ہمہ[8] باطل شُدند، و آن جنگ بہ صُلح انجامید. عماد الملک با ملہار[9] پیشِ احمد خان بنگش، کہ ربطِ دُرستے داشت، رفت و جواہر سنگھ بملکِ خود آمدہ، بکارہاے دیگر پرداخت. سردارانِ عہدِ پدر، کہ بخاطرش[10] نمی آوردند، بعضے را کُشت، و بعضے را مُقیّد ساخت.

نوّاب عماد الملک با این سِنّ[11] یگانۂ عصر است. اوصافِ[12] بسیار دارد. چنانچہ پنج شش خط بخوبی مینویسد. شعرِ ریختہ و فارسی ہر دو با مزہ میگوید. بحالِ فقیر عنایتے بیش از بیش میکند. ہر گاہ بخدمتِ شریفِ او حاضر شدہ ام حظّے برداشتہ[13].

سانحہ[14] | تبیینِ مقال احوالِ شجاع الدّولہ آنکہ[15] باُمّیدِ حمایتِ کسان کہ[16] بہ فرخ آباد رحلِ اقامت افگندہ بود[17]، از انہا غیرِ[18] شماتت و بے مُروّتی ندید. ناچار[19] با ملہار[20] کہ احوالِ اُو سابق مذکور شد، طرحِ سُلوک انداختہ انبوہے گِرد آورد، و بجنگِ فرنگیان بُرد.

---

[1] ن ۱: دادند. [2] ن ۱: ندارد. [3] مط و ن ۱: لشکر غدار (تصحیح قیاسی از مرتب).
[4] ن ۱: کہ ندارد. [5] ن ۱: از بھرت پور برآمدہ. [6] ن ۱: الفاظ عبارت بین القوسین مقدم و موخر گشتہ.
[7] ن ۱: و چون شاہ از. [8] ن ۱: مسوّدہ ہاے. [9] ن ۱: با یکبار. [10] ن ۱: بخاطر.
[11] ن ۱: سِنّ کم. [12] ن ۱ و ن ۲: اوصاف حمیدہ. [13] ن ۱: برداشتہ ام. [14] ن ۱: ندارد.
[15] ن ۱: این کہ. [16] ن ۱: کسا نیکہ. [17] ن ۱: رحلت اقامت بفرخ آباد افگندہ.
[18] ن ۱: غیر از. [19] ن ۱: خفت و ذلت بسیارے کشید ناچار. [20] ن ۱: رسید کہ احوالِ او.

چون مقابلهٔ فئتین شد، بادلیجها از طرفین انداختن گرفتند[1]. دسته‌هاے فوج دکن، براے نمودِ جرأتِ خود، بروے[2] توپخانه رفته، نیزه بازی نمودند، و دستِ خونریز کشودند. عیسائیان از سنگر باہستگی برآمده، توپ اندازان[3] بوضعے درآمدند که چشمِ دکھنیان ترسید، و تُرکی تمام گردید. آنچنان دست و پا گم کرده گریختند، که گوئی درمیان نبودند. در دو سه روز به گوالیار، که سه منزلی اکبرآباد شهریست، حاکم نشین، و در تصرّفِ آنها بود ــــ رسیدند[5]. و حالِ شکستهٔ خود را در چند روز دُرست کرده آمادهٔ جنگِ جواہر سنگھ شدند. آنجا دعوی شجاع الدّوله قطع شد. راضی بمرگ بوده، تن تنها پیشِ فرنگیان رفت. آنها رُو ازو گرفته، دست از همه چیز برداشتند، و صوبجات را بطورِ اُو گذاشته، به عظیم آباد رفتند.

هرگاه رفعِ حجاب[6] شد، باز خلعتِ وزارت پوشیده، خلع العذار، بدار القرارِ خود، که اَوده باشد، آمد و نشست.

سانحه[7] اینجا دکھنیانِ تیره روزگار، با فوجِ بسیار، به سرحدِ جواہر سنگھ آمده، اکثر دیہات را تاختند، و خراب ساختند. جواہر سنگھ، که دلاورِ مقرّریست، از قلعه‌جات برآمده، بشت [illegible] ہزار سوار سکھان، که دران ایّام دران[8] ضلع آمده بودند، نوکر کرده، رفت[9] و [illegible] شد. ہنگامیکه جنگ بهم پیوست، آن مُدبران رُو بافتند[10]، و ایشان با [illegible] نہیب پرداختند. چنانچه قریب پانصد کس با سردارے اسیر کرده آوردند، و عرضِ[11] سپاہی گری آنها بُردند. چون ملہار [illegible] رُودارے بود، شکست بر شکست خورد، از فرطِ اندوه و غم سه چار منزل رفته مُرد.

بہمین[12] نزدیکی، رگھنا تھ راؤ که سردار مقرّری دکھنیان است، با فوجِ کثیر رسید، [illegible] بیکے از زمینداران آنطرف سرحدِ جواہر سنگھ چسپید. و [illegible][13] وجب فتنهٔ آن [illegible] گردید. زمیندار

[1] مط: انداختند.　[2] ن: بروے.　[3] ن: [illegible] از [illegible].　[4] ن: [illegible]
[5] ن ۱: رسید.　[6] ن ۱: بادشاه [illegible]　[7] [illegible]
[8] ن ۱: درین.　[9] ن ۱: گرفت.　[10] ن: [illegible]
[11] ن ۱: غرض.　[12] ن ۱: ہمین.　[13] [illegible]

مذکور، بایشان رنگی داشت، نوشت که اگر دکھنیان مرا پایمال ساختند، یقینِ خاطر[1] باشد که
بملکِ شما هم دستِ تصرف دراز خواهند کرد. آمدن بسرحدِ[2] خودمن[3] از واجبات است و
صرفهٔ من نیز در این است. این جوانِ فراخ دامان، با لشکرِ بی پایان رفته، این طرفِ
چنبل که رودخانهٔ مشهور[4] است، وا مُرده کرد. دکھنیان ذوولهٔ شده، طرحِ یکدلی انداختند. هنوز
هر دو لشکر محاذی بودند که خبرِ آمدنِ شاه شائع گشت. سرانِ دکھن، که از نامِ او آب
می‌باختند، دیگر در باختند. بمراسم[5] ارمغانِ خود گشتند. و شکستنِ قیدِ اسارت که در جنگ
سابق [illegible] بودند، [illegible] نمودند. این [illegible] لطیفه تنگ بحر اهان را، که با دکھنیان [illegible] ساخته
[illegible] گفتند که شما [illegible] دادن با اکبرآباد آمد.

[illegible] شاه [illegible] برای [illegible] او رفت. مرا زیارتِ مشتِ خاکِ پدر و عمِ بزرگوار
باین تقریب[7] بازیستر آمد [illegible] پانزده روز آنجا مانده[8]، عنان با ینطرف[9] بگرداند.

این بار هم، شاه تا[10] طرفِ تنج که رودِ معروف[11] است، از دستِ[12] [illegible]
پادشاهان خرابیها کشید و برگشت.

سنه[13] [illegible] | در بیولا، جواهر سنگه را، با راجا مادهو سنگه پسرِ جی سنگه، بر امری از امورات
زمینداری ناخوشی شد و رفته رفته به نزاع[14] کشید. این جوانِ جری بخرابیِ ملکِ او کمر بسته
در ظاهر ببهانهٔ ملاقاتِ راجا [illegible] پسرِ بخت سنگه، که احوالِ[15] او رقم زدهٔ کلکِ سحر
طراز گردیده[16]، بر سنکر[17] که [illegible] غیرتِ بحیره، و هندوان غسلِ آنجا را عبادت

[1] ن ا: خاطر ندارد. [2] ن ا: بسر خود. [3] ن ا: من ندارد.
[4] ن ا: ایست مشهور. [5] ن ا: در یافته. [6] ن ا: علاج نمودند ندارد.
[7] مط: تقریر. [8] ن ا: مانند. [9] مط: عنان آن طرف بگرداند (تصحیح از ن ا).
[10] ن ا: تا ندارد. [11] ن ا: معروفی است. [12] ن ا: دست ندارد.
[13] ن ا: ندارد. [14] مط: بنزع. [15] ن ا: احوالش.
[16] ن ا: گردید. [17] ن ا: سنکر. [18] ن ا: الحد.

میدانند، رفت و در راه اکثر قریات را بخاک برابر ساخت. بیجے سنگھ اگرچه جوان بود لیکن رائے صائبے داشت. آمده برخورد، و واسطهٔ صلح شد. عهد[1] و پیمان بمیان آمد [رائے بهادرسنگھ پسرِ کلانِ راجا که جوانِ بجرأت و همت آشناست، درین سفر به جواهر سنگھ به تقریبِ غسل آن آبگیر رفته بود، چون ازان جا برگشتند[2]]. چون جواهر سنگھ برگشت، سردارانِ راجا مادهو سنگھ نقضِ عهد نموده، آمادهٔ پیکار شدند[3]. تا دوپهر جنگِ تیر و تفنگ ماند[4]. آخر راجپوتانِ جهالت کیش از اسپان فرود آمده، دست بشمشیر بازدند[5]. پائے ثباتِ[6] اکثرے از جا رفت. این جوانِ دلاور[7] دادِ جوان مردی داده، این چنین بلائے صعب را برچیدند[8]. چون شام اُفتاد، بر هر دو[9] لشکر شکست اُفتاد. آتشِ تیزکین از هر دو سوزبانه کش است. در رعایا مثلِ خس و خاشاک میسوزد. باید دید که از پردهٔ غیب چه بظهور[10] میرسد.

سانحه | چون جواهر سنگھ به قلعه جات آمد[11] و نشست. فوجِ راجپوتان بخیرگی تمام دست تاراج بدیهاتِ نواح دراز کردند، و باستظهارِ دکهنیان آبادی‌ها را خراب نمودند. درین ایام انبوهے از سکهان، آنطرف آبِ جون بود. رئیسِ اینطرف بآنها مُستظهر[12] شده طرف گشت. کُشت و خون بمیان آمد. عالمے تلف گشت. آخر فوجِ حریف را از ملکِ خود بدر کرده[13]، سردارانِ سکهان را بر رفعِ اُو دوانید[14]، و رفتنِ خود مصلحت ندید. این قومِ دغل بآنها[16] در ساخت و باین سردار بد باخت. به گاه بدعهدی این بے سر و پایان دید، کار بسیار به بیمزگی کشید[15]. درهمین حال، اقبال یاوری کرد، که راجا مادهو سنگھ بسبب

---

[1] مط: عهد پیمان ن ۱: عهد و ...
[2] عبارت بین القوسین ...
[3] ن ۱: گشتند.
[4] ن ۱: در میان ماند.
[5] ن ...
[6] مط: اکثر.
[7] ن ۲: جواهر سنگھ و رائے بهادر سنگھ
[8] ن ...
[9] ن ۱: هر دو.
[10] ن ۱: چه بظهور رسد. مط: چه ظهور می رسد.
[11] ن ۲: ...
[12] ن ۲: داؤ ندارد.
[13] ن ۲: مستق...
[14] ن ۲: ...
[15] ن ۱ و ن ۲: کشید.
[16] ن ۱: با آنها.

بیماری کہ داشت، درگذشت۔ سرکردگانِ آن فوج، ناچار سر بسر کردہ برگشتند، وسکھانِ بے تہ از ہمان راہ گذشتند۔

سانحۂ عظیمہ[1] آنکہ[2] درین نزدیکی[3] جواہر سنگھ باکبر آباد رفت، و از دستِ ناکسے بیک زخمِ شمشیر جہانِ فانی را پدرود نمود۔ ریاست بہ راؤرتن سنگھ برادرِ اُو رسید۔ این سیہ کار مُدام شراب میخورد،[4] و بر خلقِ خدا جفا از حد می بُرد۔ چنانچہ در ریاستِ دہ ماہ باکس[5] وناکس بد باخت[6]۔ آخر مُہوتے بزخمِ کارد کارِ اُو ساخت۔ سرداری بنامِ پسرِ اُو کھیری سنگھ مُقرر شد۔ اختیار بدستِ نوکران اُفتاد۔ کار ابتر شُد۔

اکنون کارپردازان نول سنگھ پسرِ چارینِ سورج مل را، کہ درعرصہ بود، بہ نیابتِ آن طفل برداشتہ اند۔ اگر از آب خوب بر می آید خوب است، وگرنہ کار بسیار بے[7] اُسلوب است۔ وفتیکہ نفاقِ این قوم بطُول کشید، ونوبتِ کار پردازیِ ملک بہ سُفہاء رسید، نول سنگھ و برادرِ خورد رنجیت سنگھ، کہ قلعۂ کمہیر باُو تعلق دارد، ہر دو بجنگ برخاستند۔ قریب پانزدہ شبانروز جنگِ توپ و بان و[8] تیر وتفنگ درمیان آمد۔ چون قلعہ استحکامِ واقعی داشت، ناچار نول سنگھ بدرِ صلح زد وگذاشت۔ ہر چند[9] درمیانِ ہر دو برادر بظاہر صلح وصفا شد،[10] اما کینۂ[11] باطنی را چہ علاج؟ جیارام[12] کہ سرکردۂ فوجِ رنجیت سنگھ، و مدارالمہام بود، درلشکرِ دکھنیان کہ دران ایام چار پنج منزلِ آنطرف می گشتند، رفت۔ سرداران[13] را ترغیب نمودہ، درمُلکِ خود راہ داد۔ ہمین[14] با کہ حالا کلہ گوشہ بآسمان می رسانند[15] بحالِ خراب باُو آمدہ زیرِ دیوارِ قلعۂ کمہیر دائرہ کردند۔ آنقدر دل باختہ بُودند،

---

[1] ن ا: برادر۔ [2] ن ا: اینکہ۔ [3] ن ا: ایام۔

[4] ن ا: داوندارد۔ [5] ن ا: باندارد۔ [6] ن ا: تاخت۔

[7] ن ا: نااسلوب۔ [8] ن ا: تیرندارد۔ [9] ن ا: ہرچند بظاہر درمیان

[10] ہر دو برادر صلح وصفا شد۔ [11] ن ا: اما کہ باطن (کذا)۔ [12] ن ا: جہیارام۔

[13] ن ا: و سرداران۔ [14] ن ا: ہمین کہ۔ [15] ن ا: بآسمان بعظم می رسانید

که از هرکس می پُرسیدند" فوجِ نول سنگه چقدر است؟ و چه قسم می جنگد؟" اگر نول سنگه از جاے خود حرکت نمیکرد کارِ اُو باین خرابی نمیکشید، و دکهنیان هم بطریقِ ضیافت چیزے گرفته میرفتند. چنانچه حرکت بجانبِ متهرا کرده بُودند، که هنگامِ شب نا آزموده کارانِ نول سنگه قریب" گوردهن"، که آن هم معبدِ هنودان است، آمده پریشان جنگیدند. صد اینجا[۱]، و دوصد آنجا. هزارے اینجا و پانصدے آنجا[۲]. ازین جهت هرکه هر جا بود، همان تنها بود. کسے بدادِ کسے نمی رسید. نسیمِ فتح و ظفر بر پرچمِ علمهاے دکهنیان وزید. اسپان و فیلان و شتران و آلاتِ حرب بسیار اینطرف[۳] بدستِ قلعچیانِ آنطرف اُفتاد. برچنین شکست هم نتوانستند که بقلعجاتِ نول سنگه بپیچند. غنیمت شمرده از رودخانهٔ جون گذشتند و میان دوآب را خیمه آرا ساختند. چون اقامتِ ایشان بامتداد کشید، نجیب الدوله که از حزم بهرهٔ وافی داشت، باخود سنجید[۴] که این بلا بالا نخواهد رفت. مبادا که آسیبے بشهر رسد. باپسر[۵] و برادر و فوجے که همراه بود[۶]، توکّل کرده، پیشِ سرداران آمد. تاجان در تن داشت نگذاشت که دکهنیان رو بسوے شهر کنند[۷]. وقتیکه اُو از مرضِ مُزمنے که داشت، ازمیان رفت، سرداران بر امرے[۸] از اُمورات سهل ناخوشی به ضابطه خان پسرِ اُو درمیان[۹] آوردند. آخرالامر اُو واسوخته به" سُکرتال" رفت. ایشان[۱۰] قریبِ شهر آمده خیمها زدند.

چون بدپردازی و ناسازیِ جاٹان از حد گذشت، و لطفِ باش و بود بنگاه رفت. راجا ناگرمل بابست هزار فاته[۱۱] که بسبب این مرد آباد شده بود[۱۲] [illegible] دولتِ این داشتند، برفاقتِ متفق کرده اجازت از مرد [illegible]

[۱] ن ا: صد و پنجاه.　[۲] [illegible]　[۳] ن [illegible]

[۴] ن ا: [با خود سنجید] ندارد.　[۵] [illegible]　[۶] [illegible]

[۷] ن ا: بشهر رو کنند.　[۸] [illegible]　[۹] ن [illegible] درمیان.

[۱۰] ن ا: و ایشان.　[۱۱] ن ا: [illegible]

[۱۲] ن ا: آن جا آباد.　[۱۳] ن ا: و او ندارد.　[۱۴] [illegible]

بے چشم و رؤیان، کہ ہنوز در کمینِ آزارِ مردم اند، بلیت و لعل گذرانیدہ، خواستند کہ در بنائے عزمِ این سرکردہ، خلل انداز شوند، و بآہستگی دستِ تطاول کشایند۔ ہرگاہ بہ یقین پیوست کہ اینہا نمی گذارند، بلکہ سدِّ راہ می شوند۔ راجا نظر بر خدا کردہ، آنچہ لازمۂ سردار یست بکار بردہ، با ہر دو پسر، بجرأتِ تمام، سوار شد و بیرونِ قلعہ آمدہ، چنان ہمت بامدادِ غربا گماشت کہ ناموسِ نفرے ہم آنجا نگذاشت۔ از لطفِ دادارِ[1] بیہمال، و بیُمنِ نیتِ خوب، در[2] دو سہ روز، مع این قافلۂ گران، داخلِ کامان کہ شہرِ سرحدیِ راجا پرتھی سنگھ پسرِ مادھو سنگھ است، کہ[3] حالا رئیس اُو را قرار دادہ اند — گشت۔ ماتلخ کامان نیز بسببِ علاقۂ نوکری۔ وابستگی درین اقامت گزیدہ ایم، و می بینیم کہ آبخور چندے اینجا نگاہ میدارد، یا جاے دیگر می بَرد۔

سانحہ[4] | درین ایام مشہور است[5] کہ رایاتِ اقبالِ پادشاہی بہ فرخ آباد سایہ افگن گشت راجا مرا پیشِ حُسام الدین خان، کہ در مزاجِ پادشاہ تصرف داشت، فرستاد۔ رفتم و عہد و پیمان درست کردہ آمدم[6]۔ اینجا پسر خوردِ اُو، کہ با من خوب نبود، ازان سبب کہ من با برادرانِ کلانش ربطِ گونہ داشتم، علی الرغم بہ پدر فہمانید کہ پیشِ دکھنیان رفتن اَولیٰ است چنانچہ بلشکرِ پادشاہ نرفتند، و عازمِ شہر گشتند۔ ناچار من نیز مع لواحقانِ خود، برسوائیِ تمام با ایشان شدم۔ چون بشہر رسیدم زن و فرزند را در سرائے عرب گذاشتہ، از درِ[7] ایشان برخاستم۔ [[8]بعد از[9] دو سہ روز، با رائے بہادر سنگھ برخوردہ، حقیقتِ حال ہمہ بیان نمودم[10]۔ آن بابا[11] موافقِ مقدورِ خود در پرداختِ احوالِ شکستہ ام[12] تقصیرے نکرد۔]

---

[1] ن۱: دادر۔
[2] ن۱: بخیر و خوبی [بیُمنِ نیتِ خوبِ او ندارد]۔
[3] ن۱: مادھوسنگھ، و حالا رئیس۔
[4] ن۱: ندارد۔
[5] ن۱: شد۔
[6] مط: کردہ ام۔ ن ۱ و ۲ آمدم۔
[7] مط: ازیشان۔
[8] عبارت بین القوسین اضافہ از ن ۲ و مقابلہ از ن ۱۔
[9] ن۱: از ندارد۔
[10] ن۲: نمودہ۔
[11] ن۲: او با ما۔
[12] ن۲: ام ندارد۔

درپنولا سیندھیا، کہ یکے از سرداران کلانِ دکھن است، پیشوا رفتہ پادشاہ را با خود آورد، و داخلِ شہر کرد۔ چندے[1] برین نرفتہ بود، کہ سرداران با ہم قرار دادند کہ پادشاہ را با خود گرفتہ بر ضابطہ خان، پسر نجیب الدولہ مرحوم، باید رفت۔ ہر چند پادشاہ تعلل[2] بمیان آورد، فائدہ نکرد۔ باین تقریب من ہم، [با رائے بہادر سنگھ][3] ہمراہ لشکر پادشاہ[4] روانۂ آنطرف گشتم۔ رفتند، و ضابطہ خان را بے جنگ گریزانیدہ[5]، اموال و اسباب و خانہ و ناموسِ او بتصرف در آوردند۔ پادشاہ را غیر از دو صد اسپانِ لاغر و چند خیمۂ کہنہ ندادند پادشاہ ازین حرکت بسیار بیمزہ ماند۔ امّا چہ فائدہ، کہ دکھنیان مُغتر و اینجا زور[6] نہ زر۔ چون زور[7] بآنہا نرسید، متصدیانِ حضور بضبطِ جاگیراتِ اعزّۂ اینجا پرداختند، و بسا عزیزان را ذلیل و خوار ساختند۔ [ازین جہت رائے بہادر را نیز دستے نماند][8]۔

من بگدائی برخاستہ، بر در ہر سر کردۂ لشکرِ شاہی رفتم۔ چون بسببِ شعر شہرتِ من بسیار بود، مردمان رعایتِ گونہ بحالِ من مبذول داشتند۔ بارے بحالِ سگ و گربہ زندہ ماندم، و با وجیہہ الدین[9] خان برادرِ خوردِ حسام الدولہ ملاقات نمودم[10]۔ آن مرد، نظر بر شہرتِ من، و البیتِ خود، قدرے قلیلے معین کرد، و دلدہی بسیار نمود۔

القصہ چون پادشاہ از سرکشیِ رئیسانِ دکن دلِ خوشے نداشت[11]، بے مرضیِ آنہا روانۂ شہر شدہ، داخلِ قلعہ گشت۔ اینجا آمدہ نجف خان، کہ خود را در لشکرِ پادشاہی سپاہی میگرفت، پادشاہ را نا سنجیدہ، نافہمیدہ، برین پلّہ[12] آورد کہ محالاتِ متعیّنۂ جاٹ را متصرف باید شد[13]۔ آخر باصرارِ تمام اجازتِ این امرِ عظیم بے مشورتِ حسام الدولہ کہ با سرداران دکن ربط[14]

---

[1] مط: چندین۔
[2] ن ۱: تعلل با۔
[3] ن ۱: ندارد۔ (؟)
[4] ن ۱: پادشاہی۔
[5] ن ۱: گریزانیدند و اسباب۔
[6] ن ۱: و نہ زر۔
[7] مط: چون زر۔ ن ۱: چون زور۔
[8] ن ۱ و ن ۲ عبارت بین القوسین ندارد۔
[9] ن ۱ و ن ۲: با وجیہہ الدولہ برادر۔
[10] ن ۱: نمود۔
[11] ن ۲: دل پُرے داشت۔
[12] ن ۱: پلہ ندارد۔
[13] ن ۱: متصرف باشد۔
[14] ن ۱: رابطہ۔

تمام داشت ـــــ گرفته، دہ پانزدہ ہزار مردمِ مفلوکِ شہر، و بیرونجات گرد آورد، و در شروعِ آن مہم[1] دہ دوازدہ محالاتِ نزدیکِ شہر را متصرف شدہ طرفِ کلاہ بر شکست چون کم سِن و نادیدہ[2] روزگار بود، بگفتۂ سفیہانِ ناآل اندیش، از جائے رفتہ، مستعدِ حربِ دکھنیان شُد۔ آنہا[3] مشورت کردند کہ ہنوز پادشاہ مانا بگداست۔ باین زور و طاقت ارادۂ مقابلۂ ما کردہ است۔ اگر زورِ واقعی بہم خواہد رسانید، کار برما تنگ خواہد کرد۔ بہتر آنست کہ از[4] دوآبہ کوچ بطرفِ شہر نمائیم، و فرصت ندادہ کارِ اُو بسازیم۔ اگر در جنگ از میان برود، رفتہ باشد، وگرنہ سرجنگے[5] زدہ، انبوہِ گدائی[6] را پراگندہ سازیم، و خودش را بحالِ فقیران نگاہ داریم۔ کہ بنان و نمک معاش میکردہ باشد و دست نگرِ ما باشد۔

ہرگاہ این[7] مشورہ قرار یافت، ضابطہ خان[8] را، بوعدۂ بخشی گری و سہارن پور کہ از تصرفِ اُو برآوردہ، بپادشاہ دادہ بُودند، خوشدل ساختہ، رفیق نمودند۔ فوجِ جاٹ را نیز برین[9] منوال ہمراہ گرفتہ، از میانِ دوآب بتری ہائے تمام، در[10] عرصۂ یک ہفتہ، برابر فریدآباد آمدہ عبورِ دریائے پایاب[11] کردند۔ دو سہ روز زُود خوردی ماند۔ آخر روزے جنگ بمیان آمد۔ ازینطرف ہم نجف خان و بلوچان[12] و موسیٰ مدک فرنگی کہ باغوائے نجف خان از نوکریِ[13] جاٹ دست برداشتہ ملحقِ این فوجِ فلک زدہ گشتہ بُودند، پائے جلادت بمیدانِ معرکہ فشردند۔ چون سیاہیِ فوجِ دکھنیان دیدند، مُغلانِ حرام توشہ پشت دادہ[14]، روسیاہی گزیدند۔ اجل رسیدگانِ چند، کہ[15] جامۂ ہم سرِتن[16] نداشتند، مفت زخم ہائے دامن دار

---

[1] ن ۱: شروع دران مہم نمودہ۔
[2] ن ۱: نادیدہ کار۔
[3] ن ۱: باخود۔
[4] مط: از ندارد۔
[5] ن ۱: سرجنگی۔
[6] ن ۱: کدائی۔
[7] ن ۱: این ندارد۔
[8] ن ۱ و ن ۲: ضابطہ خان پسرِ نجیب الدولہ۔
[9] ن ۱: بدین۔
[10] مط: تمام برابر در ن ۲: تمام کہ نہ نوشتہ بہ است۔
[11] مط: دریا پایاب۔
[12] مط: دیلوچان۔
[13] ن ۱: روزگار
[14] ن ۱: دادند و
[15] ن ۱: کہ ندارد۔
[16] ن ۱: ہم برتن۔

بُرداشتہ، بوادیِ عدم شتافتند۔ دستہ ای آن طرف میدان را خالی یافتہ، بے محابا بشہر درآمد۔ فیلانِ پادشاہی و یَراق بسیارے، را بر سرِ گریختگان گذاشتہ با خود بُرد۔ پریشانے چندکہ جمع شدہ بُودند، بیک چشمک زدن ازمیان رفتند۔ تایک پاس شب گذشتہ، حُسام الدین خان با معدودے چند در رتی[1] اِستادہ ماند، و باز برخاستہ، پیشِ بادشاہ رفت۔ قریب نصفِ شب[2] نجف خان نیز مظلومانِ چند را بکُشتن دادہ، داخلِ حویلیِ خود شد۔ شہر کہنہ کہ[3] جستہ جستہ آبادی داشت، درین سانحہ از سرِ نو بغارت رفت۔ ماغربا را حافظِ حقیقی در حفظِ خود نگاہداشت[4]۔ صبح جرّارانِ اینطرف، تابِ مُقاومت نداشتند کہ بمیدان برآیند۔ مورچال برابرِ دیوارِ شہر پناہ درست کردہ، بجنگ[5] بادیجہا آن روز گذرانیدند[6]۔ اقبال پادشاہی کارکرد، وگرنہ قلعۂ مبارک را ہم می پرّانیدند۔ سلیقۂ جنگ و استعداد اینطرف[7] ہمان روز معلوم شدہ بود، کہ چون آمد[8] آمدِ فوجِ دکھنیان شنیدہ[9]، ہوشِ اکثرے رفت، و مردمِ توپخانہ برائے تیاریِ[10] آلاتِ حرب مثل توپ و رہکلہ و جزائرِ افتادہ، و سُرب و باروت و بان، وغیرہ عرضی بحضورِ اقدس کردند۔ مُتصدّیان صد روپیہ بہ میر آتش، کہ از برفِ خنک تراست، تنخواہ کردند۔ ہیبَتِ اُو، و سیاستِ اُو[11]، اگر بینی دانی کہ مردان[12] چنین می باشند۔ آنچنان در کُنجے خزید کہ تا جنگ درمیان بود، اُو را کسے ندید۔ آخر روزِ سوم، حُسام الدولہ سوار شدہ رفت، و صلح دلخواہ آنہا کردہ آمد۔ بارے شہر لَو[13] سلامت ماند۔ اکنون باشارۂ مختار[14] دکھنیان درپئے برآوردنِ نجف خان و مغلان[15] حرام کوزہ اند[16]۔ بہ بینیم کہ چسان[17] صورت میگردد۔ این اِدبار زدگان چطور از شہر برون[18]

۱ ن ۱: وارسی۔ ۲ ن ۱: شب ندارد۔ ۳ ن ۱: کہ ندارد۔ ۴ مط: نگہداشت۔
۵ ن ۱: بجنگ ندارد۔ ۶ ن ۱: گذاشتند۔ ۷ ن ۱: این طرف ندارد۔
۸ ن ۱: چون آمد فوج۔ ۹ مط: شد۔ ۱۰ ن ۱: طیاری۔ ۱۱ ن ۱: او را۔
۱۲ ن ۱: مردمان۔ ۱۳ ن ۱: لو ندارد۔ ۱۴ ن ۲: نواب موصوف۔
۱۵ ن ۱: مغلان و نجف خان۔ ۱۶ ن ۲: مغلان سیہ رو۔ ۱۷ ن ۱: چسپان۔ ۱۸ مط: برمی آیند۔

می آیند و بکُجا میروند۔

القصّہ، سیندھیا، کہ سردار سوئینِ[1] دکھنیان بود، بطرفِ جے پور رفت۔ سردارانِ دیگر ارادۂ آنطرفِ آب دارند۔ غالب کہ از راہِ فرخ آباد بہ جھانسی بروند، از آنجا[2]۔ سببِ آشوبِ ملکِ شجاع الدّولہ شوند۔

سانحہ[3] | چون زبانزدِ مردمِ شہر بود کہ نجف خان وغیرہ سرداران، و مغلانِ شورہ پشت دعویِ تنخواہ در سر دارند، ہرگاہ دکھنیان کوچیدہ میروند، این جمِّ غفیر بر درِ پادشہ نشستہ مُتصدّیان را تنگ کردہ، زرِ طلب خواہند خواست۔ لہذا حُسام الدّولہ[4] بدکھنیان گفت کہ "اینہا نمک بحرام و ہنگامہ پردازاند، بہرطوریکہ دانید[5] ہمّت بر اخراجِ ایشان بر گمارید[6]۔" حالا حسبُ الاشارۂ اُو[7] سردارانِ جنوب درپئے آنند کہ آن قوم را از شہر بر آرند۔ چنانچہ قدغن است کہ مُغلے در شہر نماند۔

وقتیکہ این گفتگو بطُول کشید، و متصدّیانِ حضور در قلعہ رفتہ[8] نشستند، و مردمِ شہر را بند کردند، در ظاہر آن گروہِ بے شکوہ تا لاہوری دروازہ ملچار ہا بستہ[9]، آتشِ فتنہ و فساد برکردند، و بباطن با دکھنیان، کہ[10] بالقوۂ رو کشیِ آنہا نداشتند، در ساختند۔ چون از ہنگامہ آرائی کار پیش نرفت، و دیدند کہ در اِستادگی کُشتہ خواہیم شد، ناچار مُہیّاے برآمدن شُدہ، با جنوبیان عہد و پیمان نمودند۔ بعد از دو سہ روز، نجف خان و دیگر سرکردہ ہاے مُغلان، با ہمہ یارانِ خود، در لشکرِ آنہا رفتہ[11]۔ اہلِ دکن کہ صاحب سُلوک اند، و مراعاتِ ظاہر را در ہیچ وقت نمیگذارند، در عزّتِ این اِزدحامِ نافرجام تقصیرے نکردند۔ امّا آن عزّت کہ در نوکریِ پادشاہ بود، معلوم!۔ در چند روز این

---

[1] مط: سیوبیں۔ [2] ن ا: و از آن جا۔ [3] ن ا: سانحہ ندارد۔
[4] ن ۲: حُسام الدّولہ کہ مختار بود ند۔ [5] ن ا: دانند۔ [6] ن ا: اینہا برگمارند۔
[7] حسب الارشادِ نواب مذکور۔ [8] ن ا: رفتند و۔ [9] ن ا: گشتہ۔
[10] مط: کہ ندارد۔ [11] ن ا: رفتند و۔

جماعتِ بے حقیقت پراگندہ میشود۔ ہرکس بطرفے خواہد رفت۔ وہمین مشہور است که بالفعل دکھنیان این ہیئتِ مجموعی را تا اکبرآباد بخود می برند[۱] وازانجا اجازت خواہند داد، کہ ہرکس ہرجا کہ خواستہ[۲] باشد برود۔

الحاصل، مغلانِ شرارت بنیاد، وجنوبیانِ سراپا فساد، قریب است کہ بروند، و حضرت ظلِّ سُبحانی بذاتِ قُدسی صفات، با دوسہ محرّر، درقلعۂ مبارک، بے تشویشِ آیندہ و روندہ تشریف دارند۔ اگر روزے صد بار برکنگرہ[۳] کنگرہ حصار جہتِ سیر برآیند، کیست کہ حجابِ[۴] اُو مانع شود؟ وگر بہ بازار پیادہ پا برآیند[۵]، حاجب کوکہ "دُورباش" نماید؟۔ اُسلوب چنین بنظر می آید، کہ اہلِ حرفہ سر بصحرا زنند، وسپاہی پیشگان بگدائی دست دراز کنند۔ ہرکسے راہِ خود گیرد، شہر رونق بسیار پذیرد۔

سانحہ[۶] تازہ آنکہ، چون جنوبیان نجف خان را ہمراہ گرفتہ، رُو بآن روے آب آوردند[۷]، وزیرِ حال ازصوبۂ خود، باستظہارِ نصرانیان یلغار کردہ، بہ فرُخ آباد رسید، و رُوکش گردید۔ چون سردارانِ جنوب، خود را دران مرتبہ نیافتند، کہ حریفِ آنہا شوند، قریب سہ ماہ بہ[۸] قیل وقال [گذراندہ، خواہانِ صُلح شدند۔ چون وزیر ہم دلاورِ مقرّرے بود، غنیمت دانستہ قبول] این[۹] معنی نمود۔ آخرالامر نجف خان را مختارِ کارِ حضور کردہ، روانۂ صوبۂ خود شد۔ دکھنیان ومشرقیان ہم جواب وسوالِ خود باُو سپردہ، بمکانہاے متصرفۂ[۱۰] خود، رفتند۔ چون نجف خان داخلِ شہر گردید[۱۱]، رنگ از رُوے حُسام الدّولہ پرید۔ دوسہ[۱۲] روز درخانہ نشست بعد ازان پادشاہ درقلعہ طلب داشتہ کاغذِ حسابِ چندسالۂ خود را طلب کرد، وہمانجا نگاہداشت۔ مجدالدولہ[۱۳] عبدالاحدخان پسرِ عبدالمجید

[۱] ن ا: باخود میبرند۔ [۲] ن ا: بہ جا کہ بخواہد۔ [۳] ن ا: برکنگرہٴ حصار۔
[۴] ن ا: کہ مانع شود۔ [۵] ن ا: درآیند۔ [۶] ن ا: سانحہ ندارد۔
[۷] ن ا: زدند۔ [۸] ن ا: بہ ندارد۔ [۹] ن ا: عبارت مابین القوسین ندارد۔
[۱۰] ن ا: خود ندارد۔ [۱۱] ن ا: شد۔ [۱۲] ن ا: ودوسہ روز۔ [۱۳] ن ا: مجدالدولہ۔

خان مغفور[1] که از کارپردازان مُقررِ پادشاهی بود، از تغیّرِ راجا ناگرمل خلعتِ دیوانیِ خالصه پوشید[2]، و بکارِ پادشاهی[3] پرداخت۔ آخرِ کار[4]، پادشاه حُسام الدّین خان را که مختار الملک بود، مجبور[5] ساخته، بابت زرِ پادشاهی و تنخواهِ مُغلان، بعوضِ هشت صد لک روپیه[6]، حوالهٔ فتح علی خان دُرّانی وغیره نمود[7] (که) اُورا از قلعه بخانهٔ خود بَرد۔ حالا مغلان مختار اَند، خواه بکشند[8] و خواه بگذارند۔

این شامتِ اعمال قیامت بسر آورد

[آنچه ظاهر است حُسام الدّین خان در حقیقت از میان رفت، چراکه بدستِ دشمنانِ جانی اُفتاده است، تا مقدور زنده نخواهند گذاشت، پیشتر اختیارِ خداست که او بر همه چیز قادر است۔ احوالِ فقیر از سه سال آنکه، چون قدر دانے درمیان نیست، و عرصهٔ روزگار بسیار تنگ است، توکُّل بخُدائے کریم — که اُو رزّاقِ ذی الْقُوَّةِ المتین است — کرده، بخانه نشسته اَم۔ ظاهر اسباب با اعزّهٔ چند، مثلِ ابُوالقاسم خان، برادرِ خوردِ عبدالاَحد خان مجدالدّوله، و وجیهُ الدّین خان برادر حُسام الدّین خان، و بَیرم خان خلَفُ الصِّدقِ بهرام خان کلان — که در آدمی رَوِشِ یکتائے روزگارِ خود اند — و قُطب الدّین خان، پسرِ سَعدالدّین خان خانسامان ۔ اگرچه سِنّش کم است، اَمّا فهمِ دُرستے دارد، و خالی از سعادتمندی نیست — و قاضی لُطفِ علی خان، که آدمیانه می زِیَد۔ گاه گاه ملاقات کرده می آید، خواه از دستِ ایشان اِنتفاعے برسَد، یا نرسد۔ مایهٔ توکّل همین صاحبانند۔ و گاهے هم این چنین اِتّفاق می شود که کسے فقیر و شاعر و متوکّل دانسته، بطریقِ نذر چیزے بفرستد۔ محلِ

---

[1] ن ۱: مغفور ندارد۔
[2] ن ۱: پوشیده۔
[3] ن ۱: بکاروبار بادشاهی ن ۲: مختار کار بادشاه شد۔
[4] ن ۱: پایانِ کار۔
[5] ن ۱: مجبور شده ۔
[6] ن ۱: بعوض هشت لک روپیه۔
[7] ن ۱: نمود ندارد۔
[8] ن ۱: واوَ ندارد۔

شکر است. اکثر قرضداری باشم و بہ عسرتِ تمام بسر میکنم"۔][1]

سانحہ عبدالاحد خان[2] کہ دیوانِ خالصہ شدہ بود، و در مزاجِ پادشاہ دخلِ تمامے کرد، مختار گشت، و ہرچہ میخواست میکرد۔ کسے را یارائے دم زدن نبود، فوجِ پادشاہی باحالِ تباہ۔ پادشاہ بیدستگاہ۔ بر سائرِ شہر و چند دہ گذران معلوم۔ جاٹ — کہ عبارت از اولادِ سورج مل باشد — تا درگاہِ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ — کہ از شہر سہ چہار کروہ است — متصرّف بود۔ نجف خان پیشِ پادشاہ عرض میکرد کہ: "حضرت زندگانی باین قسم ظاہر است، اگر این ملکے کہ در تصرفِ جاٹ است، بدست بیاید نصف دل خوش بسر میتوان کرد۔" پادشاہ میگفت: "مگر خواب می بینید۔ سخن کہ از دہنِ خود زیادہ باشد، چرا باید گفت۔"؟ او میگفت: "اگر چنین اتفاق شود، حضرت مرا چہ میدہند؟"۔ پادشاہ گفت: "سوم حصہ از ملک من بگیرم، باقی بخشِ شماست!"۔ چون ادبارِ آن قوم نزدیک شد، روزے فوجِ آنہا بمیدانِ "گڑھی" کہ قریبِ درگاہ حضرت خواجہ مسطور علیہ الرحمۃ است آمد و آغازِ شوخی کرد۔ نجف خان، با مردے کہ یراق ہم نداشتند، حرکتِ مذبوحی کردہ، برُوئے آنہا دوید۔ آنہا کہ مغرور بودند بخاطر نیاوردہ، زود بُردی نمودند۔ چون جنگ بمیان آمد صورتے کہ متصوّر نبود، جلوہ گر شد۔ یعنی تا شام آن جنگ زدند۔ مردانِ پادشاہ شب بفراغتِ تمام معاش کردہ، ہم آنجا اقامت انداختند و کوسِ شادی نواختند۔ صبح آن قدم پیش گذاشتہ بہ بلم گڑھ، کہ حصارِ مضبوط آنہا بود، بفاصلۂ دوازدہ کروہ از شہر، رفتہ چسپیدند۔ چند روز جنگِ توپ و تفنگ

---

[1] عبارتِ بالا در نسخۂ رامپور یافتہ می شود و ہم برین عبارت آن نسخۂ خطّی تمام می شود۔ دنبالِ این "عبرت و خاتمہ" است، کہ در متن ما فقط اخیراً می آید۔ برائے زمانۂ نوشتن این نسخۂ خطّی رجوع شود۔ "مقدمہ"۔

[2] ازین جا تا آخرِ کتاب متن متخذ از ن ۲ و نسخۂ مطبوعہ است

درمیان ماند۔ سردارِ آنجا گفت: "از گرفتنِ حصار، جنگِ جاٹان تمام نمی شود، پیشتر بُرَوید۔ جنگے کہ با سرداران است آن جنگ را بزنید۔ این حصار را من بے جنگ خالی کردہ خواہم داد۔" نجف خان باین سِنّ کم، سردارِ سخن شنَو بود، دست ازان حصار برداشتہ، ہمان سردار را آنجا گذاشتہ، ارادۂ پیشتر نمود۔ چون قریبِ ہُوڈَل، کہ قصبۂ مُتَصَرِّفۂ جاٹان بود، رسید، کار بدشواری کشید۔ یعنی فوجِ سنگین ازان طرف آمدہ بَر رُو ایستاد۔ کارِ کلانے بَر سَر اُفتاد۔ سَردارِ جاٹان، کہ نَوَل سنگھ نام داشت، بالشکرِ گران و توپخانۂ بسیار، آمد و چہرہ شد۔ ہنگامۂ جنگ گردید۔ فلک جامہ ہاے بسا کس بخون کشید، رفتہ رفتہ زمین بہ تنگی گرائید۔ پرخاش بہ یَراقِ کوتہ اَنجامید۔ مردمانِ پادشاہی از کثرتِ فاقَہا، و تباہی دست از جانہا برداشتہ، پاے ثبات اَفشردند، و سخت خوردند، و مُردند۔ چون فتح بہ اِدبارِ آن قوم بود، سرداران پیادہ شدہ، کار را پیش بُردند۔ آن فوجِ گران، ہزیمت خوردہ برگشت۔

سَمرُو نام فرنگی کہ با توپ و رہکلہ آن طرف بجراَتِ تمام دیرے ایستادہ ماند، آخرِ روز آن ہم رُو بفرار نہاد۔ نجف خان، کہ این کارِ بزرگ بسرداریِ اُو سَرانجام یافت، کلاہ کج کرد۔ ہر کہ این ماجرا شنید خیلے متعجّب گردید۔ سردارِ جاٹان بحصارِ خود رفت، و بربسترِ اُفتاد۔ این جا بر نجف خان مردم بسیارے گِرد آمدند۔ رئیسِ کلانے شد۔ چون زر پیشِ خود نداشت، مردمان را بزبان نگاہداشتہ، ہر کسیکہ می آمد، نوکر می شُد۔ درچند روز لشکرِ حکم دریاے بیکران پیدا کرد۔ اگرچہ کنارِ خشک داشت، اَمّا بہ تر زبانیِ خود کار می کرد۔ چون دید کہ بسخن ہاے دروغ فوج نمی ماند، جگر کرد، و سرداران را بمحالاتِ جاٹ فرستادن آغاز کرد۔ آخر این نقش درست بنشست۔ خودش رفتہ بحصارِ ڈِیگ کہ ازانجا دوازدہ کروہ بود، چسپید۔ سردارِ آنطرف کہ بیمار بود، قضا را درگذشت۔ آنہا رنجیت پسرِ چہارمِ سورج مل را برداشتہ، ہمّت بر جنگ گماشتند۔

داروغۂ توپخانۂ آن قلعہ، بسردارانِ اینطرف سازشے کردہ، راہِ درآمدِ حصار نشان داد۔ مردمان یورش نمودہ درآمدند، و بغارتِ شہر منتفع شدند۔ ہر کم بغل دو بغل تاش بادلہ آورد۔ اسبابِ بسیار، و توپخانۂ بے شمار بدستِ نجف خان ہم آمد۔ قلعچیانِ این فوج مالدار شدند۔ بعدِ غارتِ ہفت ہشت روز آن قلعہ را حوالۂ سردارے کردہ، قدم پیش کشاد۔ کُمہیر کہ حصارِ دیگرش بود، قصدِ آنجا نمود۔ رنجیت کہ سردارِ آن قوم شدہ بود، آن قلعہ را خالی گذاشتہ، و آلاتِ جنگ یک شاخ افگندہ، بہ بھرت پور، کہ حصارِ محکمے است، رفت۔ ایشان متصرفِ این شہر نیز شدند، و مالِ بسیارے بدستِ سپاہیان آمد۔ ناچار جاٹان پیغامِ صلح دادند، و کشوری کہ مادرِ رنجیت باشد، و از شعور بہرہ داشت، آمد و آشتی خواست۔ نجف خان، بھرت پور را بایشان دادہ، و کار بر وقتِ دیگر گذاشتہ، باکبر آباد، کہ دار السلطنتِ مقرریست، و جاٹان متصرف بودند رفتہ، مہیاے جنگِ آن قلعہ شد۔ چون اقبال یاور بود، در اندک فرصت نقب دادہ، بدست آورد۔ سردارے را کہ از طرفِ جاٹان دران تمکن داشت، بوعدہ و وعید بدر کرد۔ با مردمانِ آنجا سر کرد، و تمامِ آن صوبہ را متصرف گشت۔ ہر کہ میخواست، محالاتِ آنجا تنخواہ میکرد۔ در چندے مالکِ تمامِ آن ملک شد۔ راجہا و زمینداران ہمہ سرِ حساب شدند۔ اگر جاٹان حرکتِ مذبوحی میکردند، بیک سیلی زدن باز روے اینطرف نمی آوردند۔

ہر گاہ نجف خان مالکِ اینہمہ ملک شد و کارِ او بالا گرفت، و در حضور عبد الاحد خان لکد برابر زد۔ یعنی مدارِ سلطنت بران قرار گرفت۔ پادشاہ از نجف خان موافقِ وعدہ، سوالِ سوم حصۂ ملک نمود۔ او در حضور آمدہ گفت کہ: "اینہمہ فوج کہ بامن است، ملک تنخواہِ مردمان کردہ دادہ ام۔ حضرت زرِ سوم حصۂ ملک از من می گرفتہ باشند۔" پادشاہ از زبان زیرِ زبان داشتنِ او اطمینان نداشت، گفت:

"اینقدر ملک با یار گذاشت کش زدنِ مردانۂ او، پیشِ زور آوری عبدالاحد خان پیش رفت نشد۔ ناچار محالاتِ سوم حصۂ ملک بطورِ مختار جدا کردہ داد۔ وخلعتِ میر بخشگیری عطا شد۔ امیرالامرا شد۔ بعد از چندے از حضور رخصت خواستہ باکبرآباد رفت۔ اینجا عبدالاحد خان سکھان را از خود کردہ، ہر چہ بالقوہ داشت بآنہا داد۔ باعتمادِ آن جمِ غفیر، پادشاہزادۂ فرخندہ اختر را گرفتہ، براجہ پٹیالہ لشکر کشید۔ تہِ دلش اینکہ اگر اتفاق شود سکھان را بروے نجف خان باید دوانید۔ آنطرف میرفت وخیالِ اینطرف داشت۔ رفتہ رفتہ کار باینجا کشید کہ مردم بسیارے از لشکرِ امیرالامرا جدا شدہ ملازم مختار گردیدند۔ چون ... دار نبود، وتدبیرِ ریاست خوب نمی دانست، کار ہا را ناتمام میگذاشت۔ چندے بسر کردہ بمشورتِ سکھان باراجا سر بسر کرد۔ زرے کہ داشت بہ خرچ آمد۔ چیزے از پادشاہ خواست۔ شاہ از طلب کردنِ زر بیمزہ شد، ونوشت کہ بہر طوریکہ باشد آنجا باشید من زر ندارم۔"

سانحہ وزیرِ اعظم، امیرِ معظم، نواب شجاع الدولہ کہ سر بفلک داشت، بجنگِ حافظ رحمت روہیلہ، کہ با او دم ہمسری میزد وخصومت میکرد، برآمد۔ حریف از راہِ خصومت بفرنگیان می نوشت: "وزیر کہ این ہمہ فوج نگہ میدارد سر بر سرِ شما دارد۔" چنانچہ گورنر بہادر کہ صاحب ... است، بارادۂ پرخاش پیشتر آمدہ بود۔ نواب وزیر کہ مراعاتِ این قوم غالب: پس از بلش می نمود، تنہا پیشِ آنہا رفت وگفت: "من پاسِ شما میکنم، واز کسے دیگر فروتنی نخواہم کشید۔ درین ہر چہ خواستہ باشد، بشود۔ یا مرا ہمراہ بہ کلکتہ ببرند، یا ملک را بطورِ من گذارند۔" فرنگیان سلوکِ وزیر دیدہ، دست از ہمہ چیز کشیدہ، کڑا والہ آباد را ہم حوالہ کردہ، رفتند۔ سپہرِ کاسہ باز چرخ زدن آغاز کرد، وزمانہ دیگر گشت۔

ہر گاہ وزیر از آنجا برگشت، اکثرے از فرنگیان مقدمۃ الجیشِ وزیر شدہ، جنگ

رابطورِ خود مُقرّر کردند۔ و چون چشم روہیلہ ہا ازین لشکر، آن کہ حکمِ دریاے بیکران داشت، ترسیدہ بود، ضابطہ خان و سردارانِ چند بہ جمعیّتِ دہ دوازدہ ہزار کس، الف بر زمین کشیدہ اظہارِ این معنی نمودند کہ ما مردمِ دولت خواہانیم، سرتابی نمی توانیم کرد۔ وزیر اعظم نظر بر فضلِ نا متناہیِ الٰہی گفت کہ: "پسِ پُشتِ فوج اِستادہ باشند۔" اگرچہ بعضے از سرکردہ ہا گفتند کہ "این قوم غدّار است۔ رُو نباید داد۔ مبادا در وقتِ جنگ موجبِ تشویش شوند۔" و چون وزیر جگردار واقعی بود، —— پشت چشمے نازک کردہ گفت کہ: "زورِ اینہا را در نظر دارم۔ بیک تگ تگِ پا بہ خاک در آرم۔"

صاحبزادہ آصف الدّولہ بہادر، کہ حالا وزیر اعظم است، در تردّد کارزار سرگرم بسیار۔ بہر طرف کہ رُوی آورد، گَرد می انگیخت۔ زنجیرۂ توپخانہ بزورِ تیغ می گُسیخت۔ وقتیکہ ہنگامۂ جنگ گرم تر شد، حریف کہ غرقِ آہن بود، از موم نَرم تر شد۔ گولہ ہا بہ این بسیاری می رسید کہ بسیارے را بخاک و خون میکشیدند۔ چون زمین تنگ شد، حریف دید کہ گذر و گریز نیست ناچار جگر از سنگ کردہ، در میدان بہ ایستاد، و دل از جہان برداشتہ، تن بہ مُردن داد۔ زُود بُردی بہ میان آمد، و انبوہِ آن طرف بجان آمد۔ ہوش از سرِ دلاوران پرید۔ گولہ بہ سینۂ اَش رسید۔ صُفوفہا بَرہم خوردند۔ سرِ دشمن چون گُوے بُردند۔ ہرگاہ درین لشکرِ ظفر اثر آو[illegible]ند و نمُودند۔ روہیلہ ہا زبان بہ تصدیق کشودند کہ ہر عَمَل را جزائے، و ہر کردہ را سزائے است۔ چون یقین شد کہ او کُشتہ اُفتاد، شکرانۂ این فتح، وزیر سر بہ سجدہ نہاد۔ لشکرش بغارت رفت و ناموس بہ[illegible] آمد۔ ملکِ سیر حاصل اُو ہمہ در تصرّفِ وزیر آمد۔

نجف خان کہ درین جنگ از اکبر آباد آمدہ ملحق لشکرِ وزیر شدہ بود، رخصت شدہ باز باکبر آباد رفت۔

فقیر دران ایّام خانہ نشین بود۔ پادشاہ اکثر تکلیف کرد، نرفتم۔ ابوالقاسم خان پسرِ ابوالبرکات خان کہ صوبہ دارِ کشمیر بود، و بنی عمّ عبدالاحد خان مختار است، مراعاتِ گونہ بکار می برد۔ گاہ گاہ باو ملاقات می شد۔ گاہے پادشاہ ہم چیزے بچیزے می فرستاد۔

مصرعہ گاہ گاہ می گویم کارِ دنیاے من ہمین قدر است

بعدِ این فتحِ عظیم، وزیرِ اعظم امیرِ معظّم، بشکوہِ تمام داخلِ صوبہ شد چون چشم سپہر بدنبالِ اہلِ روزگاری باشد، گوئی کہ چشمے باین انبوہِ پُر شکوہ رسید۔ یعنی دستورِ جگر دار، کلان کار، بسببِ آبگردش بیماری بہم رسانید کہ تدارکش دُشوار بنظر می آمد۔ ہر چند اَطبّاء و فرنگیان بمعالجہ سعی نمودند، امّا فائدہ مُترتّب نشد۔ از ہشیار سری چون دید کہ بیماری بطُول کشید، خلفُ الصّدق آصف الدّولہ بہادر را کہ شایستہ کار و جرّار، و عالم مدار، و مدوارِ فیض و احسان است، بر مسندِ وزارت نشاند، و از جہانِ فانی دامن افشاند۔ در ماتم آن امیرِ بزرگ عالمے سیاہ پوش گردید۔ عجب سانحہ بظہور رسید۔ اگر ہزار سال چرخ چرخ میزند، تا اینچنین جوان سردارے ہمہ تن جرأت سراپا مُروّت بہم میرسد۔

بعد از چندے، مختار الدّولہ کہ اختیارِ کاروبارِ وزارت و صوبہ داری داشت، زمانہ اَش فرصت نداد، و نگذاشت۔ از دستِ خواجہ سرائے بسنت نام، کُشتہ اُفتاد، و سر بوادیِ عدم نہاد۔ نوبتِ نیابت بہ حسن رضا خان سرفراز الدّولہ بہادر رسید۔ و این سردار یست باتمکین، مُتواضع، مُتّصف بہ حُسنِ خُلق، صفتِ کرم بر صفتہاے حمیدہ اش غالب۔ دلجوئی وضیع و شریف را بہ حُسنِ سلوک طالب۔ الطافِ عمیمش مراجِع، اکثرے را دریابد۔ خدا اش سلامت دارد۔

سانحہ پادشاہ از طلب کردنِ زرِ مختار بہمزہ شدہ، بہ نجف خان ذوالفقار الدّولہ نوشت کہ خود را بہر طوریکہ داند اینجا رساند۔ اُو بایماے پادشاہ شیرانہ و دلیرانہ روانہ

حضور گردید- از استماعِ این خبر کہ امیرالاُمراء می آید، سرکش پرکش با انبوہِ سکھان مع
پادشاہزادہ، عبدالاَحدخان بآہوسوار شدہ، دو روز پیشتر از نجف خانِ مسطور، داخلِ
شہر گشت و در قلعہ بند و بست کردہ نشست۔ شورے برخاست کہ ذوالفقارالدولہ
آمد۔ بادشاہ ہمین مختار را برائے پذیرا شُدن گفت۔ بتُزکِ تمام رفت و ملاقات کرد۔
وقتِ سوار شدن ہر دو بر یک فیل نشستند۔ نجف خان عبدالاَحدخان را دُو رُو و
مُنافق دانستہ بزبان داشتہ، تا دروازۂ قلعہ بہ نرمیِ تمام آمد- ازین جا اشارتے بمردمانِ
خود کرد کہ توپ و دَمہکلہ و فوج من بلا تحاشا اندرونِ قلعہ بروند و جا بجا ایستادہ شوند ہر
چند تفاوت میان ہر دو یک پشتِ کار دلبود، اگر میخواست کارِ مختار می ساخت۔ امّا
نظر بر بندگیِ بادشاہ کہ این ہم بندہ است، مرضیِ بادشاہ را اوّل دریافت کنم، بعد ازان
ہر چہ خواہد شد، خواہد شُد- چون باین ہنگامہ پیشِ بادشاہ آمد و ملازمت کرد، دید کہ آقا
دلِ پُرے دارد، میخواہد کہ این را نگذارد- از انجا برگشتہ درمیانِ بازار ایستاد و عرضی فرستاد
کہ من از لحاظِ حضُور دست انداز نشدم، اکنون تا از یَنجا عبدالاَحدخان را با خود ہم نبرم
نروم- بادشاہ در ظاہر گفت و شنود بمیان آورد، و بباطن گفت کہ بہ طوریکہ باشد
این را باید بُرد- چون مردمانِ مختار مجبور شدہ رفتہ بُودند، و سکھان یکسُو شُدند، بیچارہ قول
و قسم بمیان آوردہ، کہ نجف خان با من بد نکند، و خواہانِ عزّتِ من باشد- بادشاہ
گفت: "من ضامن، شمائے اندیشہ نروید"۔ چون چارہ ندید، و زمانہ را بطور دیگر
یافت، آخرِ روز بر یک فیل سوار شدہ، از قلعہ برآمد- امیرالاُمراء کہ در بازار انتظار می
کشید، خود ہم سوار شدہ، فیل این را برابرِ فیلِ خود کردہ، بخانہ بُرد و آنجا نگہداشت۔
روز بہ بیت و لعل گذرانید کہ امروز پیشِ بادشاہ میروم، فردا نیز ...
کہ آنجا رفتہ چہ خواہند کرد، بہتر اینست کہ پیشِ من باشد۔ لیکن بر مال و اموال او
دست انداز نشد- بیست روپیہ روزانہ از خزانہ خود کردہ، و چند خدمتگار پیش او گذاشتہ

خود باُمورات ملکی و مالیِ حضور مشغول شد۔ رفتہ رفتہ کار بجائے کشید، کہ سر بفلک رسانید، بسببِ مرجعیّت و علوءِ مرتبت، امیران را وقتِ مجرا بدشت نمی آمد۔ روزے کہ بہ حضوری آمد، درباری شُد، وگرنہ پادشاہ باچند مصاحب بسر میکرد۔ چون جوان بود، و شاہجہان آباد طلسم خانہ، یاران بہ عیش و عشرتش مائل کردند۔ باستعمالِ منہیات و تماشاے زنان چنان پرداخت کہ قوّت از بدن زائل شد۔ آخر بمرضِ سِل گرفتار شد۔ اطبّا کوشش بسیارے در علاجِ اُو بکار بُردند، امّا فائدہ مرتّب نشد۔ چون مایُوس شد بحسرت میگفت کہ: "من ہیچ نمی خواہم، جز اینقدر کہ زندہ بمانم۔" در بیماریِ اُو زمانہ رنگِ دیگر گرفت۔

نقیر کہ خانہ نشین بود، خواست کہ از شہر بدر زند۔ از جہتِ بے اسبابی حرکت مُتعذّر بود۔ برائے نگہداشتنِ عزّتِ من، در خاطرِ نوّاب وزیر الممالک آصف الدّولہ بہادر آصف الملک، گذشت کہ میر پیشِ من بیاید، بطلبم۔ نوّاب سالار جنگ پسر اسحٰق خان مُؤتمن الدّولہ و برادر خُرد نوّاب اسحاق خان نجم الدّولہ، کہ خالوے وزیر اعظم بیشوند، نظر بر ربطِ قدیم کہ خالوے من بایشان بود، گفتند: "اگر نوّاب صاحب از راہِ عنایت، جہتِ زادِ راہ، چیزے عنایت نمایند، میر البتّہ بیاید۔" اشارتے رفت کہ چنین باشد۔ ایشان چیزے از سرکار گرفتہ، خطّے بمن بنوشتند کہ "نوّاب والاجناب شمارا میخواہد، باید کہ بہر طوریکہ دانند، خودرا درین جا برسانند۔" منکہ دل برداشتہ نشستہ بُودم، بمجرّدِ دیدنِ خط، برخاستم و روانۂ لکھنؤ شدم۔ چون ارادۂ الٰہی متعلّق بود، بے یار و یاور، و بے قافلہ و رہبر، درچند روز، از راہِ فرّخ آباد گذر اُفتاد۔

مظفر جنگ کہ رئیسِ آنجا بود، ہرچند خواست کہ چندے پیش من بمانند، دلِ من آنجا آب نخورد۔ بعد از یک دو روز، روانہ گردیدہ، بمنزلِ مقصوُد رسیدم۔ اوّل بہ خانۂ سالار جنگ رفتم۔ ایشان، خدا سلامت دارد، عزّت بسیارے نمودند، و آنچہ می

بایست بجناب بندگانِ عالی گفته فرستادند۔

پس از پنج چار روز، اتفاقاً نوّاب عالی جناب، بتقریبِ جنگانیدنِ خروس تشریف آوردند۔ من کہ آنجا حاضر بودم، ملازمت حاصل نمودم۔ از فراست دریافته فرمودند کہ "میر محمد تقی است۔" بعنایتِ تمام بغل گیر شده، باخود در نشیمنه بردند و شعرہائے خود مخاطب نموده خواندند۔ گفتم: "سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ كَلَامُ الْمُلُوْكِ مَلِكُ الْكَلَامِ۔" از فرطِ مہربانی مُکلّفِ من ہم گردیدند۔ آن روز چند شعرِ غزل التماس نمودم۔ وقتِ برخاستن نوّاب سالار جنگ گفتند کہ: "حالا میر حسبُ الطلب آمده است، بندگانِ عالی مختاراند جائے برائے ایشان نمایند، و ہر وقتیکہ خواسته باشند، طلب داشته صحبت دارند۔" فرمودند: "من چیزے مُعیّن کرده پیشِ صاحب می فرستم۔" بعد از دو سه روز، یاد فرمودند۔ حاضر شُدم۔ و قصیدهٔ کہ در مدح گفته بودم، خواندم۔ شُنیدند و بلُطفِ تمام در سلکِ بندگان مُنسلک گردانیدند، و عنایت و مہربانی بحالِ من مبذول دارند۔

بعد از آمدنِ من اینطرف، آنجا کہ نجف خان بر بستر اُفتاده بود فوت کرد۔ کاروبارِ حضور درہمی پذیرفت۔ غلامانِ اُو مثلِ نجف قلی خان و افراسیاب خان و دیگر سرداران ہر کسے بطرفِ خود کشید۔ چندے کشاکش درمیان ماند، آخر مرزا شفیع کہ از برادرانِ اُو بود، و برائے تنبیہِ سکّھان فوج کشی میکرد، باشارهٔ حضور حاضر شد، و عبدالاحد خان را عَموے خود قرار داده، از قید رہا کرد و دیوانی خالصه دہانید، و خود بر مسند ریاست نشست

سانحه | چون سفّاک و جرّار بود، ہر یکے از و خطرمند میماند۔ از سرکشی غلامانِ نجف خان بے مزه شد۔ در شہر طرحِ جنگ انداخت، و نجف قلی خان را اسیر ساخت۔ زاں خان آمده، در ظاہر بمرزائے مذکور پیوست۔ چون دولتِ این بابا مستعجل بود چند روز نکشید کہ بطافت خواجه سرائے، کہ از طرفِ وزیر الممالک بحضوری بود، و فی الجمله زورے ہم داشت، و فرنگیے از اقربائے سمرو فرنگی باہم ساخته، بیجگاه اُورا یافتند،

درد از بر تافتند۔ پادشاہ را نیز فہمانیدند، کہ این عزیز بے تمیز است۔ چون آشِ اُو پختند، و اُو ہم خبر شُد یک آش پختن صبر نکردہ، از شہر بدر زد، و عبدالاحد خان را با خود بُرد۔ تا خبردار شدند، خبرِ اُو نیافتند۔ پادشاہ شُقّہ ہا بمردمانِ شہر و اطراف نوشت کہ ہر جا کہ بیابند نگذارند و بحضور بیارند۔ نوشتۂ بسردارِ بلم گڑھ نیز رسید۔ اتفاقاً این آنجا رفتہ فرود آمدہ بود۔ سردارے آن قطعۂ نوشتہ را نمود۔ مضطرب گردید۔ عبدالاحد خان را پیش اُو گذاشت، و خود راہِ گریز اختیار کرد۔ یک منزل، دو منزل، پیش رفتہ متوقف گشت در اکبر آباد، کہ احمد بیگ ہمدانی تسلط داشت با اُو عہد و پیمان درست نمودہ، بجنگِ یارانِ حضور مُتعِد ساخت۔ اُو با بست ہزار کس ہمراہِ اُو شدہ روانہ گشت۔ این جا فرنگی، و خواجہ سرا، و دیگر اعزۂ بادشاہ را از شہر برآوردہ، خیمہ بر لبِ دریا ایستادہ کردند غافل از ریسمان تابیدنِ اُو کہ تا قتل ہمراہِ است، بطنطنۂ تمام قریب رسیدند۔ پادشاہ چون دید کہ کارِ اُو بالا است۔ لطافت علی خان خواجہ سرائے، و فرنگی را برائے آوردنِ اُو پیش فرستادند۔ آنہا دویدند۔ خواجہ سرا را گرفتند، و فرنگی را کُشتند۔ پادشاہ بجرأتِ تمام خود را نگہداشت۔ زورِ آنہا نیز پیش نرفت۔ بجواب و سوال پرداختہ، بسیار کسان را بوعدہ و وعید از خود ساختند۔ ہرگاہ دیدند، کہ پادشاہ بے جنگ و جدل بہ دست نمی آید، عبدالاحد خان را درمیان دادہ، قول و قسم بکار بُردند، و اظہارِ رسوخ و بندگی نمودہ، از خیمہ بہ قلعہ آوردند۔ نجف قلی خان، و افراسیاب خان، و عبدالاحد خان، یکدل شدہ بکارِ پادشاہی دخل کردن آغاز نہادند۔ با ہمدانی کہ مرزا شفیع وعدہ و وعید داشت، ہیچ نداد۔ اُو چند توپ و زنبورکہ گرفتہ روانۂ اکبر آباد گردید۔ اینجا بعد چند روز افراسیاب خان بہ محالاتِ خود رفت۔ و مرزائے مذکور با نجف قلی خان در شہر جنگیدہ، اُو را بدست آوردہ۔ پیشِ بیگم کہ ہمشیرۂ نجف خان است، فرستاد۔ و عبدالاحد خان، از خانۂ خود آمدہ، بچرب زبانی باز کارِ خود را پیش بُرد۔ بیگم مسطور شفیع

شدہ، نجف قلی خان را وا رہانید، و بہ جایداد روانہ ساخت۔ رفتہ رفتہ تسلّطِ مرزا شفیع خوب شُد۔ بیرونِ شہر آمدہ متوجّہِ مُلک گیری گشت۔ چون ہمہ با اُو دلجمعی نداشتند، اَفراسیاب آمدہ، ہمدانی را آورد، و مقرّر کرد کہ مرزا برائے دلدہیِ ہمدانی بہ خیمۂ اُو بیاید۔ آوردند، و بغدر اُو را کُشتند۔ بعد کشتہ شدنِ اُو دَورِ افراسیاب خان شُد۔ کارِ ریاست بہ اُو رسید۔ ہمدانی باز بہ مکانہائے خود رفت۔ ایشان در حضور اَمیر الامرا شدہ، بہ کارِ پادشاہی مختار گشتند۔

سانحہ اینجا، وزیرِ اعظم امیرِ مکرّم، برائے پذیرا شدنِ گورنر بہادر، کہ از کلکتہ — حسب الارشاد می آمد، و غالبِ این تمام مُلک اُو بُود، روانہ شُدند۔ گردِ فوج تا آسمان میرسید۔ این سفر تا الہ آباد کشید۔ از آمد آمدِ صاحبِ مسطور، سرداران این ضلع ہمہ سر حساب شدہ، مہیّائے دیدنِ اُو شدند۔ یک منزل پیشتر با نوّابِ گردون جناب ملاقات شُد۔ از انجا با خود در لکھنؤ کہ محلِ سکونت است، آوردند۔ و در ہر منزل ضیافتے جدائے اِتّفاق می اُفتاد، و خیمہ ہائے نو و طعامہائے خوب، و اَسپانِ تُرکی و تازی، و فیلانِ کوہ پیکر، کشتی ہائے پوشاک، و جواہرِ بیش بہا، و شربت ہائے خوشگوار، میوہ جاتِ لاتحصیٰ، تحفہ ہائے نغزِ اینجا، شمشیر ہائے جنوبی و مغربی، و کمانہائے چاچی — ہرگاہ در دار القرارِ لکھنؤ آمدند، و داخلِ دولت خانہ شدند، فرشِ بُوقلمون ہر روز، در گوشہ بالش طلائے مخلخہ سوز۔ اَطرافِ مکان گلاب پاشیدہ، بسترِ خواب مالیدہ، لباس بُوئے خوش برداشتہ۔ فرشِ مخمل پا گذاشتہ، دیوار ہائے سیم گل کردہ۔ ایوانہائے مُرتّب نجّی و بردہ۔ بہارِ عنبر ظُرفہ بساطے گستردہ، مکان گوئے از بہارِ نو بُردہ۔ پستہ و بادام بُو دادہ۔ نُقلِ فرنگی برائے تنقّل نہادہ۔ شبہا رقصِ زنانِ پری وش۔ نے نے از حُورانِ بہشتی ہم دلکش۔ گلدانہائے شیشہ و چینی بسلیقہ چیدہ۔ طاقہا پُر از میوہ ہائے رَسیدہ۔ رقصِ فرنگی۔ تماشائے خوشی۔ خانہ جائے خوشی۔ ہَوائے خوشی۔ شام سیم بندی

کردہ، آتش بازی می آوردند۔ ستارہ و ہوائی سر بہ فلک میزدند تماشائے چراغان دِل از دست ربودے۔ مہتابی شب را روز می نمودے۔ سایبانِ زربفت باین خوبی کشیدہ کہ دیدۂ خورشید مثلِ آن ندیدہ۔ امیران، سرگرمِ پاسداری۔ راجہ ہا در خدمت گذاری مدح خوان شاعرانِ مربوط۔ جوانانِ مضبوط۔ در ہر خانہ، دار لبستِ خوب ظِلّ ممدود و ماءِ مسکوب۔ نرگس دانہا برابر، جلوہ پرداز چون باغ بنظر۔ برف بہ از سیمِ مذاب۔ خوب برآمد از آب۔ گلہائے فالودہ الوان۔ شربتِ آن شیرۂ جان۔ اقسامِ نان در وقتِ طعام۔ نانِ بادام بنزاکتِ تمام۔ شیرمال، باقرخانی، بر خورشید گرم نوا خوانی۔ نانِ جوان بآن گرمی و خوبی بود، کہ پیر از خوردِ آن، پَرافشانی می نمود۔ نانِ ورقی چنان کہ اگر وصفش کنم دفتر شود۔ نانِ زنجبیلی کہ ذائقہ از ذکرش محظوظ تر شود۔ انواعِ قلیہ و دو پیازہ درمیان نہادہ۔ نان مہمانان ہمہ بروغن افتادہ۔ اقسامِ کباب بر۔ دستار خوان کشیدہ۔ کبابِ گل بخوبی و تازگی رسیدہ۔ کبابِ خوش نمکِ ہندی، دلہا را از دست می برد۔ کبابِ قندہاری آمزجہ سوئے خود می آورد۔ کبابِ سنگ از سختی کشیدگان راہ کوفت زائل میکرد۔ کبابِ ورق عجب نسخۂ برشتہ بود کہ طبائع را مائل میکرد۔ کبابہائے متعارف ہمہ بامزہ و بانمک۔ قابہا دہ دہ گذاشتہ پیشِ یک یک۔ پلاؤہا انواع و آشہا اقسام۔ عجب آش در کاسہ۔

مہمانے باین وفور، میزبانے ہمچو دستور، مہمانے باین شوکت، میزبانے باین دولت، مہمانے باین حسنِ اخلاق، میزبانے باین ریاستِ آفاق، مہمانے باین خوبی، و خوش معاشی، میزبانے چون خورشید باین زرپاشی۔ مہمانے باین عقلِ کامل، میزبانے باین لطفِ شامل، چشمِ روزگار ندیدہ، وگوشِ عقلاء نشنیدہ۔ بدین گونہ روز و شب تا شش ماہ گفت وشنود و باہم معاش و مشورت و صحبت بود۔

ہرگاہ این خبر بہ حضور رسید، ہر یکے از امرایانِ آنجا بفکرِ خویش افتاد۔ عبدالاحدخان

کسان را اینجا فرستاد، با فرنگیان ساخت۔ افراسیاب خان وغیرہ را گمان شد کہ فرنگی اینجا خواہد آمد۔ چون زبردست است، بادشاہ را بطورِ خود نگاہداشتہ آشِ ما خواہد پُخت، بہتر آنست کہ پادشاہ را باکبرآباد ببریم، و مردمان را گرد آوریم، و مرہٹہ کہ متصرفِ راناے گوہد والہ است، ازآنِ خود کردہ پیغام بافرنگی کنیم۔ اگر جنگ اِتّفاق اُفتد، اُفتد۔ وگرنہ ازین دَبدبہ ہمانجا باشند۔ چنانچہ پادشاہ را بَرآوردہ، باکبرآباد رفتند و در راہ عبدالاَحد خان را محبوس ساختند۔

سانحہ وقتیکہ بہ شہرِ مسطوُر رسیدند، پادشاہزادۂ جوان بخت از انجا گریختہ، پیشِ نواب وزیر و فرنگی آمد۔ مضطرب با مرہٹہ عہد و پیمان درُست کردند۔ او جانبِ ایشان گرفتہ، گفت و شنودِ فرستادنِ شہزادہ درمیان آوردند۔ اینجا فرنگی بزبان داشتہ، کارِ ملکِ خود کہ کلکتہ باشد، مدِّ نظر داشت۔

بعد چندے، پادشاہزادہ را ہمراہ گرفتہ، از وزیرالممالک رخصت شد و رفت بہنگامِ وداع، بمردمانِ صاحبِ نوّاب والاجناب، چنان انعامِ بے اِحصا، مبذُول داشت کہ در قیاس نگذرد۔ بہر کس اسپ و فیل و قبائے۔ بہر بے سَر و پا سراپائے۔

چون صاحب از راہِ دریا متوجہ شد، و وزیر بدارالقرارِ خود آمد، مرہٹہ و افراسیاب خان با محمّد بیگ ہمدانی اِرادۂ پرخاش کردند۔ اُو ہم سَر فرود نیاوردہ، بجنگ اینہا ایستادَ و در ہمین اثنا کسِ میرزین العابدین، برادرِ مرزا شفیع، خنجرے بافراسیاب خان حوالہ کرد۔ بعد از دو چار روز مُرد۔ حالا سردارے درحضور نیست۔ پادشاہ بے زور است غالب کہ دَور دَورِ مرہٹہ شود۔

بعدِ این سانحات، فوجِ مرہٹہ، و محمّد بیگ ہمدانی، باہم جنگیدند۔ چون دست بَرو نیافتند، غدر کردہ ہمدانی مذکور را بگیر آوردند۔ اینجا صاحب کہ پادشاہزادہ را با خود بُردہ بود، رخصت کرد۔ چنانچہ برگشتہ آمدہ اند۔ یا در اطراف می مانند، یا پیشِ پادشاہ

می رسانند۔ بالفعل سایۂ دولتِ نوّابِ عالی جناب می گیرند۔ اُنچہ ایشان می گویند می پذیرند۔

اینجا فقیر با نوّابِ عالی منزلت است۔ در دعا گوئیِ ایشان بسر می کند۔ بندگانِ عالی برائے شکار تا بہرائچ رفتند۔ من در رکاب بودم۔ شکار نامۂ موزُوں نمودم۔ بارِ دیگر باز برائے شکار سوار شُدند، تا دامنِ کوہِ شمالی تشریف بُردند۔ اگرچہ مردمان از نشیب و فرازِ این سفرِ دُور و دراز سخت خوردند، لیکن شکارے چنین، و فضائے چنین، و ہوائے چنین، ندیدہ بودند۔ بعد از سہ ماہ بدار القرار خود آمدند۔ فقیر شکار نامۂ دیگر گفتہ بہ حضور خواند دو غزل از غزلہائے شکار نامہ انتخاب زدہ، خود بہ دولت مُخمّس کردند۔ بہ خوبیے کہ می بالیست۔ و در زمینے غزلِ پسند اُفتادہ، غزلِ دیگر فرمایش نمُودند۔ آنہم از فضلِ الٰہی گفتہ شد۔ زبانِ مبارک بہ تحسین کُشادند، و دادِ سُخنوری دادند۔

درین ایام بسببِ آبگردش بعدِ عشرۂ محرّم الحرام . . . در مزاجِ عالی شد (کذا) اِستغلاج نمودند۔ نصیبِ اعدا، بطُول کشید۔ عالمے از خیر و خیرات بہرہ اندوز شد و ہر کسے دست بدعا افراشت۔ حکیمِ مُطلق، و شافیِ برحق، شفا داد۔ بَر ما و بر عالمیان منّت نہاد۔ ع

الٰہی تا جہان باشد تو باشی

سانحہ چون در حضورِ پادشاہ از غلامانِ نجف خان کہ مُسلّط بودند، کسے نماند، مرہٹہ کہ قریب بُود، تسلّط بہم رسانیدہ کوسِ لِمَن المُلک زد۔ پادشاہ مرہٹہ را مختار ساخت و رُوباہِ مردمانِ نجف خانی بخاک انداخت۔ اکثر مشورہ بہ اُو دارند۔ و اُمورات را بطورِ اُو می گذارند۔ فوجِ مرہٹہ بہ شاہجہان آباد ہم رفتہ۔ زبان زد است کہ تسلّط یافت۔ سکّھان کہ اطرافِ شہر را می تافتند، حالا سرِ حساب

شده اند۔ چراکه کمانِ دکھنیان نمی توانند کشید و بگردِ میدان داری اینان نخواهند رسید۔
پادشاه، بیرونِ شہر اکبرآباد خیمه داشته، پس از چند روز روانهٔ دہلی شُدند۔ عبدالاَحد
خان را در علی گڑھ، که در تصرّفِ ہمشیرهٔ نجف خان است، اکثر مردمانِ نجف خان
دران قلعه جمع اند، فرستاده مُقیّد ساختند، مرہٹه مالکُ المُلک است۔ ہرچه میخواہد
میکُند۔ پادشاه را چیزے دست برداشته میدہد، و ہر جا که میخواہد می بَرد۔ چنانچه در شہر
یک ماه ماند، و به علی گڑھ بُرد۔ ده پانزده روز به جنگ کشید۔ آخر به عہد و پیمان بیگم را
برآورده، اَزو چیزے از مالِ نجف خان گرفت و گذاشت۔

ازانجا پادشاه را بر راجپوتان بُرد۔ آنہا اِستادگی کرده اند۔ بعد از چند روز صُلح از
راجپوتان نموده، پادشاه به شہرِ دہلی آمد و مرہٹه در شہر اکبرآباد ماند۔ چون خیالِ راجپوتان
در سَر داشت، باز فوج کشی کرده، بآنطرف رفت۔ راجه با ہمدانی را که سردار نجف خانی
بوُد، طلب داشته رفیقِ خود کردند۔ جنگ بمیان آمد۔ ہمدانی جرأت نمود و کُشته شد۔
سرداری بجاے اُو مرزا اسمعیل، که ہمشیرزادهٔ اُو بود، یافت۔ این بابا به جسارتِ تمام
جنگید، بلاے مرہٹه را برچید۔ شکستِ فاحشے شُد۔ آلاتِ جنگ و اسبابِ مرہٹه
بالکل رفت۔ جانِ خود را غنیمت دانسته گریخت و باکبرآباد آمد۔ آنجا ہم مرزا اسمعیل
رسیده، ازان شہر برآورد۔ و قلعه را خود چسپید۔ جنگِ قلعه بطول کشید۔ مرہٹه صرفهٔ
خود بطرفِ دیگر دید۔ پادشاه از شہر برآمده، به نجف قلی خان که جانبِ جھجھار بود رفت۔
آنجا جنگ بسیار شد۔ آخرالامر از نجف قلی خان چیزے گرفته به شہر رسید۔

درین حال، پسرِ ضابطه خان، که غلام قادر نام داشت، بعد از پدر خود مُتصرّف
سہارنپور وغیره بود، زورے بہم رسانیده۔ و فوجِ سکھان را ہمراه گرفته آمد اکثر محالات
پادشاہی که میانِ دوآبه بودند، ضبط کرد۔ قریب رسیده، از پادشاه چیزے خواست۔ پادشاهٔ
جواب داد۔ او آن روے آب مورچال بسته، مہیاے جنگ شد۔ چنانچه یک ماه کسرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

زیادہ جنگید۔ بادشاہ اگرچہ فوج و زورے نداشت، بدندان چسپیدہ آن بلا را برچید۔ ازانجا برخاستہ تاگردِ اکبرآباد تسلّط کرد۔ اینجاکہ مرزا اسمٰعیل بیگ در شہر بہ قلعہ چسپیدہ بود، زورِ آن را دیدہ دستار بدل شد، وعہد و پیمان بمیان آمد کہ با مرہٹہ ما و شما بالاتفاق خواہیم جنگید۔ بعد از چند روز، مرہٹہ کہ ارادۂ آنطرفِ چنبل داشت، یلغار کردہ رسید۔ درین روزہا اینجا شاہزادۂ صاحب عالم بود، لیکن تغافل کرد۔ تنہا جنگ بر سرِ مرزا اسمٰعیل اُفتاد۔ آن بابا پاے جسارت فشردہ این جنگ را ہم زد۔ مرہٹہ گریختہ آن طرفِ گوالیا کہ در تصرفِ اُو بود اقامت کرد۔ بعد از چندے فوجِ دیگر طلب داشتہ، سرگرم پرخاش شد۔ دہ پانزدہ روز، در ظاہرِ اکبرآباد جنگ شد۔ آخر شکستِ مرزا اسمٰعیل اتفاق اُفتاد۔ غلام قادر خان تماشائی ماند۔ مرزاے مذکور فرار کردہ، پیشِ غلام قادر آمد۔ این را دید کہ در احتیاطِ خود است، و بکارِ من نمی پردازد، ناچار پیشِ اُو ماند، و بعد از چند روز ارادۂ ملکِ خود نمودہ روانہ شد۔

ناظرِ بادشاہ کہ غلام قادر را پسر خواندہ بود، نوشت کہ شما اینجا بیائید گفتۂ من بادشاہ نمی شنود، یعنی طرفِ مرہٹہ نمی گذارد۔ ایشان ہردو بہ شہر رفتند۔ بادشاہ خود زورے نداشت، بہ مشورتِ ناظرِ نمک بہ حرام، بندوبست در قلعہ کردہ، بادشاہ را برداشت، و سلوکے کہ نمی بایست، کرد۔ و تمام قلعہ را غارت کرد، و با بادشاہزادہا آنچہ نکردن بود کرد۔ زرِ بسیارے بدستش آمد۔ چشمِ بادشاہ برآورد، و بادشاہِ دیگر کرد۔ چون تسلّطِ کلی یافت ناظر را نیز قید نمود، و بر شہر ہم کار تنگ گرفت۔ چون غلبہ از حد فزون گشت، از مرزا اسمٰعیل بے ہیچ بیمزہ شد، و در چیزے دادن کوتاہی کرد۔ آن عزیز با مرہٹہ صلح کرد۔ درین ہنگام فوجِ مرہٹہ قریب رسید۔ بعضے از سرداران داخلِ شہر شدند۔ روہیلہ قلعہ بند گشت و ہنگامِ شب از راہِ خضری دروازہ، مع فوج و اسباب و زر و مالِ خود، و پادشاہ زادہا را و ناظر را و لواحقانِ اُو را نیز ہمراہ بُرد۔ نزدِ شاہدرہ با فوج —

سنگر بستہ اِستادگی کرد۔ آخرالامر مرہٹہ ہا بےحیائی اُو دیدہ آن روئے آب رفتہ، مُقیّد جنگ شدند۔ گاہے ایشان غالب می آمدند، وگاہے آن ملعون۔ چون قریب یک ماہ کشید، علی بہادر نام سردارے از دکن آمد، وگرم جنگِ روہیلہ شد۔ بعد از دو سہ جنگ، بجرأتِ تمام اُورا اَسیر کردند۔ مال و اسباب مع پادشاہ زادہا ازوُ گرفتند، وقید داشتند۔ و پادشاہ ہمان شاہ عالم کوررا مقرّر داشتند و قلعہ را حوالۂ جاٹان نمودند، و صد روپیہ روز بہ بادشاہ می دہند، و بر تمام مُلک مُتصرّف اند، آن ملعون را بخواری تمام کُشتند۔ حالا پادشاہ مرہٹہ است۔ ہرچہ می خواہد کند۔ باید دید کہ چنین تا کجا خواہد بُود۔

القصہ جہان عجب حادثہ گاہیست[۱]۔ چہ مکانہا خراب گشتند، [۲]وچہ جوانان[۳] از ہم گذشتند۔ چہ باغہا ویرانہ شدند۔ چہ بزم ہا افسانہ شُدند۔ چہ گُلہا افسردند، چہ خوبان مُردند۔ چہ مجلسہا بَرشکستند۔ چہ قافلہا رَخت بستند۔ چہ عزیزان ذلّت کشیدند چہ مردمان[۴] بجان رسیدند۔ این چشمِ عبرت بین چہا دید، و این گوشِ شُنوا چہا شُنید۔

ہر کاسۂ سر ز افسرے میگوید
ہر کہنہ خرابہ از درے میگوید
دنیاست فسانہ، پارۂ ما گفتیم
وان پارہ کہ ماند، دیگرے میگوید

درین مدّتِ کم، این[۵] یک قطرۂ خون کہ دلش نامند، انواعِ ستم کشید، و ہمہ خون گردید۔ مزاجِ ناسازے داشتم، ملاقاتِ ہمہ کس گذاشتم۔ (از فاقہ با[۶]جان رسیدم۔ مِنّتِ ازکسے نکشیدم[۶])۔ اکنون کہ بپیری رسید، یعنی عمر عزیز[۷] بہ شصت سالگی[۸] کشید، اکثر اوقات

---

[۱] ن ا: گاہست۔ [۲] ن ا: واو ندارد۔ [۳] ن ا: خوبان۔ [۴] ن ا: مردان۔
[۵] ن ا: این ندارد۔ [۶] اضافہ از ن ا۔ [۷] ن ا: عزیز ندارد۔ [۸] ن ا: بہ پنجاہ کشید

بیماری باشم۔ چندے دردِ چشم کشیدم۔ ضعفِ بصر بہ چشمِ خود دیدم۔ عینک خواستم، و دست بہم شُودم۔ نظر برین شعر ترکِ نظر بازی نمودم۔

دیدہ چون محتاجِ عینک گشت، فکرِ خویش کُن
بر نفَس دارند، روزِ واپسین آیینہ را

از وجعِ اَسنانِ[۵۱] خود چہ گویم۔ حیران بُودم[۵۲] کہ چارہ تا کجا جویم۔ آخر دل برکَندم، و یک یک را از بیخ برکَندم۔

روزیِ خود را برنج، از دردِ دندان می خورم
نان بخون تَر می شَود، تا پارۂ نان می خورم

غرضکہ، از ضعفِ قُوی، و بیدماغی و ناتوانی و دلِ شکستگی، و آزردہ خاطری، معلوم می شود کہ دیر نخواہم ماند۔ زمانہ ہم قابلِ ماندن نماندہ است۔ دامن باید افشاند۔ اگر خاتمہ بخیر شود آرزوست۔ وگرنہ اختیار دَر دستِ[۵۳] اُوست۔

[۵۱] ن ا: وجع الاسنان۔ [۵۲] ن ا: حیرانم۔ [۵۳] ن ا: بدست۔

فرہنگِ ذکرِ میر

یعنی فارسی متن میں استعمال ہونے والے
الفاظ و محاورات کی فرہنگ

فرہنگ ذکرِ میر

الف

الفاظ	معانی
آب از گلو بُریدن	یعنی پانی پینے سے روکنا یا باز رہنا۔ بچے کا دودھ چھڑایا جائے تو اُس موقع پر بھی کہتے ہیں "فلانی طفل را از شیر بُرید"۔ ع گلو بُریدہ درین بحر ہم چو ماہی باش۔ (محمد قلی سلیم)
آب بدستِ کسی ریختن	خدمت کرنا۔ تواضع کرنا۔ کسی شخص کا نوکر یا ملازم ہونا۔ عجز و الحاح کے اظہار کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ (بہار)
آب بر آیینہ ریختن و آب بر آیینہ زدن	یہ ایک ایرانی رسم ہے کہ جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اُس کے جانے کے وقت آیینے پر ہرے پتے رکھ کر پانی ڈالتے ہیں اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ مسافر جلد اور بخیریت سفر سے واپس آئے گا۔ (بہار)

آب اُردِ ماجری	نہایت مشکل، انوکھے اور انہونے کام کے رُونما ہونے پر بولا جاتا ہے ؎ غیر از برائے یار مئے ناب می بَرد ایں ماجرا ببین چقدر آب می بَرد (محسن تاثیر)
آب تاختن	پیشاب کرنا۔ یہ لفظ ذخیرہ خوارزم شاہی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ (بہار)
آبِ چشم از کسے گرفتن	آبِ چشم میں اضافت ہے۔ ڈرانے کے معنوں میں آتا ہے۔ صرف "آبِ چشم گرفتن" بھی مستعمل ہے۔ (بہار)
آبِ حسرت بچشم گردانیدن	یہ لفظ دیدہ و دہان و حلق کے ساتھ بھی آتا ہے۔ صائب ؎ خیالِ روے تو تا در کدامین سینہ می گردد کہ آبِ حسرت اندر دیدۂ آیینہ می گردد
آبِ حکیمانہ خوردن	بہت احتیاط اور سُوجھ بُوجھ سے کام کرنا۔
آب خور	خوش ہونا۔ قسمت و روزی۔ (بہار)
آب خوردن	اعتبار کرنا۔ پرورش پانا۔ دل کا قوت حاصل کرنا، خوش ہونا (بہار)
آب را بار یسمان بستن	امرِ محال رفضول کام کرنے کی کوشش کرنا۔ بعض نے اِس کا مفہوم "غلبہ حاصل کرنا" بھی لکھا ہے۔ (بہار)
آب کشیدن	پانی پینا۔ کنوئیں وغیرہ سے پانی نکالنا۔ (بہار)
آب گردش	"تغیرِ آب و ہوا وجاے بیمار۔ وہ بیماری جو آب و ہوا کی تبدیلی سے پیدا ہو۔ نیز بمعنی قسمت و روزی و گردشِ زمانہ" (بہار و آرزو)
آب گیر	میر نے حوض کے معنوں میں لکھا ہے۔ عام لغات فارسی میں نہیں ملتا۔ آب گیری تیغ و خنجر پر دھار چڑھانے کو کہتے ہیں۔
آتشِ جوع زبانہ می کشید	زبانہ کشیدنِ آتش کا مطلب ہے آگ کا بھڑکنا اور تیز شعلے

	نکالنا۔ یہاں شدید بھوک سے کنایہ ہے۔ میر نے ایک شعر میں بھوک کے لیے "دوں لگنا" بھی باندھا ہے جو جنگل کی بے قابو آگ کے لیے بولا جاتا ہے۔
آتش بر کردن	آگ بھڑکانا۔ (بہار)
آجام	شیر کی کچھار۔ اور قلعہ
آخر	ختم ہونے کے قریب ہونا۔
آدمی روشی	اِنسانیت
آدمی گیری	بہار میں آدم گری و آدمی گری آیا ہے ؎ گفتی زرہ لطف کہ میتی سگ ماست شرمندہ آدمی گری ہائے توام
آرزو گرفتن	کوئی خواہش پیدا ہونا۔ کسی خواہش سے مغلوب ہونا۔
آستین افشاندن	از چیزے و بر چیزے بمعنی رُوگردانی و ترک کرنا۔ کنایہ از نفس و سماع۔ میر نے ذرا مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ (بہار)
آستینِ کہنہ داشتن	بے سروسامان اور مُفلس ہونے کے لیے بولا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو "شالِ کہنہ داشتن"۔ آرزو نے لکھا ہے کہ این از اہلِ زبان بتحقیق پیوستہ۔ اور وارستہ نے (مصطلحات ۱۰-۱۱) مثال میں سعید اشرف اور اسمٰعیل ایما کے اشعار پیش کیے ہیں۔ (بہار)
آسمانِ دو رنگ	مراد بے مہر، ناقابلِ اعتبار، منافق جس کا ظاہر و باطن مختلف ہو (بہار)
آفتابہ	پانی استعمال کرنے کا معروف ظرف ہے۔ یہ دراصل آب و تابہ (تابہ بمعنی گرمی) تھا۔ جس برتن میں پانی گرم کیا جائے اُسے

کہتے ہیں۔ تابہ کی ب یہاں ف سے بدل گئی ہے۔ (دیکھو بہارِ عجم تحت۔ آفتاب)

آفتابی — یہ لفظ لُنگی کے لیے بولا جاتا ہے۔ قدیم لغات میں نہیں ملے گا۔ بہار نے اِسے محاورۂ لوطیاں بتایا ہے۔ آرزو نے لکھا ہے "لُنگی کہ در حمام بکمر بندند.... این معنی بتحقیق پیوست۔" اور دوسری جگہ اس کی وجہ تسمیہ بتائی ہے کہ ".... لنگ را گویند زیرا کہ اکثر آن را آفتاب داد۔ می شود از جہتِ تر شدن۔ مثلاً شخصے بحمام رود و لنگ نداشتہ باشد بحمّامی گوید کہ آفتابی بیار۔ و این معنی از اہلِ زبان بتحقیق رسیدہ۔"

آفتابی از سایۂ شان میدمد — کنایہ از غایتِ بزرگی و جلال۔

آماس بہم رسانیدن — سُوج جانا۔ ورم پیدا کر لینا۔

آنِ سیّال — گزرتا ہوا، ناپایدار وقت۔

آن طرفِ ترِ آسمان — آسمان کے بھی اُس پار

آویزش نمودن — لٹکانا۔ جھگڑا کرنا۔

آیینہ پیشِ نفس (و بر نفس) داشتن — "نزع کے وقت مریض کا سانس دیکھنے کے لیے نتھنوں کے سامنے آیینہ رکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ مُردہ ہے یا سکتہ کے عالم میں ہے۔" میر نے محمد سعید اشرف کا یہ شعر لکھا ہے ؎

دیدہ چوں محتاجِ عینک گشت فکرِ خویش کن
بر نفس دارند روزِ واپسیں آیینہ را

ابرو تُرش کردن / ابرو تنگ کردن — غصہ کرنا۔ بے دماغ ہونا۔

احسان بہشت کردن	بڑا احسان کرنا۔ غیر معمولی سلوک (بہار)
احوال گیری کردن احوال کسے گرفتن	حال دریافت کرنا۔ بیمار پرسی کے لیے جانا
اختیارِ دل بدستِ کسی دادن	کسی کا ہو جانا۔ عشق کرنا۔
اراک	پیلو کا درخت
از آب بدر آمدن	"از آب بر آمدن کا مطلب ہے ظاہر ہونا۔ تنزل سے ترقی کی طرف جانا۔ نیچے سے اوپر اٹھنا۔ یہ 'خوب' اور 'بد' دونوں لفظوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً خوب از آب بر آمد (اچھی طرح کسی کام سے عہدہ برآ ہونا) یا از آب بدر آمد (کام کا حق ادا نہ کر سکا) یہاں آب پر اضافت نہیں ہے۔ آرزو نے یہ محاورہ بھی ذاتی تحقیق سے لکھا ہے قدیم لغات میں نہیں ملے گا۔" (بہار)
از آب خوب بر آمدن	دیکھو تحت "از آب بدر آمدن"
از پا افتادن	گر پڑنا۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں آجانا۔ اکھڑ جانا۔
از پیش بدر رفتن	پانو اکھڑ جانا، ہمت ہار جانا۔
از پیش برداشتن	بھگا دینا، شکست دینا۔
از پئے کسے رسن تافتن (در ریسمان تافتن)	کسی کا برا چاہنا۔ کسی کو پھنسانے یا نقصان پہنچانے کے کام کرنا۔
از جہانی بجہانی آمدم	ایک دنیا سے دوسری دنیا میں آگیا [illegible] ظرف کا فرق بھی ظاہر کرتا ہے۔
از چوبِ خشک نار انگیختن	جہاں بظاہر امکان نہ ہو وہاں واقع پیدا کر لینا (بہار)
از خود رمیدن	تیاگ اور تجرید اختیار [illegible] نفس۔

از خود کردن	ساتھ ملانا۔ موافق بنالینا۔
ازسایۂ خود ہم گریزاں	انتہائی خلوت پسند۔ گوشہ نشین۔
از سرِ تبوی	کسی مقام کو مستقر بنالینا۔ پڑاؤ ڈالنا۔
از سرِ سوزن برون شدن	"کسی مشکل مرحلے سے بکمال سہولت گذر جانا" (بہار)
از سر واکردن	جدا کرنا۔ دور ہٹانا
از سنگر و سنگ چین برآمدن	سنگ چین چھوٹا احاطہ، دیوار سنگی، مراد ہے اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آنا۔
از صحرا یافتن	مفت ہاتھ آجانا۔ بے محنت و طلب مل جانا۔
از طاقِ دل افتادن	دل سے اُتر جانا۔ خوار و بے اعتبار ہونا
از فکر افتادن	کسی چیز کا دھیان نہ آنا۔ خیال سے اُتر جانا۔ (بہار)
از کار رفتن	ناکارہ و معطل ہوجانا۔
از گردِ راہ رسیدن	سفر سے تھکے ماندے آنا۔ (بہار)
از ما چہ می کشاید	ہم کس قابل ہیں، ع: ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا۔
از نگاہِ گرم رنگ باختن	ذرا سی تیز نگاہ کی بھی تاب نہیں لاسکتے۔
از ہم گذشتن	اپنے آپ سے گذر جانا۔ بے نفس۔ مجازاً مرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔
از ہم گزشتنِ کار	کسی کام کا درہم برہم ہوجانا یا نقصان ہونا۔ اور از ہم گذشتنِ معاملہ کسی کام کا نپٹ جانا ہے۔ (بہار)
ازیں دست تا بآں دست	میر نے اِس سرے سے اُس سرے تک کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فارسی میں ازیں دست کا مفہوم "ازیں وضع" بھی ہے۔ (بہار)
اِستحالہ	تبدیلِ ماہیت۔ ایک شکل یا حالت سے دوسری میں پہنچ جانا۔

استخوان شکستن	کنایہ ہے کمال محنت و مشقت سے۔ (بہار)
استظہار	پشت پناہی کرنا۔
افسون دمیدن	جادو کرنا۔ مکر و حیلہ کرنا
اِقامت	بمعنی در جائے بودن و تمکّن گرفتن و بالفظِ کردن و بمعنی ضیافت شخصی کہ از جائے وارد شود، بالفظِ فرستادن۔ (بہار)
اَقران	ہم عصر، ہم رتبہ لوگ
اَقمِشہ	قماش کی جمع۔ لباس
اگر صد کوزہ بسازد یکے دستہ ندارد	کنایہ ہے کہ فلاں شخص اگر سو باتیں کہتا ہے تو ایک بھی سچ نہیں ہوتی۔ بڑا دروغ باف ہے۔
اِلتماس	وہ کاغذ جس پر چھوٹے اپنا احوال لکھ کر بزرگوں کے سامنے پیش کریں۔ عرضی درخواست۔ شفاعت اور سفارش کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ (بہار)
الف بر زمین کشیدن الف بر خاک کشیدن	خجالت اور شرمندگی اُٹھانا۔ مذہبِ امامیہ میں رسم ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد سات بار سورہ "انا انزلناہ" پڑھتے ہیں اور ہر بار قبر پر ایک لکیر کھینچتے جاتے ہیں۔ (بہار)
اَلفہا بر سینہ بُریدن	"الف بر سینہ کشیدن محاورہ ہے جس کے معنی ہیں رنج اُٹھانا صدمہ برداشت کرنا۔ اکبر کی تاریخ وفات کا مصرع ہے: "الف کشیدہ ملائک ز فوتِ اکبر شاہ" اگر ذکرِ میر کے متن میں یہ غلط نقل نہیں ہوا ہے تو میر نے اس محاورے میں تصرف کیا ہے۔ یہ ایران کی رسم ہے کہ عاشق، قلندر اور ماتمی لوگ سینے پر الف کھینچ لیتے ہیں۔ کبھی نعل یا داغ بھی لگا لیتے ہیں۔ (بہار)
اُلوس	قوم و قبیلہ۔ برادری۔ یہ ترکی لفظ اُلوش ہے۔

انجمن شدن	جمع ہونا۔ فراہم کرنا۔
انداز کردن انداز نمودن	ڈھونڈنا۔ قصد کرنا۔ رُونما ہونا۔ ظاہر ہونا۔ ارادہ کرنا۔
اندیشہ	بمعنی ہراس۔ خوف۔ فکر و تامّل۔
انگشت برآوردن	پناہ طلب کرنا
انگشتر	یعنی چیزے قلیل مجازاً۔
انگشتر پا	چیزے بے اعتبار (بہار)
اہلِ بخیہ	ہم مشرب۔ رازدار۔ بعض نے رندا ور خراباتی کیلیے استعمال کیا ہے۔
این راہ دور دست بہت است	یہ راستہ نزدیک ہوجاتا ہے۔

ب

با تیغ و کفن آوردن	کمال عاجزی اور عذر خواہی کے ساتھ آنا۔ غالب: "آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں"
باد برانی	ڈینگ مارنا، ہرزہ گوئی
بادلیج	توپ کی ایک قسم (یہ بادلیش کا معرب ہے، ترکی زبان میں توپ کو کہتے ہیں)
باد مکری	جو مقصود ہو اُس کے خلاف کہنا۔ مکاری
بار بستن	رخصت ہونا۔ بار بستن زبان، عدم طاقتِ گفتار (چراغ)
باکسے در یک پیرہن بودن	ایک جیسا ہونا، کسی کے مثل ہونا
بالاچاقی	بالادستی، اقتدار، غلبہ، ہوشیاری
بالائے چشمت ابرو گفتن	ٹوکنا۔ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ ادنیٰ التفات
بالشِ نرم زیرِ سر گذاشتن	خاطر مدارات کرنا، خوشامد کرنا، خدمت کرنا
بالقوۂ خصمانہ داشتن	مقابلہ کرنے کی قوت، ٹکر لینے کی صلاحیت

بجا اُفتادن	کسی جگہ رہ جانا، کہیں جاکر فوت ہو جانا
بہ خود فرو رفتن	سوچ میں پڑ جانا، متفکّر ہونا
بَدّال	بنیا، دکاندار، بقّال
بَد باختن	بُرا سلوک کرنا، بُرا کھیل کھیلنا
بدنُمُو	دیکھنے میں بُرا، بے ڈھنگا ہونا
برادرِ اَندر	برادرِ علاتی۔ وہ بھائی جس کی ماں دوسری ہو باپ ایک ہو۔
بر پلّہ آوردن	کسی بات پر راضی کرلینا
بر خاک انداختن	ذلیل و رسوا کرنا، شکست دینا، عاجز کرنا
بر خود پیچیدن	مغرور و متکبّر ہونا
بر خود چیدن	غرور، تفاخر، خود کو کچھ سمجھنا
برخوردن	ملاقات کرنا، نفع یاب ہونا، فائدہ اٹھانا
برروے کار آوردن	کسی کام کے لیے تیار کرنا
بَرزَن	کوچہ، گلی (غیاث، رشیدی)
بر سرِ سنگ نشستن	تکلیف اُٹھانا، عذاب جھیلنا
بر سرِ کسے دوانیدن	ایسی بات یا کام کرنا جس سے کسی کو غصہ آئے
بر قالب زدن	بیہودہ کام، ہرزہ گوئی (چراغ) مہیّا کرنا، سرانجام دینا، وارستہ (غ)
بر کار بستن	کسی کام پر متعیّن کرنا
بر کار سوار شدن	کسی کام میں سخت محنت کرنا، کسی کام پر متعیّن ہونا
برگ بند	درویش، بے سرو سامان
برہ بندِ کار بودن	کسی کام کے لائق ہونا، ماہرِ فن ہونا
بُزآویزی	ظلم، ایذا دہی، الٹا لٹکا کر تکلیف دینا
بزنگاہ	قتل گاہ، جہاں سزا دی جائے، چوروں اور ڈاکوؤں کا علاقہ
بستہ نگار	ایک راگ کا نام

بخرزاشی	تازہ گوئی، معنی آفرینی
بخرنگاہ	شرمیلی آنکھوں والے
بلند انداختن کسے	خوب پذیرائی کرنا، بہت تعریف کرنا
بناگوشی زدن	کنپٹی پر تھپڑ مارنا
بند بر بندِ قبا بافتن	اکٹھا ہونا، یک جا ہونا
بنگ از کلّہ پریدن	سٹھی گم ہونا، ہوش اڑ جانا
بوئے فتیلہ آمدن	کسی بات کا وہم ہونا، شبہ ہونا (ہرن کو جب بندوق کی بو محسوس ہوتی ہے تو بھاگنے لگتا ہے)
بہ آہو سوار شدن	ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا، عجلت کرنا
بہار بند	بہارستان، چمن (اُس گھر کی نسبت سے جہاں موسم سرما میں مویشیوں کو باندھتے ہیں)
بہ پشتِ کمان گرفتن	تیروں کی بارش کر دینا
بہ پَفے در بند است	ذرا سے اشارے پر موقوف ہے
بہ چشم زدن	نظر لگانا، حسد سے دیکھنا
بہ خود سپردن	مغرور ہونا، خود کو بہت بڑا سمجھنا، گھمنڈ
بہ خود فرو رفتن	اپنے آپ میں کھو جانا، فکر کرنا
بہ درِ تغافل زدن	غافل ہونا
بہ دستِ کم بر داشتن	کسی کو حقیر اور عاجز سمجھنا
بہ دست و دندان چسپیدن	نہایت کوشش کرنا
بہ دل خوردن چسپیدن	پسند آنا، دل کو بھانا
بہ دماغ خوردن	ناگوار ہونا
بہ دہن ہا افتادن	شہرۂ عام ہونا، موضوعِ گفتگو بن جانا
بہ زبان نگاہ داشتن	چاپلوسی کرنا، جھوٹے وعدے کرنا

بہ سرِ پا نشستن	سفر کے لیے آمادہ ہونا
بہ سرِ خانہ رسیدن	کسی منزل تک پہنچ جانا، مقصود حاصل کر لینا
بہ سرِ دست آمدن	تمام ہونا، ختم ہونا
بہ سرِ وقت اُفتادن	اچانک وارد ہونا
بہ طرح فروختن	زبردستی کسی کے ہاتھ فروخت کرنا، یا کسی دکان پر مال ڈال دینا بعد کو قیمت وصول کرنا
بہ عصا راہ رفتن	پھونک پھونک کر قدم رکھنا، احتیاط سے چلنا، راستے کا دشوار ہونا
بہ مسمار دوختن	سنبھالے رکھنا، ضبط کرنا، کسی چیز کو احتیاط سے رکھنا مضبوط باندھنا
بہیر و بُنہ	فوج کے ساتھ رہنے والا غیر جنگجو معاون عملہ جیسے لوہار، نعلبند وغیرہ
بیابان مرگ شدن	بے کسی کی موت مرنا
بے چشم و روئے نادرست	بے مروت، بے حیا
بے حضور	بے ہوش، بیمار
بے حفاظ	بے شرم، بے غیرت، بے حیا
بے دُول قیس	دلاور، کامل فن، شوخ، پہلوان
بیک پہلو افتادن	کسی کام میں نہایت کوشش کرنا
بما من گران است	یہ امر مجھ پر بہت سخت ہے
بہ یک بر کار گذاشتن	ایک حالت پر چھوڑ دینا
بیگاہ	وقت شام (غیاث)

پ

پا بدامن کشیدن	کنارہ کشی، خلوت گزینی
پا براہ گذاشتن	روانہ ہونا، آمادہ سفر ہونا
پا تا جنگ کردن	خرابی کرنا، فتنہ و فساد پھیلانا
پا جفت دویدن	نہایت تیزی سے جانا

پاچنار یاں	بے حیثیت لوگ، اجلاف۔ [پاچنار ایران میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں کے لوگ عموماً بے قید اور فرومایہ ہیں اس لیے ہر بے قدر انسان کو پاچناری کہتے ہیں (مصطلحات)
پا در دامن کشیدن	رک : پا بدامن کشیدن
پاڈُکانی	دکان کے نیچے ذیلی دکان لگانے والا، دلال
پارۂ رُو بر زمین مالیدن	اظہار عجز کرنا، عقیدت ظاہر کرنا
پاسنگر	رہنما، راستہ دکھانے والا
پائیز	موسم خزاں۔ فصل خریف
پاے چراغے داشتن	کسی نفع کی اُمید رکھنا (بازاری زبان ہے)
پدرود نمودن	خیرباد کہنا، وداع کرنا
پرسٹ زدن	ٹہلتے ہوئے نکلنا، گردش
پُرس گاہ (پُرسہ گاہ)	ماتم خانہ۔ تعزیت کی جگہ
پروپوچ بافتن	بیہودہ بے تکی باتیں کرنا،
پری دار	آسیب زدہ، دیوانہ
پس تخم زدن	فرار ہونا، بھاگ جانا
پس سر شدن	بھولی بسری ہونا
پشت چشم نازک کردن	اظہار ناخوشی کرنا، تغافل کرنا، آنکھ بچانا
پشت دست گزیدن	افسوس کرنا
پلاس پوش	ٹاٹ کا لباس پہننے والا، گھٹیا قسم کی اون کا لباس، کم قیمت (غیاث)
پنبہ دہانی	خاموشی
پوزمال	تنبیہ، گوشمالی کرنا
پوست انداختن	کسی کام سے تنگ آجانا، نقصان اٹھانا
پہلو دادن	عزت سے بٹھانا، مدد کرنا

پیرافشانی	بڑھاپے میں جوانی جیسی حرکات
پیش خود برپا بودن	گھمنڈ کرنا، مغرور ہونا

ت

تاش بادلہ	زربفت۔ سونے کا کام کیا ہوا کپڑا
تبِ استخوانی	تپ دق
تب بستن	بخار کو دوا کے بغیر کسی افسوں یا جھاڑ پھونک سے اتارنا
تب بندی شدن	باری کا بخار، پابندی سے آنے والا بخار
تختہ زدن	ترسا صبح کے وقت تختہ بجا کر عبادت کرتے ہیں
تر آمدن	شرمانا، خجل ہونا
ترسّل	نظم و نثر کی کچھ عبارتیں مختلف خطوں میں لکھ کر بچوں سے پڑھوائی جاتی ہیں تاکہ انھیں ہر طرح کے خط کی شناخت ہو جائے۔ اسے ملاطفہ بھی کہتے ہیں۔
تصدیع کشیدن	تکالیف اٹھانا
تعلّل	بیماری کا بہانہ کرنا
تک تاکِ پا	ادنیٰ اشارہ، ٹھکاری، چلنے کی آواز، ڈرانے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔
تکلیف کردن	کسی کو کوئی چیز دینا، کسی کام کے لیے تیار کرنا، ترغیب
تمارض نمودن	بیماری کا بہانہ کرنا
تمام اجزاء	کامل، پورا
تمنا بر تمنا شکستن	ساری خواہشوں کو ختم کر دینا۔ ترک لذات، قریب نے بے چین ہونے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔
تہ بازار	سڑک پر لگنے والا بازار۔ ہفتہ، کباڑی بازار، ہانی پالان دوز وغیرہ
تہ دلی	خلوص
تہ شیشہ	دُرد، تہ جام، تلچھٹ

ش	
ثمرۂ شاخ	نتیجہ۔ انجام
ج	
جا برائے کسے کشودن	کسی کی تعظیم کے لیے جگہ چھوڑنا
جار زدن	فریاد کرنا
جام بر سر کشیدن	بیک بار شراب پی جانا
جامہ در خون کشیدن	خون میں لت پت ہونا
جامۂ کسے بر سر چوب کردن	فریاد کرنا
جامہ گذاشتن	مر جانا
جگر از سنگ کردن	جی کڑا کرنا
جِلَو دار	بڑے حاکموں کے آگے چلنے والا عملہ۔ پائلٹ
جوانِ چہار شانہ	چوڑے چکلے ہاڑ کا جوان
جوانِ چرب	جوانِ رعنا و دولت مند
جہان آب و گل را دعا گفتن	خیرباد کہنا، انتقال کر جانا
چ	
چادرِ یزدی	ایک قسم کی نفیس چادر جو یزد (ایران) میں بُنی جاتی ہے
چار چار زدن	بُرا بھلا کہنا
چار شانہ	بہت فربہ، تنومند،
چانہ بیجا زدن	بیہودہ گفتگو، ہرزہ سرائی، اول فول بکنا
چراغ بہ پفے در بند است	چراغ ایک پھونک مارنے کا ہے۔ ادنیٰ اشارے پر منحصر ہے۔
چرخ دولابی	آسمان
چشم آب دادن	تماشا کرنا، سیر کرنا
چشم بہ دنبالِ کسے بودن	کسی کا بُرا چاہنا، پیچھے پڑ جانا

چشم چراندن	نظر بھر کر دیکھنا
چوب خدائی	انتقامِ خداوندی
چہار پہلو شکستن	فراغت سے بیٹھنا
چہرہ شدن	مقابلے پر آنا

ح

حاشا زدن	قسم کھانا، کسی کام کے نہ کرنے کا اظہار کرنا
حاضر یراق	تیار، کسی کام پر آمادہ
حرام توشہ	نمک حرام، حرام خور
حرام کوزہ	حرام خور
حرف بہ سر زلف زدن	اترانا، نخرے کرنا
حرف سر کردن	بات چیت کا آغاز کرنا
حرکتِ عنیفی	تکلیف دہ سفر
حلوائے نزاکت	ایک قسم کا نفیس حلوہ جو ایران سے مخصوص ہے
حیف گرفتن	انتقام، بدلہ لینا

خ

خام دست	اناڑی
خانماں بر سر غربت نہادن	مطبوعہ نسخے میں غیرت ہے مگر غربت صحیح ہوگا۔ وطن چھوڑنا، پردیس کو نکل جانا
خانہ بر خروس بار کردن	گھر کو اور سب مال و اسباب کو برباد کر دینا۔ مطبوعہ میں خروش غلط چھپا ہے۔
خانہ روشن کردن	مر جانا، نزع کا عالم
خانہ سیاہ	تباہ حال، بدبخت، جلا ہوا، لٹا ہوا گھر

خدا خواناں	اللہ کو ماننے والے، مذہب کے پیرو
خداگیر	آسمانی بلائیں، عذاب میں مبتلا ہونے والا
خرجِ راہ شدن	شدائدِ سفر سے مرجانا، راستے میں کام آجانا
خرِ خود را دراز بستن	ڈون کی لینا، اپنی شان اور بڑائی کا اظہار کرنا، فراغتِ عیش
خشک شدنِ دست پا	ہمت ہار جانا، بیکار ہوکر بیٹھ رہنا، پست حوصلہ
خصمانہ	شفقت سے غور و پرداختِ احوال، ترس کھانا، تربیت میں سختی سے نظر رکھنا، لطف و مہربانی و دشمنی، حریف ہونا، خصم پر الف نون نسبت کا اضافہ کیا ہے۔
خط بر بینی کشیدن	ناک سے لکیر کھینچنا۔ اظہارِ عاجزی
خلوتِ باصفا	یزد (ایران) کے قریب ایک جگہ کا نام۔ درویشوں کے لباس کو بھی خلوت باصفا کہا گیا ہے۔
خم تنگ	تنگ ظرف، فرومایہ
خمیازہ کشیدن	انگڑائی لینا، کسی غلط کام کا نتیجہ بھگتنا
خندیدن شام	جھٹپٹا۔ شام کا آغاز
خوانندہ	گویا، موسیقار
خودکشی	کسی کام میں سخت محنت، مجاہدہ، جہدِ بلیغ
خورشید سوار	روشن چہرے والا
خوش پرکار	اچھے قد و قامت والا، خوب صورت
خونِ ایشان شیریں بسیار است	بہت لذیذ ہے
خیمۂ شب بازی	کٹھ پتلی

د

دار و دستہ	قوم و قبیلہ
دامن بالا زدن	کمر کسنا، سواری وغیرہ کے لیے تیار ہونا، دامن جھٹک کر الگ ہوجانا

دامنِ پہلودار	ایسا شخص جس سے بہت سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں، دامن فراخ
در آتش و آب بودن	بہت رنج اور تکلیف اٹھانا
در جناحِ سفر	آمادۂ سفر
درگردیدن	اُجڑ جانا، برباد ہو جانا
درگیر شدنِ صحبت	بات چیت ہونا
دریائے لنگردار	بڑا دریا جس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو
دست بہ دست بودنِ راہ	راستے کا آسان اور نزدیک ہونا
دست بہ سر کردن	رخصت کرنا، وداع کرنا
دست پاچہ شدن	مضطرب ہونا
دست پیچ	پروانہ، دستاویز
دست پلشتی	ظلم و تعدی
دست دستِ اوست	اُسی کا دور دورہ ہے، قدرت و اقتدار ہونا
دست کجی کردن	ظلم کرنا، دست درازی
دست کش	خادم، نوکر
دست و پا خشک شدن	بیکار بیٹھنا، ہمت ہار جانا
دُکان گردیدن	گرمیِ بازار، دکان کا خوب چلنا
دل بہ دریا افگندن	ہلاک ہونے پر آمادہ ہونا
دلِ شب	آدھی رات
دم و پوست	سرمایہ، پونجی
دم و دود	مختصر سرمایہ، تھوڑی پونجی
دُنبالہ	

مؤلف کے حاشیے ہیں ہے ، دنبالہ داشتن از عقب داشتن چیزے، والیٰ دنبال نظر استعمال کنند۔ یہاں حوالہ نہیں ہے مگر یہ عبارت چراغ ہدایت سے ماخوذ ہے اور خان آرزو نے

دنبالہ داشتن کے معنوں کی وضاحت میں لکھی ہے میر نے یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا مفہوم یہ نہیں۔ وہ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہان خاں کو کمزور سمجھ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اُس کی کمک کے لیے جو ابدالی فوج موجود تھی اُسے ذہن میں نہ رکھا۔

دُنبالہ گرد	متعاقب۔ پیچھا کرنے والا۔ دنبالہ دو کمک
دندان بہ جگر افشردن	مکروہات کا برداشت کرنا، جی توڑ کوشش
دنداں بہ حرف گذاشتن	عہد و پیمان پر قائم رہنا، بات کی پاسداری کرنا (وارستہ) "فلانے دندان بہ حرفِ خود گذاشت" یعنی بات چبا گیا نیم گفتہ چھوڑ دی (بہار) خلافِ وعدہ کرنے اور مکرنے کو بھی کہتے ہیں میر نے عاجز ہو جانے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔
دندان بہ دندان کلید شدن	بتیسی بند ہو جانا (مثلاً بے ہوشی میں)
دوبدو	آمنے سامنے
دو بغل	دونوں بغلوں میں بھر کر۔ کَولی بھر کر
دو تیغہ بازی	دونوں فریقوں سے ملے رہنا۔ سانٹھ گانٹھ ایران میں رسم ہے کہ سپاہی دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر گھماتا ہے جیسے ہندوستان میں پٹے بازی کہتے ہیں (چراغ)
دودلہ شدن	کشش و پیچ میں ہونا۔ پراگندہ خاطر
دور گردان	دور دور پھرنے والا، کم آمیز
دوست روئی	جان پہچان۔ شناسائی
دوش بر تابوت گذاشتن	جنازے کو کندھا دینا
دوگاہ	نام راگ جیسے ہندی میں رام کلی کہتے ہیں
دہ باشی	فوجی اصطلاح۔ دس سپاہیوں کے جمعدار یا میردہ کو کہتے ہیں۔ (ولیم اروین: آرمی آف دی مغلز)
دہ زبانی	اپنی بات پر قائم نہ رہنا۔ ہر بار بیان بدلنا

دہن چیزے نداشتن	کسی بات یا شے کی لیاقت وقابلیت نہ ہونا۔ یہ محاورہ اُردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے "میرا کیا منھ ہے" "مجھے اس بات کا منھ نہیں۔ (بہار)
دیر ماندن	ٹھہرنا۔ زیادہ قیام کرنا
دیوارِ صورت کار	مصور کا کینوس۔ ایسی دیوار جس پر تصویریں ہوں

ر

راہ بُریدن	بٹ ماری، راہ زنی کرنا
راہِ خوابیدہ	بہ معنی راہِ دور۔ از کلام اساتذہ مستفاد می شود و در شعر سعد الدین راقم "جادۂ خوابیدہ" دیدہ شد و خالی از نازکی نیست (چراغ)
راہ قفل بودن	"راہِ دریا قفل بود" کا مطلب ہے برسات میں ندی نالے چڑھ جانے کی وجہ سے دریا کا سفر بند تھا۔
رخت کشیدن	سفر کرنا
رفتگی	عشق۔ رفتۂ کسے بودن۔ رفتگی داشتن "والہانہ محبت"
رگِ خواب	رگ کسے بدست آوردن و آمدن و داشتن۔ عنان اختیار کا ہاتھ میں لینا۔ کسی کی [illegible] کا فائدہ [illegible] بہ غلط [illegible] لطائف الشعراء میں بھی آیا ہے۔
رگِ گردن	[illegible]
رنجِ باریک	[illegible]
رنگ از رو پریدن	ہوش اڑ دینا۔ چہرے کا رنگ فق ہونا
رنگِ تازہ ریختن	نیا کام کرنا، جدت پیدا کرنا
رنگین رفتن	خرامِ ناز، خوش رفتاری
رنگِ مہتابی	رنگ سفید مائل بہ زردی مثل ماہتاب (بہار و چراغ)
روا آمدن داشتن یا	دونوں علیحدہ محاورے ہیں میر [illegible] نے دونوں کا مرکب

رُو از سنگ داشتن] — بنا دیا ہے۔

رُو از کسے گرفتن — محجوب ہونا، شرمندہ ہونا

رُو انداختن — سوال کرنا، التماس کرنا

رُو باختن — شرمندہ ہونا، بے آبرو ہونا

رُو بارُوے خود — مقابل آمنے سامنے

رُو بر زمین انداختن — (برخاک انداختن) کسی کی آبرو کا پاس نہ کرنا' شرم و لحاظ نہ کرنا، بے عزت کرنا

رُو تافتن — بے دماغ ہونا، منہ موڑنا، التفات نہ کرنا

رُو داری — آنکھوں کی شرم، مروت۔ لحاظ

رُود خانہ — بہ معنی دریا۔ رود کا مزید علیہ

روزی از زخم پراگندہ خوردن — اِدھر اُدھر سے بدشواری تمام روزی حاصل کرنا

رُو سفید — نیک، خوش اقبال، دولت مند (روسیاہ کی ضد)

رَوغن قاز مالیدن — تملق اور خوشامد کرنا، فریب دینا

رُومال سیاہ — پردۂ مشکین و پردۂ نیلوفری جو آنکھیں دکھنے (آشوب چشم) میں آنکھ پر باندھا جاتا ہے۔

رُوئے تازہ داشتن — معتبر ہونا، لوگوں کی نظر میں

روے دل دیدن — کسی کی جانب سے التفات اور توجہ پانا

رُوے کسے دیدن — کسی کی رو داری، لحاظ کرنا، جانب داری کرنا

رُوے نادرست — بے حیا، بے مروت

رہکلہ — چھوٹی توپ

رِیتی — جمنا کا کنارہ

ریختن بہار — موسم بہار کا آخری زمانہ، اختتام

ریسماں برائے کسے تافتن — کسی کو ہلاک یا برباد کرنے کا منصوبہ

ز

زالِ بے حفاظ	بے شرم بڑھیا۔ بے حیا فاحشہ (کنایہ: دنیا)
زبان بازی	گفتگو، مکالمہ، دو بدو کی چوٹ
زبان دادن	عہد و پیمان کرنا۔ کسی بات کا اقرار و اعتراف
زبان در تہ زبان داشتن	(در زیر زبان داشتن) اپنی بات بار بار بدلنا
زبانہ کشیدنِ آتش	آگ کا بھڑکنا۔ لپٹیں اُٹھنا
زبانِ مغز دار	فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والا۔ تہ دار بات کہنے والا
زبون گشتن	مغلوب ہونا
زبون گیر	کمزوروں اور ضعیفوں کو آزار پہنچانے والا۔ بے رحم
زخمِ دامن دار	بڑا اور گہرا زخم
زرِ بستہ	وہ سکہ جو ابھی ٹھپا یا نہ گیا ہو، سونا
زرِ توفیقی	راہ خدا میں یا بزرگوں کو نذر کے طور پر خرچ کیا جانے والا روپیہ فتوح۔ نذرانہ
زرغتِ خام	کچا اناج، دانے
زنجیرِ سر	وہ زنجیر جو ولایتی قلندر اپنے سر پر لپیٹ رکھتے ہیں [illegible]
زنخ زن	ہرزہ گو۔ بکواس کرنے والا
زنگ و زنجیر	فقرا اور قلندروں کے کمر میں باندھنے کی چیز [illegible]
زود خوردی	جھڑپ
زیادہ سر	اپنی حد سے باہر قدم رکھنے والا، اپنے آگے [illegible] مغرور، گھمنڈی۔ یہ لفظ خان آرزو نے اہلِ ایران سے تحقیق [illegible] لکھا ہے۔ ذکرِ میر طبع اول میں غلطی سے [illegible] چھپا ہے۔
زیر پیچ دستار	عمامہ کے نیچے کی چھوٹی دستار یا رومال۔ اسے ہندوستان میں تہ پیچ کہتے ہیں، مگر میر نے وہ لفظ استعمال کیا جو اہلِ ایران کی بولی ہے

زینتِ قلندری	آرائشِ قلندری۔ قلندرانہ وضع

س

سادہ رو	جوان بے ریش، امرد
ساز و برگ	اسباب، سر و سامان
سانِ فوج	ساز و سامانِ لشکر
سایہ دستِ کسے گرفتن	کسی سے فیض پانا
سبک پا	شخص بے تمکین (مقابل فراخ چراغ)
	تیز رفتار، چابکدست
	خوش خو
سباحت	[illegible] کہتے ہیں بنا نہیں ہے۔
ستارہ [illegible]	[illegible]
سترپوش	لباس
سجادہ محرابی	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
	[illegible] وغیرہ
سر [illegible] گریبان [illegible]	کسی [illegible] کے بالکل ہم شکل ہونا۔ آرزو کہتے ہیں کہ جو اس کے معنی [illegible] اور برابری کرنا بتاتا ہے وہ غلطی پر ہے (چراغ)
سرب	سیسہ جس سے بندوق کی گولی بناتے ہیں (قدیم اصطلاح میں صرف گولی کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے سرب و بارود یا بارود)
سر بر کردن	صلح کرلینا۔ موافقت کرنا
سر بسرِ کسے داشتن	کسی سے جھگڑا کرنا۔ عداوت رکھنا
سر بہ گریباں فرو بردن	غور و فکر کرنا
سر پائے زدن	ٹھوکر مارنا

سرِ پیچ دار	لمبے بالوں کو باندھ کر جٹا بنا لینا جیسے سادھو وغیرہ کرتے ہیں۔
سرِ پیچ زدن	اونگھنا، نیند میں جھونٹے لینا
سرِ توقع خاریدن	کسی سے کچھ اُمید یا توقع رکھنا
سرِ حساب شدن	واقف و آگاہ ہونا
سرخ و زرد شدن	شرمندہ ہونا
سرِ داستان کشادن	حکایت بیان کرنا، داستان سنانا
سرزدہ آمدن	بے خبر و ناگاہ آنا
سرِ زخم مالیدن	ترس کھانا، تدبیر سوچنا، یہ بھی آرزو نے اہل زبان سے پوچھ کر لکھا ہے
سرِ سخت خوردن	بھاری صدمہ اٹھانا، سخت بلا میں گرفتار ہونا، وارستہ
سرِ شتی	سرکش
سرِ صفحہ	کسی صفحہ کا ابتدائی حصہ شروع کی عبارت
سر کردن	سلوک کرنا، کسی کام کا شروع کرنا اور اسے تکمیل تک پہنچانا۔ زندگی بسر کرنا (غیاث)
سرِ کُلاوہ	"سرِ کُلاوہ گم کردن" سررشتہ کا ہاتھ سے نکل جانا، کسی معاملہ [illegible] قابو سے باہر ہو جانا
سرگین	سردار فوج (وارستہ) کسی کام کی ابتدا کرنے والا [illegible] نے اس کا مطلب شخص و فتنہ انگیز لکھا ہے۔
سرگین پرگین	سرکش و پرکینہ بھی بولا جاتا ہے اردو میں [illegible] جو کھایا ہوا۔
سرِ تلہ زدن	جنگ کرنا، ٹکر لینا، مقابلہ اور برابری [illegible]
سرِ کلاہ زدن	فائدہ حاصل کرنا، نفع اٹھانا
سرِ نقطہ [illegible]	یہ محاورہ علم نجوم نجات و طلسمات [illegible] اس علم کی اصل شہنشاہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک طلسماتی [illegible]

کہ اُسے کوئی آنکھوں میں لگالے تو وہ سب کو دیکھ سکتا ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھے گا یہاں میر کی مراد روپوش ہوجانے سے ہے۔

سفید شدن — ظاہر و نمودار ہونا، نمایاں ہونا، معزز ہونا (چراغ۔غیاث)

سفید گفتن — کھری کھری سنانا

سفیدہ دم — علی الصباح، تڑکے میں

سفیدۂ صبح دمیدن — صبح کا نمودار ہونا

سقفِ منقش — آسمان

سقیفہ سازی — بہتان تراشی۔ جھوٹ بات کہنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحابِ رسول نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرلی تھی اس محاورے میں یہی تلمیح ہے اور اس لفظ کا استعمال میر نے اپنے تشیّع کے اظہار کے لیے کیا ہے۔

سکہ بزر زدن — کسی کام کو بہ حسن و خوبی انجام دینا، جو کہنا وہ کر دکھانا

سکہ درست — معاملے کا کھرا انسان

سگِ پا سوختہ — بہت مضطرب اور حیران کار شخص۔ لفظ مثل و مانند کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اُردو میں اِس کا مرادف ہے "جلے پانو کی بلّی"

سگِ روے یخ — ایسا آدمی کہ اُسے جدھر دوڑا دیں دوڑ جائے اور جس کام کو کہیں اُسے کرنے میں لگ جائے۔ خانِ آرزو نے یہ محاورہ اہلِ زبان سے تصدیق کرکے لکھا ہے (چراغ۔ بہار) چراغ میں "سگ روے" بہ معنی مطیع و فرماں بردار

سلاخی کردن و نمودن — لفظی مطلب ہے "کھال کھینچنا" مگر کنایۃً سخت سست باتیں کہنا ڈانٹ پھٹکار۔ اعتراض۔ یہ محاورہ بھی اہلِ زبان سے پوچھ کر لکھا ہے (چراغ و بہار)

سلسلۂ مُو	لمبے گھونگھریالے بالوں والا
سمسار	بہ کسرِ اوّل۔ دوکاندار اور خریدار کے درمیان معاملہ طے کرانے والا دلال کمیشن ایجنٹ۔ مختلف اشیا رشلاً سپر، شمشیر، زین، لگام وغیرہ فروخت کرنے والا۔
سنگ بہ سنگ زدن	کسی معمولی کام کے کرنے میں زیادہ اُدھم مچانا نیز بہ معنی رنج دینا، خراب کرنا۔ (اُردو میں اینٹ سے اینٹ بجانا) مکمل تباہ کر دینا۔
سنگ داغ	جیسے پتھر گرم کرکے اُس سے داغا جائے۔ مجازاً عاشق دل سوختہ۔ پتھر گرم کرکے اُس سے پانی بجھایا جاتا ہے اسے بھی سنگ داغ کہتے ہیں (چراغ و بہار)
سنگر بستن	بروزن لنگر۔ لشکر کے یا گھروں کے چاروں طرف حفاظت کے لیے گھراؤ کرنا۔ توپیں رکھ کر کانٹے بچھاکر۔ مورچال۔
سنگر و سنگ چین	مورچال اور چھوٹی دیواریں
سنگِ روے یخ	دیکھو سنگ روے یخ
سنگ زیرِ سر گذاشتن	صبر کرنا، توکّل کرنا
سنگ قناعت	بے نوا یا مجاہدہ کرنے والے درویش بھوک کی ایذا سے بچنے کے لیے پیٹ سے پتھر باندھ لیتے ہیں
سوارِ دولت	صاحب دولت۔ بااختیار و اقتدار
سودا کردن	جنون ہو جانا
سوزہ بال (سوزن بال)	پہلے پہل جب کسی پرند بچے کے پر نکلتے ہیں تو وہ سوئی یا کانٹے کی شکل کے ہوتے ہیں۔ یہاں سوزہ بظاہر سوزن کا مخفف ہے۔ ھاآخر میں زائد ہے۔ غالباً یہ بچۂ طائر کے لیے مخصوص ہے مگر بیدؔل نے اس لفظ کا استعمال اپنے لیے کیا ہے۔ (چراغ و بہار)

سوہانِ روح	" ایسا شخص جس کی صحبت سے طبیعت کو مناسبت نہ ہو اور جس سے مل کر آزار محسوس ہو۔ یہ اُردو میں بھی خوب رائج ہو گیا ہے اور شخص کی قید نہیں کوئی بات یا امر بھی سوہان روح ہو سکتا ہے۔ آرزو نے یہ محاورہ بھی اہلِ زبان سے تحقیق کر کے لکھا تھا (چراغ و بہار)
سَہل	معمولی۔ حقیر۔ آسان، ہلکا۔ نرم زمین
سیاہی زدن و کردن	نمودار ہونا، نظر آنا۔ ڈھنڈھیا دینا۔ خود نمائی۔ مباہات فخر کرنا
سیر آہنگ	خوش آواز، خوش الحان
سیرابہ پزر	ہندوستان میں جس طرح صبح کو نہاری پکا کر بیچتے ہیں اہلِ ایران میں دستور تھا کہ وہ سیرابہ پکاتے تھے۔ آرزو نے یہ لفظ اہلِ زبان کی سند سے لکھا ہے کہ اس میں "کلہ و پاچہ" یعنی سری ہوتی تھی۔
سیم بندی	چراغاں کی ایک قسم جس میں شمعوں کو باریک تار سے باندھ کر نئے نئے انداز سے رکھا جاتا ہے؟
سیم گل کردہ	قلعی کی ہوئی، بتی ہوئی
سیم مُذاب	پگھلی ہوئی چاندی

ش

شاخ از پیشانی برآوردن	نہایت شرمندہ ہونا
شاخ بر دیوار کردن (زدن)	تکیہ، گھمنڈ، گردن کشی (بُرہان و سراج میں خوش حال او نیک بخت)
شالِ کہنہ داشتن	بہت مفلس ہونا
شانہ کاری نمودن	فریب دینا، ظاہری خوشامد کرنا
شانہ گیر شدن	اعتراض کرنا، جھڑکنا
شاہ اندازی	ڈینگ مارنا، بلند دعوی کرنا
شب شکستن	پو پھٹنا، کسی مصیبت کے وقت کا گذر جانا، رات کا تھوڑا حصّہ باقی رہ جانا۔

شب بہ سر دست آمدن	رات گذرنا
شست آویز نمودن	پھانسی پر چڑھانا، سزا دینے کے لیے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کسی چیز سے مضبوط باندھ کر لٹکا دیتے تھے
شُست و شُو دادن	نصیحت کرنا، جھڑکنا، کسی عملِ ناشائستہ سے روکنا
شکر آب	شکر رنجی معمولی سی رنجش
شکر انگور	ولایتی انگور کی ایک قسم جو سمرقند میں ہوتا ہے
شکری رنگ	سفید مائل بہ زردی، آدمی کے رنگ کے لیے کہا جاتا ہے
شکستنِ شب	رات کا آخری حصہ، رات کا تھوڑا سا رہ جانا
شیر اندام	چوڑے سینے اور پتلی کمر والا جوان
شیر شرزہ	شیر ببر، خوفناک شیر
شیرہ خانہ	شراب کی بھٹی۔ (آرزو نے یہ لفظ اہلِ زبان سے سن کر لکھا ہے)
شیرینی شنبہ	ایران کی رسم ہے کہ بادشاہ اور امرا ہفتہ کے دن خاصانِ درگاہ کے نام پر نیاز کرتے تھے۔
شیشہ بند کردن	کسی کا مذاق اڑانا، ٹھٹھول کرنا
شیشہ جان	نازک مزاج

ص

صحبت بر آر شدن	صحبت کا سازگار ہونا
صحبت درگیر شدن	آغازِ گفتگو، بات چیت شروع ہونا
صحبت فرونی شدن	صحبت بے مزہ ہو جانا
صحبت کوک شدن	ملاقات کا خوشگوار ہونا
صد درود خواندن	صلواتیں سنانا، برا بھلا کہنا
صد کوزہ بسازد یکے دستہ ندارد	کسی بات کا اعتبار نہ ہونا، بے پر کی اڑانا
صرفہ دادن	مہلت دینا، فرصت دینا

صورتباز	بہروپیا
صیحت	شہرت (عربی میں شہرت کے لیے صیت ہے) یہاں شور و غوغا مراد ہے۔

ط

طرح کش	ناز بردار، محکوم، فرماں بردار
طرفِ کلاہ بر شکستن	فخر و ناز
طرف گشتن / شدن	مقابل ہونا
طفلِ ہالہ	نوزائیدہ شیر خوار بچہ، پالنے میں پلنے والا، جس کی ولادت کو چند روز سے زیادہ نہ ہوئے ہوں۔

ظ

ظلِّ ممدود	پھیلا ہوا سایہ

ع

عُروکور	بے محل شور و غوغا۔ اودھم مچانا (نسخہ مطبوعہ میں عروکور چھپا ہے)
عزیز مردہ	جس کا کوئی عزیز مر جائے، بددعا ہے اور عورتوں کا محاورہ ہے فارسی میں یہ کوسنے کے طور پر بولا جاتا ہے۔ میر نے فارسی جدید کے استعمال کے شوق میں اسے اپنے باپ کا لقب ہی بنا دیا!
عَلَمِ مُردگاں	ایران میں رسم ہے کہ جنازے کے آگے علم لے کر چلتے ہیں۔
عُلوفہ	روزی، خرچ
عودی رنگ	سانولا رنگ

غ

غنچہ پیشانی	رنجیدہ، غمگین
غیرتِ بحرام	بے شرم، بے غیرت

ف

فتیلہ مُو — گھونگھر والے بال، اُلجھے ہوئے بٹے ہوئے بال

فلک کردہ — اُلٹا لٹکایا ہوا، جسے عذاب دیا گیا ہو، ظلم رسیدہ

فوجِ اِلتمش — ہراول دستے اور سردار کے بیچ رہنے والا فوجی دستہ (غیاث) چنداول

فِیئتین — دو گروہ

ق

قدر انداز — نشانے پر تیر مارنے والا

قدغن — تاکید۔ سخت احکام

قدغنچیاں — نظم و نسق کرنے والے، بادشاہ کی طرف سے انتظام کے لیے مامور

قدم شمردہ برداشتن — احتیاط سے چلنا

قلندرانِ برگ بند — بدن کو پتّوں سے ڈھانپنے والے قلندر، بے سروسامان درویش

قمار در راہِ قمار — ایسا کام کرنا جس سے واقفیت نہ ہو، جیسے جوئے کی رسم و راہ سے ناواقف اگر جوا کھیلے گا نقصان اُٹھائے گا۔ صرف قمار راہِ قمار بھی کہتے ہیں۔

ک

کار بر خود تنگ گرفتن — عاجز ہو جانا

کارد با ستخواں رسیدن — سخت مصیبت میں مبتلا ہونا

کاسہ باز — ایک طلسماتی کھیل ہے، ایک شخص بڑا سا لبادہ اوڑھ کر اُس کے اندر سے کبھی پیالہ یا کوئی اور برتن نکال کر دکھاتا ہے۔ کبھی پانی سے بھرا ہوا پیالہ نکالتا ہے جس پر کبوتر بھی بیٹھا ہوتا ہے، یہ شیشہ بازی و طاس بازی کی قسم سے ہے۔

کاسہ بر سر شکستن — رسوا کرنا۔ ذلیل کرنا

کُلہ گوشہ بہ آسمان رسیدن	کمال ذوق و شادمانی و خوشحالی
کم بغل	بے حیثیت۔ فرومایہ
کم کاسہ	کم ظرف
کنارِ خشک داشتن	مفلس و بے مایہ ہونا
کنایہ زدن	پہلو دار بات کہنا
کوچک ابدال	چھوٹا ابدال، فقیر
کوچہ دادن	مہلت دینا، کسی کو راستہ دینا، راہ میں رکاوٹ نہ ہونا
کُہنہ فعلہ	گھاگ

گ

گاؤ در خرمنِ کسے بستن	ظلم کرنا، داداگیری، بیگاری، دوسروں کے مال میں تصرف
گپ زدن	بات چیت کرنا
گربہ لاوہ	نقلی بے جان بلّی۔ بچوں کے ایک کھیل چابک کی طرف اشارہ ہے جس میں بلّی کا پُتلا بھی ہوتا ہے۔
گرسنہ چشمی	کنجوسی، حرص، گداگری،
گرگِ بغل زن	گھاگ۔ آزمودہ کار
گرمِ رفتن	جلدی جانا، تیزی سے جانا
گریبان انداختہ	گودلیا ہوا،
گلیانگ بر قدم زدن	تیزی سے جانا، جلدی
گل بر سرِ خاک زدن	عزت و توقیر کرنا
گُل حلوا	حلوے کا ڈھیر، مقدار
گِلخن	گِل بمعنی خاکستر اور خن خانہ کا مخفف ہے۔ گھورا۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ بہ کسرِ اوّل بھی مستعمل ہے۔
گِل در آب افگندن	فساد اور خرابی پیدا کرنا

کاسہ بند نمودن — ڈھک کر رکھنا، بند کرنا

کاغذ باد — پتنگ

کاغذ زر — ہندوی

کاکل شب — صبح صادق (جسے قرآن میں خیط الاسود کہا گیا ہے)

کباب سنگ — کباب کی ایک قسم جسے گرم پتھر پر پکاتے ہیں۔
اسے [illegible] کباب کہتے ہیں

کباب گذشتہ — جلا ہوا کباب، از کار رفتہ

کبود جامہ — مازندران (ایران) کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ یا گاؤں ہے
(مطلع السعدین)

کج بازی — بدمعاملگی (چراغ)

کشتی زدن مردانہ — (بفتح کاف و بضم کاف) پہلوانوں کی اصطلاح۔ حریف کی گردن
میں ہاتھ ڈال کر اسے پچھاڑنا

کفِ افسوس کندن — افسوس کرنا، رنجیدہ ہونا

کفن پارہ کردن — سخت بیماری سے صحت یاب ہونا، نئی زندگی پانا

کلاغ زدن — طعنہ دینا، مذاق اڑانا (غیاث و مصطلحات)

کلاں کار — تجربہ کار، ماہر

کلاہ از سر کسے برداشتن — کسی کے بارے میں دریافت کرنا [illegible]

کلاہِ شب پوش — رات کو پہننے کی ٹوپی

کلکل شدن — دونوں کاف مفتوح۔ فضول گوئی [illegible]

کلک نسب — بفتح اول و دوم مفلس اور پریشان [illegible] کے
معنی [illegible] لکھتے ہیں [illegible] کلک
کے معنی [illegible] اور ذلیل بھی ہیں۔ (غیاث و چراغ)

کل کل — شور و ہنگامہ، واویلا

گُلِ صد پردہ/صد برگ	گل ہزارہ، گیندا
گُلِ مہتاب	چاندنی رات میں درختوں کا سایہ جو زمین پر پڑتا ہے۔
ل	
لگد برابر زدن	فخر کرنا، مقابلہ کرنا، برابر کی ٹکر لینا
لگدِ روزگار خوردن	حادثے کا شکار ہو جانا، اچانک موت
لنگر از کف دادن	بے اختیار اور سخت مضطرب ہو جانا
م	
ماءِ مسکوب	بہتا ہوا پانی
مُتشبّث بہ قلب	قلب سے لپٹا ہوا، قلب کو متاثر کیے ہوئے
مُحتَضَر	عالم سکرات میں، نزع کے عالم میں (احتضار سے اسم مفعول)
مردم داری	مروت
مردہ شو بُردہ	کوسنا ہے کہ اُسے مردوں کو غسل دینے والے لے جائیں
مرغول مُو	گھونگھریالے بالوں والا
مُزِلّۃ الاقدام	پیروں میں لغزش پیدا کرنے والا، (جہاں غلطی کا امکان ہو)
مستِ سرانداز	نہایت بدمست
مُصحف خوردن	قسم کھانا
مُغتَر	مغرور، گھمنڈی
مغزِ خر خوردہ	احمق، گاؤدی
مُلّائے قِشری	کٹھ ملّا
مہتاب بہ گز پیمودن	بے فائدہ کام
مُہوّس	کیمیاگر
میان دادن	اجازت دینا، رخصت کرنا
میخِ چشم بودن	کسی کو تکلیف پہنچانا، رنج دینا، آنکھوں میں کھٹکنا

میخ دوز ایستادن	مضبوطی سے جم کر کھڑا رہنا، ہمت سے مقابلہ کرنا

ن

نازہائے ہُرمزی	عجیب نخرے، ناز و انداز دکھانا
نام برگشتہ بیمار	بیماری طویل ہو جائے تو بہ طورِ فال بیمار کا نام تبدیل کر دیتے ہیں یہ ایران کا دستور ہے
نان بر شیشہ مالیدن	نہایت حریص اور لالچی ہونا
نان بہ روغن اُفتادن	عیش ہونا، پانچوں گھی میں ہونا
نانِ جوان	روٹی کی ایک قسم تازہ روٹی
نان خورشِ پیر	باسی سالن
نان شماط	تندور، بہت سی روٹیاں رکھنے کا ظرف
نان گُربہ را بہ تبر زدن	حیلے بہانے سے روزی حاصل کرنا، نہایت مفلس ہونا
نسقچی باشی	شہر میں امن و امان کا انتظام کرنے والا
نسق مقرر شدن	امن و امان قائم ہونا
نشیمنہ	بیٹھنے کی جگہ، مسند
نصف دل خوش	بے دلی کے ساتھ۔ با دلِ ناخواستہ
نطعی پوش	چمڑے کی جیکٹ جو پہلوان پہنتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ چمڑے کا وہ ٹکڑا ہے جسے بچھا کر پہلوان کشتی لڑنے سے پہلے اپنا سامان رکھ دیتے ہیں یہ اُستاد ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایک تحقیق یہ ہے کہ فن کشتی میں مہارت پیدا کرنے کے بعد ایک جیکٹ کو مدت تک روغن کے دتاوں میں بھگو کر رکھا جاتا ہے بعد اسے پہننے والا نطعی پوش کہلاتا ہے گویا اب وہ مانا ہوا استادِ فن ہے۔
نقشِ کار نہ داشتن	کسی کام کے لائق نہ ہونا
نمازِ پیشین	ظہر کی نماز

نمدمُو	اُلجھے ہوئے بالوں والا
نواخوانی کردن/نمودن	اشاروں کنایوں میں بات کہنا، طعنہ دینا
نوکیسہ	نودولت

و

واکشیدن	کسی کو زور زبردستی سے کسی کام کے لیے تیار کرنا، میرؔ نے واپس آنے کے معنی میں استعمال کیا ہے
وقفِ اولادی	فقہی اصطلاح، کسی چیز کو اولاد کے لیے وقف کرکے دوسروں کو تصرف سے باز رکھنا۔

ہ

ہرزہ چانگی	بیہودہ گوئی، بکواس
ہرزہ مرش	آوارہ، اِدھر اُدھر بھٹکنے والا
ہمسر	زوجہ، بیوی
ہمگیر	آرزو نے اس کا مفہوم نیرنگ گرفتن لکھا ہے لیکن جو شعر سند میں دیا ہے اس سے مفہوم موافقت کرنے کا ہی نکلتا ہے، میرؔ نے بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے

ی

یال و کوپال	کرّوفر، تن و توش
یخ آب گشتن	پریشاں و پراگندہ ہونا، تکلیف اٹھانا
یراق	وردی، ساز و سامان
یک آتش پختن	تھوڑی سی مدت، قلیل زمانہ
یک دمِ آب	ایک گھونٹ پانی
یک شاخ چادر افگندن	فاحشہ عورت کا شوخی و بے حیائی سے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دینا میرؔ نے صرف یک شاخ افگندہ استعمال کیا ہے۔
یلغر	یلغار کرتے ہوئے یورش

•••

اشاریہ

[نوٹ: اِس اشاریے میں صفحات کے حوالے صرف میر کی آپ بیتی ترجمہ ذکرِ میر کے دیے گئے ہیں۔]

اشخاص

(الف)

(ب)

د

مقامات

ادارے

کتابیں و رسالے